شمارہ نمبر 66-61 ،نومبر 2013 تا اپریل 2014ء

❀ اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

﴿وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ اَفَاْئِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخَالِدُوْنَ ۞ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ وَنَبْلُوكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً وَّاِلَيْنَا تُرْجَعُونَ ۞﴾ (الأنبياء 21 : 34، 35)

''ہم نے آپ سے پہلے کسی اِنسان کو بقائے دوام نہیں بخشا، تو کیا اگر آپ فوت ہو جائیں، تو یہ لوگ ہمیشہ رہنے والے ہیں؟ ہر جان نے موت کا مزہ چکھنا ہے اور ہم تمہیں برائی اور بھلائی میں آزمائش کے لئے مبتلا کرتے ہیں اور تم ہماری ہی طرف پلٹائے جاؤ گے۔''

❀ سنی امام و مفسر ابن جریر طبری رحمہ اللہ اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

يَقُولُ تَعَالٰى ذِكْرُهُ لِنَبِيِّهِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : وَمَا خَلَّدْنَا أَحَدًا مِّنْ بَنِي آدَمَ ـيَا مُحَمَّدُـ قَبْلَكَ فِي الدُّنْيَا، فَنُخَلِّدَكَ فِيهَا، وَلَا بُدَّ لَكَ مِنْ أَنْ تَمُوتَ كَمَا مَاتَ مِنْ قَبْلِكَ رُسُلُنَا .

''اللہ رب العزت اپنے نبی سے فرماتے ہیں: اے محمد ﷺ! آپ سے پہلے ہم نے اس دنیا میں کسی آدم کے بیٹے کو ہمیشہ کی زندگی نہیں دی کہ آپ کو ہمیشہ زندہ رکھیں۔ ضرور آپ بھی فوت ہوں گے، جس طرح آپ سے پہلے

آنے والے ہمارے رسول فوت ہو گئے تھے۔''(تفسير الطبري : 24/17)

❁ ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُونَ﴾ (الزمر 39 : 30)

''(اے نبی!) بلاشبہ آپ بھی فوت ہونے والے ہیں اور یقیناً یہ (کفار) بھی مر جائیں گے۔''

❁ مفسر اہل سنت، حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

هٰذِهِ الْآيَةُ مِنَ الْآيَاتِ الَّتِي اسْتَشْهَدَ بِهَا الصِّدِّيقُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عِنْدَ مَوْتِ الرَّسُولِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، حَتّٰى تَحَقَّقَ النَّاسُ مَوْتَهٗ، مَعَ قَوْلِهٖ : ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا وَّسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِينَ﴾(آل عمران 3 : 144)، وَمَعْنٰى هٰذِهِ الْآيَةِ : سَتُنْقَلُونَ مِنْ هٰذِهِ الدَّارِ لَا مَحَالَةَ، وَسَتَجْتَمِعُونَ عِنْدَ اللّٰهِ فِي الدَّارِ الْآخِرَةِ، وَتَخْتَصِمُونَ فِيمَا أَنْتُمْ فِيهِ فِي الدُّنْيَا مِنَ التَّوْحِيدِ وَالشِّرْكِ بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ، فَيَفْصِلُ بَيْنَكُمْ .

''یہ آیت مبارکہ ان قرآنی آیات میں سے ہے جنہیں سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت بطور دلیل پیش کیا تھا۔ اس آیت سے لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا یقین کر لیا۔ مذکورہ آیت کے ساتھ

یہ آیت بھی ان کی دلیل تھی: ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا وَّسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ﴾(آل عمرٰن 3 : 144) (محمد ﷺ صرف ایک رسول ہیں، ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ پس اگر کیا وہ وفات پا جائیں یا انہیں شہید کر دیا جائے، تو تم اسلام سے پھر جاؤ گے؟ جو شخص اپنی ایڑھیوں کے بل پھر جائے، وہ اللہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا اور اللہ تعالیٰ عنقریب شکر گزار بندوں کو بدلہ دینے والا ہے)۔اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ سب لوگ دنیا سے ضرور بالضرور جانے والے ہیں اور آخرت میں اللہ رب العزت کے پاس جمع ہونے والے ہیں۔وہاں اللہ کے سامنے تم توحید و شرک میں اپنا دنیوی اختلاف ذکر کرو گے۔اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان فیصلہ فرما دے گا۔''

(تفسیر ابن کثیر : 488/6)

مذکورہ آیاتِ کریمہ میں دنیوی زندگی کے بعد موت کا ذکر ہے۔

موت کے بعد اخروی زندگی شروع ہوتی ہے، جو دراصل جزا و سزا کا جہان ہے۔جو شخص اس جہان میں چلا جاتا ہے،اس کا دنیا والوں سے کوئی دنیوی تعلق قائم نہیں رہتا، کیونکہ اخروی زندگی ایک الگ زندگی ہے۔قبر کی زندگی اخروی حیات کا آغاز ہے۔

بہت سے لوگ اس اخروی زندگی کے سلسلے میں افراط و تفریط کا شکار ہو کر گمراہی کے اندھیروں میں بھٹکنے لگے ہیں۔بعض نے تو تفریط میں مبتلا ہو کر سرے سے اس زندگی کا انکار کر دیا ہے،جبکہ بعض نے افراط میں پڑ کر اس زندگی کا اس طرح اقرار کیا کہ اسے

دنیوی زندگی کی مثل سمجھ لیا۔لیکن یہ عام زندگی جو سب کو ملتی ہے،ایک مخصوص نعرہ لگا کر انہوں نے اسے بلا دلیل خاص کر دیا ہے۔

اس سلسلے میں اعتدال کی بات وہی ہے، جو ہمیں قرآن وسنت نے بتائی ہے۔شرعی دلائل کے مطابق قبر کی زندگی نیک و بد سب کو ملتی ہے،البتہ درجات کے اعتبار سے اس زندگی کی حالت مختلف ہوتی ہے۔انبیا وشہدا کی زندگی افضل ترین اور کفار کی بدترین ہوتی ہے،لیکن بہرحال یہ زندگی اخروی ہوتی ہے، دنیوی نہیں،جیسا کہ:

❀ ہانی مولیٰ عثمان رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

كَانَ عُثْمَانُ، إِذَا وَقَفَ عَلٰى قَبْرٍ، بَكٰى حَتّٰى يَبُلَّ لِحْيَتَهٗ، فَقِيلَ لَهٗ: تُذْكَرُ الْجَنَّةُ وَالنَّارُ فَلَا تَبْكِي، وَتَبْكِي مِنْ هٰذَا؟ فَقَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ الْقَبْرَ أَوَّلُ مَنْزِلٍ مِّنْ مَّنَازِلِ الْآخِرَةِ، فَإِنْ نَّجَا مِنْهُ؛ فَمَا بَعْدَهٗ أَيْسَرُ مِنْهُ، وَإِنْ لَّمْ يَنْجُ مِنْهُ؛ فَمَا بَعْدَهٗ أَشَدُّ مِنْهُ.

''سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ جب کسی قبر کے پاس کھڑے ہوتے،تو وہاں اس قدر روتے کہ آپ رضی اللہ عنہ کی ڈاڑھی تر ہو جاتی۔آپ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ جنت و جہنم کا تذکرہ ہوتا ہے،لیکن آپ نہیں روتے،مگر قبر کا ذکر سنتے ہی رو پڑتے ہیں؟ اس پر آپ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا: بے شک قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے۔اگر کوئی شخص اس منزل کو کامیابی سے عبور کر گیا،تو اس کے بعد جو بھی منزل آئے گی،اس سے آسان تر ہی ہو گی،لیکن اگر کوئی اسی منزل میں کامیاب نہ ہو سکا،تو اس کے بعد والی

منزلیں اس سے بھی زیادہ سخت ہیں۔''(مسند الإمام أحمد : 63/1، سنن الترمذي : 2308، سنن ابن ماجه : 4267، وسندهٗ حسنٌ)

اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے ''حسن''، جبکہ امام حاکم رحمہ اللہ (330/4۔331) نے ''صحیح الاسناد'' اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ''صحیح'' قرار دیا ہے۔

اس حدیث سے یہ بات واضح طور پر سمجھ آ رہی ہے کہ موت کی صورت میں دنیوی زندگی ختم ہونے کے فوراً بعد آخرت کی زندگی شروع ہو جاتی ہے۔ قبر آخرت کی ایک منزل ہے اور اس کی زندگی اخروی زندگی ہے، نہ کہ دنیوی۔

❀ ام المومنین، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرضِ موت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتی ہیں:

سَقَطَتْ مِنْ يَّدِهٖ، فَجَمَعَ اللّٰهُ بَيْنَ رِيقِي وَرِيقِهٖ فِي آخِرِ يَوْمٍ مِّنَ الدُّنْيَا، وَأَوَّلِ يَوْمٍ مِّنَ الْآخِرَةِ.

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک سے مسواک چھوٹ گئی۔ یوں اللہ تعالیٰ نے میرے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لعابِ دہن کو اس دن ایک ساتھ جمع کر دیا، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیوی زندگی کا آخری اور اخروی حیات کا پہلا دن تھا۔''

(صحيح البخاري :4451)

ام المومنین، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ بیان بھی اس سلسلے میں بالکل صریح ہے کہ موت کے فوراً بعد اخروی زندگی شروع ہو جاتی ہے۔

لہٰذا قبر کی زندگی کے جو حالات قرآن و حدیث کے ذریعے ہمیں معلوم ہوئے ہیں، ان کا انکار کرنا بہت بڑی جہالت ہے۔ اس سے بھی بڑی جہالت یہ ہے کہ اسے دنیوی

زندگی یا اس سے مشابہ مانا جائے۔اور سب سے چوٹی کی جہالت،جس سے جہالت بھی شرما جاتی ہے، یہ ہے کہ موت کے بعد کسی خاص ہستی یا ہستیوں کی زندگی کا اقرار کر لیا جائے،وہ بھی اسے دنیوی زندگی کی طرح تسلیم کر کے،جبکہ باقی لوگوں کی قبر کی زندگی کا سرے ہی سے انکار کر دیا جائے۔

''حیات النبی'' کا عقیدہ اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔اگر ایسے عقیدے کے پرچارک لوگوں کے دلائل ملاحظہ کیے جائیں،تو ان کی عقل وشعور پر ہنسی آتی ہے۔جن باتوں سے وہ انبیا کے لیے خصوصی زندگی ثابت کرتے ہیں،وہی باتیں عام مؤمنوں،مسلمانوں کے لیے بھی ثابت ہیں۔

اس کی ایک مثال انبیا کے قبروں میں نماز پڑھنے والی حدیث ہے۔''حیات النبی'' کا نعرہ لگانے والے اسے بڑے زور وشور سے پیش کرتے ہیں۔انہوں نے شاید یہ سمجھ لیا ہے کہ نماز چونکہ دنیا میں پڑھی جاتی ہے،لہٰذا انبیا قبروں میں نماز پڑھتے ہیں،تو انہیں قبروں میں دنیوی یا مثلِ دنیوی زندگی حاصل ہے۔

ان لوگوں کی خدمت میں عرض ہے کہ اگر قبر میں نماز پڑھنے سے دنیوی یا مثلِ دنیوی زندگی ثابت ہوتی ہے،تو پھر انہیں اپنا نعرہ''حیات النبی'' سے بدل کر''حیات المومنین'' کر لینا چاہیے، کیونکہ عام مؤمن کا بھی قبر میں نماز پڑھنا ثابت ہے،جیسا کہ:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''قبر میں فرشتے جب مؤمن سے ہم کلام ہوں گے،تو وہ بیٹھ جائے گا۔اسے سورج غروب ہوتا دکھائی دے گا۔اسے کہا جائے گا:اس آدمی کے بارے میں بتاؤ،جو تم میں مبعوث ہوئے تھے۔تم ان کے بارے میں کیا کہتے ہو اور کیا

گواہی دیتے ہو؟ اس پر؛

«فَيَقُولُ : دَعُونِي حَتّٰى أُصَلِّيَ، فَيَقُولُونَ : إِنَّكَ سَتَفْعَلُ، أَخْبِرْنِي عَمَّا نَسْأَلُكَ عَنْهُ» .

''مؤمن کہے گا: مجھے چھوڑو کہ میں عصر کی نماز پڑھ لوں۔فرشتے کہیں گے: تم نماز بھی پڑھ لو گے،لیکن پہلے ہمیں اس سوال کا جواب دو، جو ہم آپ سے کر رہے ہیں۔''(صحيح ابن حبّان : 3113، المستدرك على الصحيحين للحاكم :1/379-380، وسندهٗ حسنٌ)

امام حاکم رحمہ اللہ نے اس حدیث کو''امام مسلم رحمہ اللہ کی شرط پر صحیح''قرار دیا ہے اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔

علامہ ہیثمی نے اس کی سند کو''حسن'' کہا ہے۔(مجمع الزوائد : 3/51-52)

معلوم ہوا کہ ''حیات النبی'' کے نعرے کی آڑ میں انبیا کے لیے دنیوی یا مثلِ دنیوی زندگی ثابت کرنے والوں کو یا تو عام مؤمنوں کے لیے بھی دنیوی یا مثلِ دنیوی زندگی ثابت کرنا ہوگی یا پھر اپنے عقیدے پر نظر ثانی کرنا پڑے گی۔

اهل علم اور عقيدهٔ "حيات النبي" :

اہل علم نے یہ بات بڑی وضاحت سے بیان کر دی ہے کہ برزخی (قبر کی) زندگی ایک مستقل اور الگ زندگی ہے، یہ دنیوی یا مثلِ دنیوی ہرگز نہیں۔آیئے ہم کچھ اہل علم کے اقتباسات پیش کرتے ہیں:

❀ حافظ ابنِ عبدالہادی رحمہ اللہ (م:744ھ) فرماتے ہیں:

وَلْيُعْلَمْ أَنَّ رَدَّ الرُّوحِ (إِلَى الْبَدَنِ) وَعَوْدُهَا إِلَى الْجَسَدِ بَعْدَ

الْمَوْتِ لَا يَقْتَضِي اسْتِمْرَارَهَا فِيهِ، وَلَا يَسْتَلْزِمُ حَيَاةً أُخْرٰى قَبْلَ يَوْمِ النُّشُورِ نَظِيرَ الْحَيَاةِ الْمَعْهُودَةِ، بَلْ إِعَادَةُ الرُّوحِ إِلَى الْجَسَدِ فِي الْبَرْزَخِ إِعَادَةٌ بَرْزَخِيَّةٌ، لَا تَزِيلُ عَنِ الْمَيِّتِ اسْمَ الْمَوْتِ.

وَقَدْ ثَبَتَ فِي حَدِيثِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ الطَّوِيلِ الْمَشْهُورِ، فِي عَذَابِ الْقَبْرِ وَنَعِيمِهِ، فِي شَأْنِ الْمَيِّتِ وَحَالِهِ، أَنَّ رُوحَهُ تُعَادُ إِلٰى جَسَدِهِ، مَعَ الْعِلْمِ بِأَنَّهَا غَيْرُ مُسْتَمِرَّةٍ فِيهِ، وَأَنَّ هٰذِهِ الْإِعَادَةَ لَيْسَ مُسْتَلْزِمَةً لِّإِثْبَاتِ حَيَاةٍ مُّزِيلَةٍ لِّاسْمِ الْمَوْتِ، بَلْ هِيَ أَنْوَاعُ حَيَاةٍ بَرْزَخِيَّةٍ، اَلْمَوْتُ كَالْحَيَاةِ الْبَرْزَخِيَّةِ، وَإِثْبَاتُ بَعْضِ أَنْوَاعِ الْمَوْتِ لَا يُنَافِي الْحَيَاةَ، كَمَا فِي الْحَدِيثِ الصَّحِيحِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهٗ كَانَ إِذَا اسْتَيْقَظَ مِنَ النَّوْمِ قَالَ: «اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا، وَإِلَيْهِ النُّشُورُ».

وَتَعَلُّقُ الرُّوحِ بَالْبَدَنِ وَاتِّصَالُهَا بِهٖ بِنَوْعٍ أَنْوَاعًا.

أَحَدُهَا: تَعَلُّقُهَا بِهٖ فِي هٰذَا الْعَالَمِ يَقَظَةً وَّمَنَامًا.

اَلثَّانِي: تَعَلُّقُهَا بِهٖ فِي الْبَرْزَخِ، وَالْأَمْوَاتُ مُتَفَاوِتُونَ فِي ذٰلِكَ، فَالَّذِي لِلرُّسُلِ وَالْأَنْبِيَاءِ أَكْمَلُ مِمَّا لِلشُّهَدَاءِ، وَلِهٰذَا لَا تَبْلٰى أَجْسَادُهُمْ، وَالَّذِي لِلشُّهَدَاءِ أَكْمَلُ مِمَّا لِغَيْرِهِمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ

الَّذِينَ لَيْسُوا بِشُهَدَاءَ .

وَالثَّالِثُ : تَعَلُّقُهَا بِهِ يَوْمَ الْبَعْثِ الْآخِرِ، وَرَدُّ الرُّوحِ إِلَى الْبَدَنِ فِي الْبَرْزَخِ لَا يَسْتَلْزِمُ الْحَيَاةَ الْمَعْهُودَةَ، وَمَنْ زَعَمَ اسْتِلْزَامَهُ لَهَا لَزِمَهُ ارْتِكَابُ أُمُورٍ بَاطِلَةٍ مُّخَالِفَةٍ لِّلْحِسِّ وَالشَّرْعِ وَالْعَقْلِ .

''معلوم ہونا چاہیے کہ موت کے بعد روح کا جسم میں لوٹنا استمرارِ حیات کا متقاضی نہیں ہے، نہ اس سے قبل از قیامت ایسی زندگی لازم آتی ہے، جو دنیوی زندگی کی طرح ہو۔ برزخ میں روح کا جسم میں لوٹنا سراسر برزخی معاملہ ہے، جس کی وجہ سے مرنے والے سے موت کا نام زائل نہیں ہوسکتا۔

قبر میں جزا وسزا اور مرنے والے کے حالات کے بارے میں سیدنا برا بن عازب رضی اللہ عنہ سے جو مشہور اور طویل حدیث(سنن أبي داوٗد : 4753، المستدرك للحاكم : 95/1، وسندهٗ حسنٌ)مذکور ہے، اس سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ مردے کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے۔اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ وہ روح اس جسم میں ہمیشہ نہیں رہتی، نہ ہی اس کے لوٹنے سے ایسی زندگی ثابت ہوتی ہے، جس کی وجہ سے میت پر لفظ موت کا اطلاق ہی ختم ہو جائے۔ بلکہ یہ حیاتِ برزخیہ کی اقسام میں سے ایک قسم ہے۔موت اور برزخی زندگی ایک ہی چیز کے دو نام ہیں(یعنی موت کا اقرار کرنے سے برزخی زندگی کا انکار نہیں ہوتا، کیونکہ۔از ناقل)موت کی کچھ اقسام ایسی ہیں، جو زندگی کے منافی نہیں، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح حدیث میں ثابت ہے۔جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نیند سے بیدار ہوتے، تو یہ دعا پڑھتے :

ہر قسم کی تعریف اس ذات کے لئے ہے،جس نے ہمیں موت کے بعد زندگی بخشی ہے،اسی کی طرف ہم نے لوٹ کر جانا ہے۔

(یعنی دنیا میں موت کا اقرار کر کے بھی کسی کو زندہ کہا جا سکتا ہے،تو قبر میں کسی کی زندگی کا اقرار کر کے اسے مُردہ کیوں نہیں کہا جا سکتا،جبکہ یہ ساری چیزیں شرعی دلائل سے ثابت بھی ہیں؟از ناقل)

روح کا بدن کے ساتھ تعلق کئی قسم کا ہوتا ہے:

① اس دنیا میں حالتِ بیداری اور نیند میں روح کا جسم سے تعلق۔

② برزخ میں روح کا جسم سے تعلق۔یہ تعلق فوت شدگان کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے۔انبیاء کرام اور رسولوں کی زندگی شہدا کے مقابلے میں زیادہ کامل ہوتی ہے،اسی لیے ان کے مبارک اجساد بوسیدہ نہیں ہوتے اور شہدا کی زندگی ان مؤمنین سے کامل ہوتی ہے،جو شرفِ شہادت نہیں پاتے۔

③ قیامت کے دن روح کا جسم سے تعلق ہونے اور برزخ میں روح کے جسم میں لوٹائے جانے سے دنیوی طرز کی زندگی لازم نہیں آتی۔جو شخص اس سے دنیوی زندگی کے ثابت ہونے کا دعویٰ کرتا ہے،وہ بہت سے مقامات پر حس،شریعت اور عقل کی خلاف ورزی کا مرتکب ہوگا۔''

(الصارم المنكي في الردّ على السبكي، ص: 223)

❁ محدث العصر،علامہ ناصرالدین،البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

إِنَّ حَيَاتَهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ وَفَاتِهِ مُخَالِفَةٌ لِّحَيَاتِهِ قَبْلَ الْوَفَاةِ، ذٰلِكَ أَنَّ الْحَيَاةَ الْبَرْزَخِيَّةَ غَيْبٌ مِّنَ الْغُيُوبِ، وَلَا يَدْرِي

كُنْهَهَا إِلَّا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى، وَلٰكِنْ مِّنَ الثَّابِتِ وَالْمَعْلُومِ أَنَّهَا تَخْتَلِفُ عَنِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَوِيَّةِ، وَلَا تَخْضَعُ لِقَوَانِينِهَا، فَالإِنْسَانُ فِي الدُّنْيَا يَأْكُلُ وَيَشْرَبُ، وَيَتَنَفَّسُ وَيَتَزَوَّجُ، وَيَتَحَرَّكُ وَيَتَبَرَّزُ، وَيَمْرَضُ وَيَتَكَلَّمُ، وَلَا أَحَدٌ يَّسْتَطِيعُ أَنْ يُّثْبِتَ أَنَّ أَحَدًا بَعْدَ الْمَوْتِ، حَتَّى الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِ السَّلَامُ، وَفِي مُقَدَّمَتِهِمْ نَبِيُّنَا مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، تَعْرِضُ لَهٗ هٰذِهِ الْأُمُورُ بَعْدَ مَوْتِهٖ.

''نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد کی زندگی، وفات سے قبل کی زندگی سے مختلف ہے،اس لیے کہ برزخی حیات ایک غیبی معاملہ ہے۔اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو اس کی کیفیات کا علم نہیں۔البتہ اتنی بات معلوم ہے کہ وہ دنیوی زندگی سے مختلف ہے اور دنیوی قوانین کے تابع نہیں۔دنیا میں تو انسان کھاتا پیتا، سانس لیتا اور شادی کرتا ہے،نقل وحرکت اور بول و براز کرتا ہے، بیمار ہوتا اور گفتگو کرتا ہے،لیکن کوئی انسان یہ ثابت نہیں کرسکتا کہ موت کے بعد کسی کو، یہاں تک کہ انبیائے کرام ، جن میں سرفہرست ہمارے نبی کریم ﷺ ہیں، یہ امور پیش آتے ہوں۔''(التوسل؛ أنواعه وأحكامه، ص : 65)

نیز فرماتے ہیں:

ثُمَّ اعْلَمْ أَنَّ الْحَيَاةَ الَّتِي أَثْبَتَهَا هٰذَا الْحَدِيثُ لِلْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ؛ إِنَّمَا هِيَ حَيَاةٌ بَرْزَخِيَّةٌ، لَيْسَتْ مِنْ حَيَاةِ

الدُّنْيَا فِي شَيْءٍ، وَلِذٰلِكَ وَجَبَ الْإِيمَانُ بِهَا دُونَ ضَرْبِ الْأَمْثَالِ لَهَا، وَمُحَاوَلَةِ تَكْيِيفِهَا، وَتَشْبِيهِهَا بِمَا هُوَ الْمَعْرُوفُ عِنْدَنَا فِي حَيَاةِ الدُّنْيَا، هٰذَا هُوَ الْمَوقِفُ الَّذِي يَجِبُ أَنْ يَتَّخِذَهُ الْمُؤْمِنُ فِي هٰذَا الصَّدَدِ؛ الْإِيمَانُ بِمَا جَاءَ فِي الْحَدِيثِ دُونَ الزِّيَادَةِ عَلَيْهِ بِالْأَقْيِسَةِ وَالْآرَاءِ، كَمَا يَفْعَلُ أَهْلُ الْبِدَعِ الَّذِينَ وَصَلَ الْأَمْرُ بِبَعْضِهِمْ إِلَى ادِّعَاءِ أَنَّ حَيَاتَهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي قَبْرِهِ حَيَاةً حَقِيقِيَّةً، قَالَ : يَأْكُلُ وَيَشْرَبُ وَيُجَامِعُ نِسَائَهُ، وَإِنَّمَا هِيَ حَيَاةٌ بَرْزَخِيَّةٌ، لَا يَعْلَمُ حَقِيقَتَهَا إِلَّا اللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى .

''جان لیجئے! اس حدیث سے انبیاء کرام کی جو حیات ثابت ہوتی ہے ،وہ صرف برزخی حیات ہے،دنیوی زندگی سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔لہٰذا اس زندگی پر یوں ایمان لانا ضروری ہے کہ اس کے بارے میں مثالیں نہ دی جائیں ،اس کی کیفیت بیان نہ کی جائے اور اسے ہماری دنیوی زندگی سے تشبیہ نہ دی جائے۔

یہی موقف ہر مومن کے لئے اختیار کرنا لازم ہے کہ اس بارے میں احادیث میں جتنی بات مذکور ہے،صرف اسی پر ایمان لائے، اس سلسلے میں قیاس اور رائے کو دخل نہ دے،جیسا کہ بدعتیوں نے کیا ہے۔بعض نے تو یہاں تک دعویٰ کر دیا ہے کہ قبر میں آپ ﷺ کی حیات حقیقی (یعنی دنیوی) ہے،وہ کہتے ہیں: قبر میں نبی کریم ﷺ کھاتے پیتے اور اپنی ازواج سے مجامعت کرتے

ہیں (العیاذ باللہ)، حالانکہ یہ صرف برزخی حیات ہے، جس کی حقیقت کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔"

(سلسلة الأحاديث الصحيحة وشيء من فقهها و فوائدها : 190/2، ح :621)

شهيدوں كي زندگي :

اب رہا یہ سوال کہ اگر تمام لوگوں کو قبر کی زندگی حاصل ہے اور اس کا دنیوی زندگی سے کوئی تعلق نہیں، تو پھر اسلامی تعلیمات میں شہدا کی زندگی کو خصوصیت سے بیان کرنے کی آخر کیا وجہ ہے؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ایسا صرف شہدا کی زندگی کو اعلیٰ ثابت کرنے کے لیے کیا گیا ہے، نہ کہ اس لیے کہ شہدا کو قبر میں زندگی ملتی ہے، باقی لوگوں کو نہیں، نہ ہی اس لیے کہ شہدا کی زندگی دنیوی یا مثلِ دنیوی ہوتی ہے۔

یہاں یہ بات بھی یاد رہے کہ امتِ محمدیہ کے وہ شہدا جنہیں شرفِ صحابیت حاصل نہیں ہے، ان کی قبر کی زندگی ہرگز صحابہ کرام کی برزخی زندگی سے بہتر اور افضل نہیں۔

تنبيه :

ہم بیان کر چکے ہیں کہ موت کے بعد برزخی زندگی ملنے کے حوالے سے نیک و بد تمام لوگ برابر ہیں، کسی کو اس سے استثنا نہیں، البتہ مختلف لوگوں کے لیے اس زندگی کے حالات مختلف ہوں گے۔ نیک لوگوں کی زندگی اچھی اور بدکردار لوگوں کی بُری ہوگی۔ نیک لوگوں میں سے انبیا کرام کی برزخی زندگی سب سے بہترین ہوگی۔

یہی وجہ ہے کہ انبیا کرام کے اجسادِ مبارکہ کو زمین نقصان نہیں پہنچاتی۔ وہ اپنی اصلی حالت میں سلامت رہیں گے، جیسا کہ:

❁ سیدنا اوس بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ مِنْ أَفْضَلِ أَيَّامِكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، فِيهِ خُلِقَ آدَمُ، وَفِيهِ النَّفْخَةُ، وَفِيهِ الصَّعْقَةُ، فَأَكْثِرُوا عَلَيَّ مِنَ الصَّلَاةِ فِيهِ، فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ مَّعْرُوضَةٌ عَلَيَّ»

''بلاشبہ تمہارے دنوں میں جمعہ کا دن سب سے بہتر ہے۔اس دن سیدنا آدم علیہ السلام پیدا ہوئے، اسی دن صور پھونکا جائے گا اور اسی دن سخت آواز ظاہر ہو گی۔لہٰذا اس دن مجھ پر بکثرت درود بھیجا کرو، کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جائے گا۔''

ایک آدمی نے عرض کیا: اللہ کے رسول! ہمارا درود آپ کی وفات کے بعد آپ کو کیسے پیش کیا جائے گا؟ کیا آپ کا جسدِ مبارک خاک میں نہیں مل چکا ہوگا؟اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ».

''یقیناً اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاءِ کرام کے جسموں کو کھانا حرام فرما دیا ہے۔''

(مسند الإمام أحمد : 8/4، سنن أبي داوٗد : 1047، 1531، سنن النسائي : 1375، سنن ابن ماجه : 1085، 1636، فضل الصلاة على النبيّ للقاضي إسماعيل : 22، وسندهٗ صحيحٌ)

اس حدیث کو امام ابن خزیمہ (1733)، امام ابن حبان (910)، حافظ ابن قطان فاسی (بيان الوهم والإيهام : 574/5) رحمہم اللہ نے ''صحیح'' قرار دیا ہے۔

امام حاکم رحمہ اللہ (278/1) نے اسے ''امام بخاری رحمہ اللہ کی شرط پر صحیح'' کہا ہے اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔

حافظ نووی رحمہ اللہ نے اس کی سند کو ''صحیح'' کہا ہے۔

(رياض الصالحين: 1399، خلاصة الأحكام: 1/441، 2/814)

حافظ ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ (م: 751ھ) لکھتے ہیں:

وَمَنْ تَأَمَّلَ هٰذَا الْإِسْنَادَ، لَمْ يَشُكَّ فِي صِحَّتِهٖ، لِثِقَةِ رُوَاتِهٖ، وَشُهْرَتِهِمْ، وَقُبُولِ الْأَئِمَّةِ أَحَادِيثَهُمْ .

''جو شخص اس روایت کی سند پر غور کرے گا، وہ اس کی صحت میں شک نہیں کرے گا، کیونکہ اس کے راوی ثقہ، مشہور ہیں اور ائمہ حدیث کے ہاں ان کی بیان کردہ احادیث مقبول ہیں۔'' (جلاء الأفهام: 81)

❁ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّهُمْ لَمَّا فَتَحُوا تُسْتَرَ، قَالَ : فَوَجَدَ رَجُلًا أَنْفُهٗ ذِرَاعٌ فِي التَّابُوتِ، كَانُوا يَسْتَظْهِرُونَ وَيَسْتَمْطِرُونَ بِهٖ، فَكَتَبَ أَبُو مُوسٰى إِلٰى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ بِذٰلِكَ، فَكَتَبَ عُمَرُ : إِنَّ هٰذَا نَبِيٌّ مِّنَ الْأَنْبِيَاءِ، وَالنَّارُ لَا تَأْكُلُ الْأَنْبِيَاءَ، وَالْأَرْضُ لَا تَأْكُلُ الْأَنْبِيَاءَ، فَكَتَبَ أَنِ انْظُرْ أَنْتَ وَأَصْحَابُكَ يَعْنِي أَصْحَابَ أَبِي مُوسٰى، فَادْفِنُوهُ فِي مَكَانٍ لَّا يَعْلَمُهٗ أَحَدٌ غَيْرُكُمَا، قَالَ : فَذَهَبْتُ أَنَا وَأَبُو مُوسٰى، فَدَفَنَّاهُ .

''جب صحابہ کرام نے تُسْتَر شہر کو فتح کیا، تو وہاں تابوت میں ایک شخص کا جسم دیکھا، ان کی ناک ہمارے ایک ہاتھ کے برابر تھی۔ وہاں کے لوگ اس تابوت

کے وسیلے سے غلبہ و بارش کی دُعا کرتے تھے۔سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین، سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو خط لکھ کر سارا واقعہ بیان کیا۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جواب میں لکھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے نبیوں میں سے ایک نبی ہیں۔انبیا کے جسموں کو نہ آگ کھاتی ہے نہ زمین۔ پھر فرمایا: تم اور تمہارے ساتھی مل کر کوئی ایسی جگہ دیکھو، جس کا تمہارے علاوہ کسی کو علم نہ ہو۔ وہاں اس تابوت کو دفن کر دو۔سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں اورسیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما گئے اورانہیں (ایک گم نام جگہ میں) دفن کر دیا۔''

(مصنّف ابن أبي شيبة : 27/13، وسندهٗ صحيحٌ)

❁ عظیم تابعی، ابو عالیہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ لُحُومَ الْأَنْبِيَاءِ لَا تُبْلِيهَا الْأَرْضُ، وَلَا تَأْكُلُهَا السِّبَاعُ .

''بلاشبہ انبیاء کرام کے اجسام کو نہ زمین بوسیدہ کرتی ہے، نہ درندے اسے کھاتے ہیں۔''(السيرة لابن إسحاق : 66، 67، طبع دار الفكر بيروت، دلائل النبوّة للبيهقي :1/382، وسندهٗ حسنٌ)

یہ احادیث و آثار صریح طور پر بتا رہے ہیں کہ انبیاء کرام کے اجسادِ مقدسہ کو مٹی نہیں کھاتی، لیکن ان سے ایسی کوئی بات ثابت نہیں ہوتی کہ انبیاء کرام قبروں میں دنیوی زندگی یا اس کی مثل زندہ ہیں۔

تنبیه :

سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

أَتَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْرَابِيًّا، فَأَكْرَمَهٗ، فَقَالَ لَهٗ :

ائْتِنَا، فَأَتَاهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : سَلْ حَاجَتَكَ، فَقَالَ : نَاقَةً نَّرْكَبُهَا، وَأَعْنُزًا يَّحْلُبُهَا أَهْلِي، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : «عَجَزْتُمْ أَنْ تَكُونُوا مِثْلَ عَجُوزِ بَنِي إِسْرَائِيلَ؟» قَالَ : «إِنَّ مُوسٰى لَمَّا سَارَ بِبَنِي إِسْرَائِيلَ مِنْ مِّصْرَ؛ ضَلُّوا الطَّرِيقَ، فَقَالَ : مَا هٰذَا؟ فَقَالَ عُلَمَاؤُهُمْ : إِنَّ يُوسُفَ لَمَّا حَضَرَهُ الْمَوْتُ؛ أَخَذَ عَلَيْنَا مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ أَنْ لَّا نَخْرُجَ مِنْ مِّصْرَ حَتّٰى نَنْقُلَ عِظَامَهٗ مَعَنَا، قَالَ : فَمَنْ يَّعْلَمُ مَوْضِعَ قَبْرِهٖ، قَالَ : عَجُوزٌ مِّنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ، فَبَعَثَ إِلَيْهَا، فَأَتَتْهُ، فَقَالَ : دُلِّينِي عَلٰى قَبْرِ يُوسُفَ، قَالَتْ : حَتّٰى تُعْطِيَنِي حُكْمِي، قَالَ : مَا حُكْمُكِ؟ قَالَتْ : أَكُونُ مَعَكَ فِي الْجَنَّةِ، فَكَرِهَ أَنْ يُّعْطِيَهَا ذٰلِكَ، فَأَوْحَى اللّٰهُ إِلَيْهِ أَنْ أَعْطِهَا حُكْمَهَا، فَانْطَلَقَتْ بِهِمْ إِلٰى بُحَيْرَةٍ؛ مَوْضِعِ مُسْتَنْقَعِ مَاءٍ، فَقَالَتْ : أَنْضِبُوا هٰذَا الْمَاءَ، فَأَنْضَبُوا، قَالَتِ : احْتَفِرُوا وَاسْتَخْرِجُوا عِظَامَ يُوسُفَ، فَلَمَّا أَقَلُّوهَا إِلَى الْأَرْضِ؛ إِذَا الطَّرِيقُ مِثْلُ ضَوْءِ النَّهَارِ» .

”نبی کریم ﷺ ایک دیہاتی کے پاس تشریف لائے۔اس نے آپ ﷺ کی بہت مہمان نوازی کی۔نبی کریم ﷺ نے اس کے بارے میں فرمایا:اسے

ہمارے پاس لے کر آ ؤ۔وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا،تو آپ نے اس سے فرمایا: اپنی ضرورت کا مطالبہ کرو۔اس نے عرض کیا: ایک اونٹنی چاہیے جس پر ہم سوار ہوسکیں اور کچھ بکریوں کی ضرورت ہے جن کا دودھ میرے گھر والے دوہ لیا کریں۔نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا تم لوگ اس قدر عاجز ہو گئے ہو کہ تم بنی سرائیل کی بوڑھیوں کی مانند بھی نہیں ہو سکتے ؟جب موسیٰ (علیہ السلام) بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر مصر سے روانہ ہوئے،تو وہ لوگ راستہ بھول گئے، موسیٰ (علیہ السلام) نے دریافت کیا:اس کی وجہ کیا ہے؟ان کے علما نے بتایا: یوسف (علیہ السلام) کی وفات کا وقت جب قریب آیا تھا،تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہم سے یہ پختہ عہد لیا تھا کہ جب ہم لوگ مصر سے نکلیں گے،تو اپنے ساتھ ان کی میت کو بھی لے کر جائیں گے۔موسیٰ (علیہ السلام) نے پوچھا: ان کی قبر کی جگہ کس کو معلوم ہے؟ایک شخص نے بتایا:ایک بوڑھی عورت جس کا تعلق بنی اسرائیل سے ہے۔موسیٰ (علیہ السلام) نے اس عورت کو بلوایا،وہ خاتون آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔موسیٰ (علیہ السلام) نے اسے کہا:تم ہمیں یوسف (علیہ السلام) کی قبر بتاؤ۔اس نے کہا:جب تک آپ مجھے میرا معاوضہ نہیں دیں گے(میں یہ کام نہیں کروں گی)۔موسیٰ (علیہ السلام) نے دریافت کیا:تمہارا معاوضہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا:میں جنت میں آپ کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں۔ موسیٰ (علیہ السلام) کو یہ بات اچھی نہ لگی ۔اللہ تعالیٰ نے موسیٰ (علیہ السلام) کی طرف وحی فرمائی کہ وہ جو مانگ رہی ہے، اسے دے دو۔پھر وہ عورت ان لوگوں کو لے کر ایک چشمے پر آئی۔عورت نے کہا:اس پانی کو خشک کرواور یوسف علیہ السلام کا جسم

نکالو۔ جب وہ یوسف (علیہ السلام) کے جسم کو اٹھا کر مصر کی طرف آئے، تو راستہ یوں دن کی روشنی کی طرح واضح تھا۔''

(مسند أبي يعلى : 7254، تفسير ابن أبي حاتم [تفسير ابن كثير : 183/5، 184، الشعراء : 52]، وسندهٔ حسنٌ)

اس حدیث کو امام ابن حبان رحمہ اللہ (723) نے ''صحیح''اور امام حاکم رحمہ اللہ (404/2، 405) نے ''امام بخاری رحمہ اللہ کی شرط پر صحیح'' کہا ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔

امام حاکم رحمہ اللہ (252/2) نے اس کی سند کو ''صحیح'' بھی کہا ہے۔

حافظ ہیثمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

رِجَالُ أَبِي يَعْلٰى رِجَالُ الصَّحِيحِ .

''مسند ابو یعلیٰ کے رواۃ، صحیح بخاری کے راوی ہیں۔''(مجمع الزوائد : 170/10)

اس حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا یوسف علیہ السلام کے جسمِ مبارک کو مٹی نے نقصان پہنچایا تھا اور صرف ہڈیاں باقی رہ گئی تھیں، لیکن حقیقت میں ایسا نہیں۔ اس حدیث میں عظامِ یوسف سے مراد سیدنا یوسف علیہ السلام کی ہڈیاں نہیں، بلکہ جسمِ مبارک ہے۔ مجازاً بدن کو عظام کہہ دیا گیا ہے۔ ایسا عربی زبان میں عموماً ہو جاتا ہے، جیسا کہ:

❀ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا بَدَّنَ؛ قَالَ لَهٗ تَمِيمٌ الدَّارِيُّ : أَلَا أَتَّخِذُ لَكَ مِنْبَرًا ــ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ــ يَجْمَعُ، أَوْ يَحْمِلُ،

عِظَامَكَ؟ قَالَ : «بَلٰى»، فَاتَّخَذَ لَهٗ مِنْبَرًا مِرْقَاتَيْنِ .

''جب نبی کریم ﷺ کا جسدِ اطہر بھاری ہو گیا، تو سیدنا تمیم داری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! کیا میں آپ کے لئے ایک منبر نہ تیار کروا دوں، جس پر آپ ﷺ اپنی ہڈیاں (یعنی جسم مبارک) رکھ سکیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیوں نہیں۔ چنانچہ انہوں نے آپ ﷺ کے لئے دو سیڑھیوں والا منبر تیار کروا دیا۔''

(سنن أبي داوٗد : 1081، السنن الکبرٰی للبیهقي : 3/195، وسندهٗ حسنٌ)

اس حدیث میں سیدنا تمیم داری رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کے جسم مبارک کے لئے مجازاً عظام کا لفظ استعمال کیا ہے۔

اسی لیے محدث البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فَعَلِمْتُ مِنْهُ أَنَّهُمْ كَانُوا يُطْلِقُونَ الْعِظَامَ وَيُرِيدُونَ الْبَدَنَ كُلَّهٗ، مِنْ بَابِ إِطْلَاقِ الْجُزْءِ وَإِرَادَةِ الْكُلِّ، كَقَوْلِهٖ تَعَالٰى : ﴿وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ﴾(الإسراء 17 : 78)، أَيْ صَلَاةَ الْفَجْرِ، فَزَالَ الْإِشْكَالُ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ .

''مجھے اس حدیث سے یہ معلوم ہوا ہے کہ عرب لوگ لفظِ عظام بول کر پورا جسم مراد لیتے ہیں۔ یہ جز سے کل کو مراد لینے کے قبیل سے ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ﴾(الإسراء 17 : 78) یہاں فجر کے قرآن سے مراد نمازِ فجر ہے۔ الحمدللہ اشکال زائل ہو گیا ہے۔''

(سلسلة الأحاديث الصحيحة : 313)

الحاصل :

اہل سنت والجماعت کا یہ اتفاقی عقیدہ ہے کہ مرنے کے بعد ہر ایک کو زندگی حاصل ہوتی ہے۔ یہ زندگی انبیاء کرام اور شہداء عظام کے ساتھ خاص نہیں،البتہ انبیا وشہدا کی زندگی پاکیزہ، طیب اور اعلیٰ ضرور ہے۔مومنوں کو قبر میں نعمتیں عطا ہوتی ہیں، جبکہ کافر اور فاسق عذابِ قبر سے دوچار ہوتے ہیں۔

بعض لوگ حیاتِ برزخیہ کا انکار کرتے ہیں ،جبکہ بعض نبی کریم ﷺ کی برزخی حیات کو دنیوی،یعنی مادی اور بدنی زندگی کی مثل قرار دیتے ہیں۔ یہ دونوں نظریات افراط وتفریط کی پیداوار ہیں۔ یہ نظریات قرآن وحدیث سے بالکل ثابت نہیں۔سلف صالحین میں سے کوئی ان نظریات کا حامل نہیں رہا۔چنانچہ حیات وممات کی بنیاد پر تفرقہ بازی نامناسب فعل اور اہل سنت کے مسلَّم عقیدہ کی مخالفت ہے۔ یہ اخروی زندگی کا معاملہ ہے جو اسلامی عقائد سے متعلق ہے۔ایسے معاملات صرف اور صرف قرآن وحدیث اور اجماع امت پر موقوف ہیں،ان میں قیاس آرائی کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا۔

قرآن وسنت سے ماخوذ اعتدال پسندانہ نظریہ وعقیدہ یہ ہے کہ ہر شخص کو برزخی زندگی ملتی ہے۔اس میں کسی کوئی کی تخصیص نہیں،البتہ یہ زندگی سراسر اخروی ہوتی ہے۔انبیا وشہدا کی برزخی زندگی کو دنیوی یا مثلِ دنیوی قرار دینا قرآن وسنت کی مخالفت ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے عقائد کو قرآن وسنت کے مطابق ڈھالنے کی توفیق عطا فرمائے۔
آمین!

بعض لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اپنی قبر مبارک میں درود و سلام سنتے ہیں۔بعض لوگ تو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ آپ ﷺ مطلق طور پر سلام سنتے ہیں،جبکہ بعض کے نزدیک اگر قبر مبارک کے قریب سلام کہا جائے،تو آپ ﷺ خود سنتے ہیں اور دور سے کہا جائے،تو خود نہیں سنتے، بلکہ فرشتے آپ ﷺ کو وہ درود وسلام پہنچاتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کا اپنی قبر مبارک میں قریب یا دُور سے سلام سننا قطعاً ثابت نہیں۔جو لوگ ایسے نظریات رکھتے ہیں،ان کے مزعومہ دلائل کا اصولِ محدثین کی روشنی میں جائزہ پیش خدمت ہے:

روایت نمبر ① : سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِي سَمِعْتُهٗ، وَمَنْ صَلّٰى عَلَيَّ نَائِيًا أُبْلِغْتُهٗ».

''جو آدمی مجھ پر میری قبر کے پاس درود پڑھے گا، میں اسے سنوں گا اور جو دور سے مجھ پر درود بھیجے گا، مجھے اس کا درود پہنچا دیا جائے گا۔''

(شعب الإيمان للبيهقي :1481، حياة الأنبياء في قبورهم للبيهقي : 19، الضعفاء الكبير للعقيلي : 4/136-137، تاريخ بغداد للخطيب : 292/3، الترغيب والترهيب

لأبي القاسم الأصبهاني : 1666)

تبصرہ :

یہ روایت سخت ترین ''ضعیف'' ہے، کیونکہ :

① اس کے راوی محمد بن مروان سدی (صغیر) کے ''کذاب'' اور ''متروک'' ہونے پر محدثین کرام کا اجماع ہے۔

امام احمد بن حنبل، امام ابو حاتم رازی، امام یحییٰ بن معین، امام بخاری، امام نسائی، امام جوزجانی اور امام ابن عدی رحمہم اللہ وغیرہ نے اس پر سخت جرح کر رکھی ہے۔

② اس کی سند میں سلیمان بن مہران اعمش ''مدلس'' ہیں اور انہوں نے سماع کی تصریح نہیں کی۔

محدثین کرام اعمش کی ابو صالح سے عن والی روایت کو ''ضعیف'' ہی سمجھتے ہیں۔

امام عقیلی رحمہ اللہ اس روایت کے بارے میں فرماتے ہیں :

لَا أَصْلَ لَهٗ مِنْ حَدِيثِ الْأَعْمَشِ، وَلَيْسَ بِمَحْفُوظٍ، وَلَا يُتَابِعُهٗ إِلَّا مَنْ هُوَ دُونَهٗ.

''یہ حدیث اعمش کی سند سے بے اصل ہے۔ یہ محفوظ بھی نہیں۔ محمد بن مروان کی متابعت اس سے بھی کمزور راوی کر رہا ہے۔''(الضعفاء الكبير : 4/137)

سنن بیہقی والی روایت میں ابو عبدالرحمٰن نامی راوی ،اعمش سے بیان کرتا ہے۔امام بیہقی رحمہ اللہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں :

أَبُو عَبْدِ الرَّحْمٰنِ هٰذَا هُوَ مُحَمَّدُ بْنُ مَرْوَانَ السُّدِّيُّ؛ فِيمَا أَرٰى، وَفِيهِ نَظَرٌ.

''میرے خیال میں یہ ابو عبدالرحمٰن راوی محمد بن مروان سدی ہے اور اس میں کلام ہے۔''(حياة الأنبياء في قبورهم، ص : 103)

امام ابن نمیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

دَعْ ذَا، مُحَمَّدُ بْنُ مَرْوَانَ لَيْسَ بِشَيْءٍ .

''اس (روایت) کو چھوڑ دو، کیونکہ محمد بن مروان کی کوئی حیثیت نہیں۔''

(تاريخ بغداد للخطيب : 292/3)

حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

هٰذَا حَدِيثٌ لَّا يَصِحُّ . ''یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔''

(الموضوعات :303/1)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فَفِي إِسْنَادِهِ نَظَرٌ، تَفَرَّدَ بِهِ مُحَمَّدُ بْنُ مَرْوَانَ السُّدِّيُّ الصَّغِيرُ، وَهُوَ مَتْرُوكٌ .

''اس کی سند محل نظر ہے، اس کو بیان کرنے میں محمد بن مروان سدی صغیر متفرد ہے اور وہ متروک ہے۔''(تفسير ابن كثير : 228/5)

روایت نمبر ② : یہ روایت ان الفاظ سے بھی آتی ہے:

«مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِي؛ سَمِعْتُهٗ، وَمَنْ صَلّٰى عَلَيَّ نَائِيًا؛ وُكِّلَ بِهَا مَلَكٌ يُبَلِّغُنِي، وَكُفِيَ بِهَا أَمْرَ دُنْيَاهُ وَآخِرَتَهٗ، وَكُنْتُ لَهٗ شَهِيدًا أَوْ شَفِيعًا» .

''جو آدمی مجھ پر میری قبر کے پاس درود پڑھے گا، میں اسے سنوں گا اور جو مجھ پر دور سے درود پڑھے گا، اس درود پر ایک فرشتہ مقرر کر دیا جائے گا، جو اسے مجھ تک پہنچائے گا۔ اس درود کے ذریعے اس شخص کے دنیا و آخرت کے معاملات سدھر جائیں گے اور میں اس کے لئے گواہ اور سفارشی بن جاؤں گا۔''

(شعب الإيمان للبيهقي : 1481، تاريخ بغداد للخطيب : 3/291-292، واللّفظ لهٗ، الترغيب والترهيب لأبي القاسم الأصبهاني : 1698)

تبصرہ :

یہ روایت ''موضوع'' (من گھڑت) ہے، اس میں محمد بن مروان سدی کے علاوہ محمد بن یونس بن موسیٰ قرشی کدیمی راوی بھی ''وضاع'' ہے، نیز اس میں اعمش کی ''تدلیس'' بھی موجود ہے۔

تنبیہ :

ایک سند میں محمد بن مروان سدی کی متابعت ابو معاویہ محمد بن خازم ضریر نے کی ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں :

«مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِي؛ سَمِعْتُهٗ، وَمَنْ صَلّٰى عَلَيَّ مِنْ بَعِيدٍ أُعْلِمْتُهٗ» .

''جو آدمی مجھ پر میری قبر کے پاس درود پڑھے گا، میں اسے خود سنوں گا اور جو دور سے مجھ پر درود بھیجے گا، مجھے اس کے بارے میں بتایا جائے گا۔''

(الصلاة على النبي لأبي الشيخ نقلا عن جلاء الأفهام لابن القيّم، ص : 19، الثواب لأبي الشيخ نقلا عن اللآلي المصنوعة للسيوطي، ص :1/283)

تبصرہ :

اس کی سند بھی ''ضعیف'' ہے، کیونکہ اس میں عبدالرحمٰن بن اعرج راوی ہے، جس کے بارے میں توثیق کا ادنیٰ کلمہ بھی ثابت نہیں ہے، اگرچہ ابو الشیخ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب الطبقات (451/3) میں اور امام ابونعیم اصبہانی رحمہ اللہ نے اخبار اصبهان (113/3) میں اس کے حالاتِ زندگی درج کیے ہیں۔

لہٰذا حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (فتح الباري : 488/6) اور حافظ سخاوی رحمہ اللہ (القول البديع، ص : 154) کا اس کی سند کو ''جید'' کہنا درست نہیں، بلکہ تعجب خیز ہے۔

روایت نمبر ③ : سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«أَكْثِرُوا الصَّلَاةَ عَلَيَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، فَإِنَّهُ يَوْمٌ مَّشْهُودٌ، تَشْهَدُهُ الْمَلَائِكَةُ، لَيْسَ مِنْ عَبْدٍ يُّصَلِّي عَلَيَّ؛ إِلَّا بَلَغَنِي صَوتُهُ حَيْثُ كَانَ» .

''جمعہ کے دن مجھ پر زیادہ درود پڑھا کرو، کیونکہ اس دن فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ جو بھی آدمی مجھ پر درود بھیجتا ہے، وہ جہاں بھی ہو، مجھے اس کی آواز پہنچ جاتی ہے۔''

ہم نے عرض کیا: آپ کی وفات کے بعد بھی ایسا کریں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«وَبَعْدَ وَفَاتِي، إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ» .

''ہاں! میری وفات کے بعد بھی۔ یقیناً اللہ رب العزت نے زمین پر انبیاء کرام کے جسموں کا کھانا حرام کر دیا ہے۔''

(الطبراني نقلا عن جلاء الأفهام لابن القيّم الجوزية، ص: 63)

تبصرہ :

اس کی سند ''انقطاع'' کی وجہ سے ''ضعیف'' ہے۔ سعید بن ابو ہلال کا سیدنا ابو دردا سے سماع ولقا ثابت نہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کو طبقہ سادسہ (چھٹے طبقہ) میں ذکر کیا ہے (تقریب التہذیب: 2410)۔ اس طبقہ کے راویوں کی کسی صحابی سے ملاقات ثابت نہیں ہوتی۔

روایت نمبر ④ : ایک روایت کے مطابق نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا: جو آپ پر نزدیک سے اور دور سے درود بھیجتے ہیں اور بعد میں آنے والے بھی بھیجیں گے، کیا یہ سب درود آپ پر پیش کیے جاتے ہیں اور پیش کیے جائیں گے؟ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَسْمَعُ صَلَاةَ أَهْلِ مَحَبَّتِي، وَأَعْرِفُهُمْ» .

''میں اہل محبت کا درود سنتا اور انہیں پہچانتا ہوں۔'' (دلائل الخيرات، ص: 32)

تبصرہ :

یہ بے سند اور جھوٹی روایت ہے۔ جو لوگ اس سے استدلال کرتے ہیں، انہیں چاہیے کہ اس کی کوئی سند پیش کریں۔ بے سروپا روایات پر اپنے عقیدہ وعمل کی بنیاد رکھنا کسی سچے مسلمان کو زیب نہیں دیتا۔

روایت نمبر ⑤ : سلیمان بن سحیم کہتے ہیں:

رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي النَّوْمِ، قُلْتُ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ، هٰؤُلَاءِ الَّذِينَ يَأْتُونَكَ، فَيُسَلِّمُونَ عَلَيْكَ؛ أَتَفْقَهُ سَلَامَهُمْ ؟ قَالَ : «نَعَمْ، وَأَرُدُّ عَلَيْهِمْ» .

''میں نے خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت کی۔میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! یہ کچھ لوگ آپ کی قبر مبارک کے پاس آ کر آپ پر سلام پیش کر رہے ہیں؛ کیا آپ ان کا سلام سمجھتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جی ہاں! میں ان کا جواب بھی دیتا ہوں۔''

(شعب الإيمان للبيهقي : 3868، حياة الأنبياء في قبورهم للبيهقي : 19)

تبصرہ :

یہ سخت ''ضعیف'' روایت ہے، کیونکہ:

① عبدالرحمٰن بن ابوالرجال کا سلیمان بن سحیم سے سماع ثابت نہیں ہو سکا۔

② سوید بن سعید حدثانی کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

صَدُوقٌ فِي نَفْسِهٖ؛ إِلَّا أَنَّهٗ عَمِيَ، فَصَارَ يَتَلَقَّنُ مَا لَيْسَ مِنْ حَدِيثِهٖ .

''یہ بذات خود صدوق راوی تھا، مگر جب نابینا ہوا تو وہ ایسی باتوں کی تلقین قبول کرنے لگا، جو اس کی بیان کردہ نہیں تھیں۔''(تقريب التهذيب : 2690)

امام ابن ابی الدنیا رحمہ اللہ کا سوید سے قبل از اختلاط روایت لینا ثابت نہیں۔

روایت نمبر ⑥ : سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما سے منسوب روایت ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ وَكَّلَ بِقَبْرِي مَلَكًا أَعْطَاهُ أَسْمَاءَ الْخَلَائِقِ، فَلَا يُصَلِّي عَلَيَّ أَحَدٌ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ؛ إِلَّا بَلَّغَنِي بِاسْمِهٖ وَاسْمِ أَبِيهِ؛ هٰذَا فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ، قَدْ صَلّٰى عَلَيْكَ» .

''اللہ تعالیٰ میری قبر پر ایک فرشتہ مقرر فرمائے گا جسے تمام مخلوقات کی آوازیں سننے کی صلاحیت عطا کی گئی ہو گی۔روزِ قیامت تک جو بھی شخص مجھ پر درود پڑھے گا، وہ فرشتہ درود پڑھنے والے اور اس کے والد کا نام مجھ تک پہنچائے گا اور عرض کرے گا: اللہ کے رسول! فلاں کے بیٹے فلاں نے آپ پر درود بھیجا ہے۔''

(مسند البزّار : 254/4، ح : 1425، التاريخ الكبير للبخاري : 416/6، مسند الحارث :962/2، ح : 1063، الترغيب لأبي القاسم التيمي : 319/2، ح :1671)

ابوالشیخ ابن حیان اصبہانی رحمہ اللہ (العظمة : 263/2) اور امام طبرانی رحمہ اللہ (المعجم الكبير نقلا عن جلاء الأفهام لابن القيّم، ص : 84، مجمع الزوائد للهيثمي : 162/10، الضعفاء الكبير للعقيلي : 249/3) کے بیان کردہ الفاظ یہ ہیں:

«إِنَّ لِلّٰهِ مَلَكًا أَعْطَاهُ أَسْمَاءَ الْخَلَائِقِ كُلِّهَا، وَهُوَ قَائِمٌ عَلٰى قَبْرِي؛ إِذَا مِتُّ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، فَلَيْسَ أَحَدٌ مِّنْ أُمَّتِي يُصَلِّي عَلَيَّ صَلَاةً؛ إِلَّا سَمَّاهُ بِاسْمِهٖ وَاسْمِ أَبِيهِ، قَالَ : يَا مُحَمَّدُ، صَلّٰى عَلَيْكَ فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ كَذَا وَكَذَا، فَيُصَلِّي الرَّبُّ عَزَّ وَجَلَّ عَلٰى ذٰلِكَ الرَّجُلِ بِكُلِّ وَاحِدَةٍ عَشْرًا» .

''اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ ایسا ہے، جسے تمام مخلوقات کی آوازیں سننے کی صلاحیت عنایت کی گئی ہے۔وہ میری وفات کے بعد قیامت تک میری قبر پر کھڑا رہے گا۔میرا جوبھی امتی مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھے گا، وہ فرشتہ پڑھنے والے کو اس کے والد کے نام سمیت مجھ تک پہنچاتے ہوئے عرض کرے گا :اے محمد!فلاں بن فلاں نے آپ پر اتنا اتنا درود بھیجا ہے۔اللہ رب العزت اس شخص پر ایک مرتبہ درود پڑھنے کے عوض دس رحمتیں نازل فرمائے گا۔''

تبصرہ :

یہ روایت بھی سخت ''ضعیف'' ہے، کیونکہ :

① اس کا راوی عمران بن حمیری جعفی ''مجہول الحال'' ہے۔سوائے امام ابن حبان رحمہ اللہ (الثقات : 223/5) کے کسی نے اس کی توثیق نہیں کی۔

اس کے بارے میں :

❁ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

لَا يُتَابَعُ عَلَيْهِ . ''اس کی کوئی بھی تائید نہیں۔''

(التاريخ الكبير : 416/6)

❁ امام ابن ابی حاتم رحمہ اللہ نے کوئی جرح وتعدیل ذکر نہیں کی۔

❁ علامہ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

لَا يُعْرَفُ . ''یہ مجہول راوی ہے۔''(ميزان الاعتدال : 236/3)

❁ حافظ منذری رحمہ اللہ نے بھی یہی فرمایا ہے۔

(القول البديع للسخاوي، ص : 119)

❁ علامہ ہیثمی، حافظ ذہبی پر اعتماد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَقَالَ صَاحِبُ الْمِيزَانِ : لَا يُعْرَفُ .

''صاحبِ میزان الاعتدال (علامہ ذہبی رحمہ اللہ) کا کہنا ہے کہ یہ راوی مجہول ہے۔''(مجمع الزوائد : 162/10)

❁ علامہ عبد الرؤف مناوی رحمہ اللہ، علامہ ہیثمی کے حوالے سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لَمْ اَعْرِفْهُ . ''میں اسے پہچان نہیں پایا۔''(فيض القدير : 612/2)

② اس کا راوی نعیم بن ضمضم ''ضعیف'' ہے۔اس کے بارے میں:

❁ حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ضعیف الحدیث راوی ہے۔

(المغني في الضعفاء : 701/2)

❁ علامہ ہیثمی لکھتے ہیں: نَعِيمُ بْنُ ضَمْضَمَ ضَعِيفٌ .

''نعیم بن ضمضم ضعیف راوی ہے۔''(مجمع الزوائد : 162/10)

اس کے بارے میں ادنیٰ کلمہ توثیق بھی ثابت نہیں۔

روایت نمبر ⑦ : ایک روایت یوں ہے:

قَالَ (شِيرْوَيْهِ بْنُ شَهْرِدَارَ) الدَّيْلَمِيُّ : أَنْبَأَنَا وَالِدِي (شَهْرِدَارُ بْنُ شِيرْوَيْهِ) : أَنْبَأَنَا أَبُو الْفَضْلِ الْكَرَابِيسِيُّ (مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ حَمْدَوَيْهِ) : أَنْبَأَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ بْنُ تُرْكَانَ (الْفَرْضِيُّ) : حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ سَعِيدٍ (لَعَلَّهُ ابْنُ مُوسَى بْنِ سَعِيدٍ أَبُو عِمْرَانَ

الْهَمْدَانِيُّ) : حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَمَّادِ بْنِ سُفْيَانَ : حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ صَالِحٍ الْمَرْوَزِيُّ : حَدَّثَنَا بَكْرُ بْنُ خِرَاشٍ عَنْ فِطْرِ بْنِ خَلِيفَةَ، عَنْ اَبِی الطُّفَيْلِ، عَنْ أَبِی بَكْرٍ الصِّدِّيقِ، قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) : «أَكْثِرُوا الصَّلَاةَ عَلَيَّ، فَإِنَّ اللّٰهَ وَكَّلَ بِي مَلَكًا عِنْدَ قَبْرِي، فَإِذَا صَلّٰى عَلَيَّ رَجُلٌ مِّنْ أُمَّتِي، قَالَ لِي ذٰلِكَ الْمَلَكُ : يَا مُحَمَّدُ، إِنَّ فُلَانَ ابْنَ فُلَانٍ صَلّٰى عَلَيْكَ السَّاعَةَ» .

''سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ پر زیادہ سے زیادہ درود پڑھا کرنا۔ اللہ تعالیٰ میری قبر کے پاس ایک فرشتے کو مامور کرے گا۔ جب میری امت میں سے کوئی فرد مجھ پر درود بھیجے گا تو یہ فرشتہ میری جناب میں عرض کرے گا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! فلاں بن فلاں نے ابھی آپ پر درود بھیجا ہے۔''

(اللآلي المصنوعة في الأحاديث الموضوعة للسيوطي : 1/259، السلسلة الصحيحة للألباني : 1530)

تبصرہ :

اس کی سند ''ضعیف'' ہے، کیونکہ:

① اس کا راوی بکر بن خداش ''مجہول الحال'' ہے۔ سوائے امام ابن حبان رحمہ اللہ (الثقات : 8/148) کے کسی نے اس کی توثیق نہیں کی۔

② محمد بن عبد اللہ بن صالح مروزی کے حالاتِ زندگی نہیں مل سکے۔

③ ابوالفضل کرابیسی کے حالات اور توثیق بھی نہیں ملی۔

اس روایت کے بارے میں حافظ سخاوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَفِي سَنَدِهِ ضَعْفٌ . ''اس کی سند میں کمزوری ہے۔''

(القول البديع في الصلاة على الحبيب الشفيع، ص :161)

روایت نمبر ⑧ : سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا:

«إِنَّ لِلّٰهِ مَلَائِكَةً سَيَّاحِينَ، يُبَلِّغُونِّي عَنْ أُمَّتِي السَّلَامَ، قَالَ : وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : حَيَاتِي خَيْرٌ لَّكُمْ، تُحَدِّثُونَ وَنُحَدِّثُ لَكُمْ، وَوَفَاتِي خَيْرٌ لَّكُمْ، تُعْرَضُ عَلَيَّ أَعْمَالُكُمْ، فَمَا رَأَيْتُ مِنْ خَيْرٍ حَمِدْتُّ اللّٰهَ عَلَيْهِ، وَمَا رَأَيْتُ مِنْ شَرٍّ اسْتَغْفَرْتُ اللّٰهَ لَكُمْ» .

''زمین میں اللہ تعالیٰ کے فرشتے گشت کر رہے ہیں، جو میری امت کی طرف سے پیش کیا گیا سلام مجھ تک پہنچاتے ہیں۔میری زندگی بھی تمہارے لیے بہتر ہے کہ ہم آپس میں ہم کلام ہوتے رہتے ہیں اور میری وفات بھی تمہارے لیے بہتر ہو گی کہ تمہارے اعمال مجھ پر پیش کیے جاتے رہیں گے۔میں جو بھلائی دیکھوں گا،اس پر اللہ تعالیٰ کی تعریف کروں گا اور جو بُرائی دیکھوں گا، اس پر تمہارے لیے اللہ تعالیٰ سے استغفار کروں گا۔''

(مسند البزّار : 308/5، ح : 1925)

تبصرہ :

اس کی سند ''ضعیف'' ہے، کیونکہ :

① امام سفیان ثوری رحمہ اللہ بصیغہ ''عن'' روایت کر رہے ہیں۔مسلّم اصول ہے کہ ''ثقہ مدلس'' جب صحیح بخاری و مسلم کے علاوہ محتمل الفاظ سے حدیث بیان کرے،تو جب تک سماع کی تصریح نہ ملے،وہ ''ضعیف'' ہی ہوتی ہے۔

② اس میں عبد المجید بن ابو رواد بھی ''مدلس'' ہے۔اس کی طرف سے سماع کی تصریح موجود نہیں۔

③ عبد المجید بن ابو رواد جمہور محدثین کرام کے نزدیک ''ضعیف'' اور مجروح بھی ہے۔

اس پر امام حمیدی (الضعفاء الكبير للبخاري :307)،امام ابوحاتم رازی (الجرح والتعديل لابن أبي حاتم :65/6)،امام ابن حبان (كتاب المجروحين : 160/2)، امام دارقطنی (سؤالات البرقاني : 317)، امام محمد بن یحیٰی بن ابو عمر (الضعفاء الكبير للعقيلي : 96/3، وسندهٗ صحيحٌ)، امام ابن سعد (الطبقات الكبرٰى :5/500)، امام ابن عدی (الكامل في ضعفاء الرجال :5/346) اور امام ابوزرعہ (أسامي الضعفاء : 637) رحمہم اللہ وغیرہ نے سخت جروح کر رکھی ہیں۔

حافظ عراقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

فَقَدْ ضَعَّفَهٗ كَثِيرُونَ.

''یقیناً اسے جمہور محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔''

(المغني عن حمل الأسفار في تخريج الإحياء : 144/4)

لہٰذا حافظ بوصیری کا اس کے بارے میں (وَثَّقَهُ الْجُمْهُورُ) کہنا صحیح نہیں۔

روایت نمبر ⑨ : سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَلَيْلَةِ الْجُمُعَةِ مِائَةً مِّنَ الصَّلَاةِ؛ قَضَى اللّٰهُ لَهٗ مِائَةَ حَاجَةٍ، سَبْعِينَ مِنْ حَوَائِجِ الْآخِرَةِ، وَثَلَاثِينَ مِنْ حَوَائِجِ الدُّنْيَا، وَوَكَّلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ بِذٰلِكَ مَلَكاً يُّدْخِلُهٗ عَلٰى قَبْرِي كَمَا يُدْخِلُ عَلَيْكُمُ الْهَدَايَا، إِنَّ عِلْمِي بَعْدَ مَوْتِي كَعِلْمِي فِي الْحَيَاةِ» .

''جو آدمی مجھ پر جمعہ کے دن اور رات سو مرتبہ درود بھیجتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی سو حاجتیں پوری کر دیتا ہے، جن میں ستر آخرت کی اور تیس دنیا کی شامل ہوتی ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایک فرشتہ مقرر کر دیتا ہے، جو وہ درود اس طرح میری قبر انور میں پیش کرتا ہے، جس طرح تمہیں تحائف پیش کیے جاتے ہیں۔ وفات کے بعد میرا علم ویسے ہی ہوگا، جیسے اب دنیوی زندگی میں ہے۔''

(الفوائد لابن مندة : 56، الترغيب والترهيب لأبي القاسم الأصبهاني : 320/2-321، ح : 1674)

تبصرہ :

یہ جھوٹی اور باطل روایت ہے، کیونکہ :

① حکامہ بنت عثمان کے بارے میں:

۞ امام ابن حبان رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''اس کی بیان کردہ روایت کی کوئی حیثیت نہیں۔'' (الثقات : 194/7)

اس کی توثیق ثابت نہیں، لہٰذا یہ ''مجہولہ'' ہے۔

۞ حافظ عقیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

تَرْوِي عَنْهُ (عُثْمَانَ بْنِ دِينَارٍ) حَكَّامَةُ ابْنَتُهُ أَحَادِيثَ بَوَاطِيلَ، لَيْسَ لَهَا أَصْلٌ.

''عثمان بن دینار سے اس کی بیٹی حکامہ نے باطل روایتیں بیان کی ہیں، جن کی کوئی اصل نہیں۔'' (الضعفاء الکبیر : 200/3)

نیز فرماتے ہیں:

أَحَادِيثُ حَكَّامَةَ تُشْبِهُ حَدِيثَ الْقُصَّاصِ، لَيْسَ لَهَا أُصُولٌ.

''حکامہ کی بیان کردہ احادیث قصہ گو لوگوں کی کہانیوں سے ملتی جلتی ہیں۔ ان کی کوئی اصل نہیں۔'' (الضعفاء الکبیر : 200/3)

② حکامہ کے باپ عثمان بن دینار کو امام ابن حبان رحمہ اللہ نے (الثقات : 194/7) میں ذکر کیا ہے، ان کے علاوہ کسی نے اس کی توثیق نہیں کی، لہٰذا یہ ''مجہول الحال'' راوی ہے۔

۞ حافظ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

لَا شَيْءَ. ''اس کی کوئی حیثیت نہیں۔'' (میزان الاعتدال : 33/3)

روایت نمبر ⑩ : سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہی سے منسوب ہے کہ اللہ

کے رسول ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ أَقْرَبَكُمْ مِنِّي يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِي كُلِّ مَوْطِنٍ أَكْثَرُكُمْ عَلَيَّ صَلَاةً فِي الدُّنْيَا، مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَلَيْلَةِ الْجُمُعَةِ؛ قَضَى اللّٰهُ لَهُ مِائَةَ حَاجَةٍ، سَبْعِينَ مِنْ حَوَائِجِ الْآخِرَةِ، وَثَلَاثِينَ مِنْ حَوَائِجِ الدُّنْيَا، ثُمَّ يُوَكِّلُ اللّٰهُ بِذٰلِكَ مَلَكًا يُدْخِلُهُ فِي قَبْرِهِ كَمَا يُدْخَلُ عَلَيْكُمُ الْهَدَايَا، يُخْبِرُنِي مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ بِاسْمِهِ وَنَسَبِهِ إِلَى عَشِيرَتِهِ، فَأُثْبِتُهُ عِنْدِي فِي صَحِيفَةٍ بَيْضَاءَ».

''بے شک روزِ قیامت ہر ایک مقام پر تم میں سے میرے زیادہ قریب وہ شخص ہوگا، جو دنیا میں سب سے زیادہ مجھ پر درود بھیجتا ہے۔ چنانچہ جو آدمی مجھ پر جمعہ کے دن اور رات درود بھیجتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی سو حاجتیں پوری کر دیتا ہے، جن میں ستر آخرت کی اور تیس دنیا کی شامل ہوتی ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایک فرشتہ مقرر کر دیتا ہے، جو وہ درود اس طرح میری قبر انور میں پیش کرتا ہے، جس طرح تمہیں تحائف پیش کیے جاتے ہیں۔ وہ فرشتہ مجھے اس شخص کا نام اور اس کے خاندان کا سلسلہ نسب بتاتا ہے، پس میں یہ ساری معلومات اپنے پاس ایک روشن کتاب میں محفوظ کر لیتا ہوں۔''

(شعب الإيمان للبيهقي : 2773، حياة الأنبياء في قبورهم للبيهقي : 13، فضائل الأوقات للبيهقي : 276، تاريخ دمشق لابن عساكر : 301/54)

تبصرہ :

یہ روایت سخت ''ضعیف'' ہے، اس میں وہی علتیں موجود ہیں جن کا ذکر مذکورہ بالا روایت کے ضمن میں کیا جا چکا ہے۔

روایت نمبر ⑪ : حاتم بن وردان کا بیان ہے :

كَانَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ يُوَجِّهُ بِالْبَرِيدِ قَاصِدًا إِلَى الْمَدِينَةِ، لِيُقْرِئَ عَنْهُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .

''امام عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ ایک قاصد کو ڈاک دے کر مدینہ منورہ کی طرف روانہ کرتے کہ وہ ان کی طرف سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام پیش کرے۔''

(شعب الإيمان للبيهقي : 3869)

تبصرہ :

اس روایت کی سند ''ضعیف'' اور باطل ہے، کیونکہ :

① اس کے راوی ابراہیم بن فراس کی توثیق نہیں ملی۔

② اس کا استاذ احمد بن صالح رازی بھی ''مجہول'' ہے۔

روایت نمبر ⑫ : یزید بن ابوسعید مقبری بیان کرتے ہیں :

قَدِمْتُ عَلٰى عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ؛ إِذْ كَانَ خَلِيفَةً، بِالشَّامِ، فَلَمَّا وَدَّعْتُهٗ، قَالَ : إِنَّ لِي إِلَيْكَ حَاجَةً، إِذَا اَتَيْتَ الْمَدِينَةَ، فَتَرٰى قَبْرَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؛ فَاقْرَئْهُ مِنِّي السَّلَامَ .

''میں امام عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کی خلافت کے زمانے میں ان کے پاس شام

میں گیا۔جب میں واپس ہونے لگا،تو انہوں نے فرمایا: مجھے تم سے ایک کام ہے۔وہ یہ کہ جب مدینہ منورہ میں جاؤ اور نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت کرو،تو میری طرف سے آپ ﷺ کو سلام پیش کرنا۔''

(شعب الإيمان للبيهقي : 3870، تاريخ دمشق لابن عساكر : 203/65)

تبصرہ :

اس قول کی سند''ضعیف'' ہے۔اس کا راوی رباح بن بشیر''مجہول'' ہے۔
امام ابوحاتم رازی رحمہ اللہ نے اسے''مجہول'' قرار دیا ہے۔

(الجرح والتعديل لابن أبي حاتم : 490/3)

امام ابن حبان رحمہ اللہ (الثقات : 242/8) کے علاوہ کسی نے اس کی توثیق نہیں کی۔

روایت نمبر ⑬ :

نُبَیہ بن وہب سے روایت ہے کہ کعب احبار رحمہ اللہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔سیدہ رضی اللہ عنہا نے نبی اکرم ﷺ کا ذکر کیا،تو کعب کہنے لگے:

''جب بھی دن طلوع ہوتا ہے،ستر ہزار فرشتے اترتے ہیں۔وہ نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک کو گھیر لیتے ہیں اور قبر پر اپنے پَر لگاتے ہیں اور آپ ﷺ پر درود پڑھتے ہیں۔''

(الزهد للامام عبد اللّٰه بن المبارك : 1600، مسند الدارمي :47/1، ح : 94، فضل الصلاة على النبي لإسماعيل بن إسحاق القاضي : 102، حلية الأولياء لأبي نعيم الأصبهاني : 390/5)

تبصرہ :

اس روایت میں عُبَیۃ بن وہب ،کعب احبار سے بیان کر رہے ہیں، جبکہ ان کا کعب احبار سے سماع ولقا ثابت نہیں۔یوں یہ سند ''منقطع'' ہے۔

امام طحاوی حنفی ایک ''منقطع'' روایت کے بارے میں لکھتے ہیں :

فَدَخَلَ هٰذَا الْحَدِيثُ فِي الْاَحَادِيثِ الْمُنْقَطِعَةِ الَّتِي لَا يَحْتَجُّ أَهْلُ الْإِسْنَادِ بِمِثْلِهَا .

''یہ حدیث منقطع روایات میں سے ہے ،جنہیں محدثین کرام قابل حجت نہیں سمجھتے۔''(شرح مشكل الآثار للطحاوي : 36/10، ح : 4140)

الحاصل :

دین قرآنِ کریم اور صحیح احادیث سے ثابت شدہ تعلیمات کا نام ہے۔سند امتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کا امتیازی وصف اور خاص شناخت ہے۔مسلمانوں کا پورا دین صحیح احادیث میں موجود ہے۔دین اسلام کو''ضعیف''اور من گھڑت روایات کی کوئی ضرورت نہیں۔ایسی روایات کو اپنانا کسی مسلمان کو زیبا نہیں۔اہل حق کو صرف وہی احادیث کافی ہیں، جو محدثین کرام کے اجماعی اصولوں کے مطابق صحیح ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قبر مبارک میں درود سننا کسی صحیح وصریح حدیث سے ثابت نہیں۔اگر کسی کے پاس ایسی کوئی بھی صحیح حدیث موجود ہے،تو وہ پیش کرے،ورنہ ایسا عقیدہ رکھنا صحیح نہیں۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح احادیث ہی پرعمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمين يا رب العالمين !

رفع سبّابہ کیا ہے؟

انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی (Forefinger/Indexfinger) کو عربی میں مُسَبِّحَة (تسبیح کرنے والی) اور اردو میں انگشتِ شہادت (شہادت والی انگلی) بھی کہتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرنے اور اس کی وحدانیت کی گواہی دینے کے وقت عام طور پر اس کا استعمال کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور اس کی وحدانیت کی گواہی نیک لوگوں کا کام ہے۔ بدکردار لوگوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے یہ انگلی عنایت کی ہے، لیکن وہ اسے تسبیح و شہادت کی بجائے ناحق گالی گلوچ کے لیے استعمال کرتے ہیں، اس لیے اسے عربی میں سَبَّابَة (گالی والی انگلی) بھی کہتے ہیں۔

رَفْع بھی عربی زبان ہی کا لفظ ہے۔ یہ مصدر ہے اور اس کا معنیٰ بلند کرنا ہوتا ہے۔ یوں رَفْعُ سَبَّابَةٍ کا معنیٰ ہوا شہادت والی انگلی کو اٹھانا۔ یہ تو ہوئی لغوی وضاحت۔

اور اصطلاحاً نماز میں تشہد کے دوران شہادت والی انگلی سے اشارہ کرنا رَفْعُ سَبَّابَةٍ کہلاتا ہے۔

نماز کے دیگر بہت سے مسائل کی طرح اس مسئلہ میں بھی مختلف مکاتبِ فکر مختلف خیالات کے حامل ہیں۔ البتہ اہل حدیث کے نزدیک رفع سبابہ مستحب اور سنت ہے۔ ہمارے دلائل ملاحظہ فرمائیں:

① نافع مولیٰ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے:

كَانَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ إِذَا جَلَسَ فِي الصَّلَاةِ؛ وَضَعَ يَدَيْهِ عَلٰى رُكْبَتَيْهِ، وَأَشَارَ بِإِصْبَعِهِ، وَأَتْبَعَهَا بَصَرَهٗ، ثُمَّ قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : «لَهِيَ أَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنَ الْحَدِيدِ»، يَعْنِي السَّبَّابَةَ .

''سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب دورانِ نماز (تشہد میں) بیٹھتے، تو ہاتھ گھٹنوں پر رکھتے اور اپنی (شہادت والی) انگلی کے ساتھ اشارہ فرماتے۔ اپنی نظر بھی اسی انگلی پر رکھتے۔ پھر فرماتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا: یہ شہادت والی انگلی شیطان پر لوہے سے بھی سخت پڑتی ہے۔''

(مسند الإمام أحمد : 119/2، وسندهٗ حسنٌ)

اس حدیث کا راوی کثیر بن زید اسلمی جمہور ائمہ حدیث کے نزدیک ''موثق، حسن الحدیث'' ہے۔

② سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما ہی بیان کرتے ہیں:

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا جَلَسَ فِي الصَّلَاةِ وَضَعَ يَدَيْهِ عَلٰى رُكْبَتَيْهِ، وَرَفَعَ إِصْبَعَهُ الْيُمْنَى الَّتِي تَلِي الْإِبْهَامَ، فَدَعَا بِهَا ---.

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز میں (تشہد کے لیے) بیٹھتے، تو اپنے دونوں ہاتھوں کو دونوں گھٹنوں پر رکھتے اور اپنے دائیں ہاتھ کی انگوٹھے سے متصل انگلی کو اٹھا لیتے اور اس کے ساتھ دُعا کرتے۔'' (صحیح مسلم : 580)

تشهد میں دائیں ہاتھ کی کیفیات :

ہم پڑھ چکے ہیں کہ احادیث میں رسول اللہ ﷺ کے شہادت والی انگلی کو اٹھانے اور اس کے ساتھ اشارہ یا دُعا کرنے کا ذکر ہے۔ یہ اشارہ کیسے ہوتا تھا؟ اس کے بارے میں بھی ہم احادیثِ نبویہ ہی سے رہنمائی لیتے ہیں۔ مذکورہ اور آئندہ تمام احادیث چونکہ رفع سبّابہ کے بارے میں ہیں، اس لیے ہم انہیں ایک ہی ترتیب میں ذکر کریں گے، البتہ عنوانات بدلتے رہیں گے:

③ سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَعَدَ يَدْعُو، وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى فَخِذِهِ الْيُمْنٰى، وَيَدَهُ الْيُسْرٰى عَلٰى فَخِذِهِ الْيُسْرٰى، وَأَشَارَ بِإِصْبَعِهِ السَّبَّابَةِ، وَوَضَعَ إِبْهَامَهٗ عَلٰى إِصْبَعِهِ الْوُسْطٰى .

''رسول اللہ ﷺ جب تشہد میں بیٹھتے، تو اپنے دائیں ہاتھ کو دائیں ران پر رکھتے اور بائیں ہاتھ کو بائیں ران پر۔ انگشتِ شہادت سے اشارہ فرماتے اور اس دوران اپنے انگوٹھے کو درمیان والی انگلی پر رکھتے۔''

(صحیح مسلم : 13/579)

④ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا قَعَدَ فِي التَّشَهُّدِ وَضَعَ يَدَهُ الْيُسْرٰى عَلٰى رُكْبَتِهِ الْيُسْرٰى، وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى

عَلٰى رُكْبَتِهِ الْيُمْنٰى، وَعَقَدَ ثَلَاثَةً وَّخَمْسِينَ، وَأَشَارَ بِالسَّبَّابَةِ .

''رسول اللہ ﷺ جب تشہد میں بیٹھتے، تو اپنا دایاں ہاتھ دائیں گھٹنے پر رکھتے، جبکہ بائیاں ہاتھ بائیں گھٹنے پر۔ نیز 53 کی گرہ بناتے اور سبّابہ کے ساتھ اشارہ فرماتے۔'' (صحيح مسلم : 115/580)

عرب لوگ انگلیوں کے ساتھ ایک خاص طریقے سے گنتی کرتے تھے۔ اس طریقے میں 53 کے ہندسے پر ہاتھ کی ایک خاص شکل بنتی تھی، جس میں انگوٹھے اور شہادت والی انگلی کے علاوہ باقی تینوں انگلیوں کو بند کرتے ہیں اور شہادت کی انگلی کو کھول کر انگوٹھے کے سرے کو اس کی جڑ میں لگاتے ہیں۔

⑤ سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں :

رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ حَلَّقَ بِالْإِبْهَامِ وَالْوُسْطٰى، وَرَفَعَ الَّتِي تَلِيهِمَا، يَدْعُو بِهَا فِي التَّشَهُّدِ .

''میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے تشہد میں انگوٹھے اور درمیان والی انگلی کو ملا کر دائرہ بنایا ہوا تھا اور انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی مبارک کو اٹھا کر اس کے ساتھ دُعا فرما رہے تھے۔''

(سنن أبي داوٗد : 957، سنن النسائي : 1266، سنن ابن ماجه : 912، واللفظ لهٗ، وسندهٗ صحيحٌ)

معلوم ہوا کہ تشہد میں دائیں ہاتھ کے انگوٹھے کی کئی کیفیات رسولِ اکرم ﷺ سے منقول ہیں۔ یہ تمام صورتیں جائز ہیں، ان میں سے کوئی بھی اختیار کی جا سکتی ہے۔ البتہ ان سب احادیث میں شہادت والی انگلی کے ساتھ اشارے کا ذکر یکساں موجود ہے۔ ہم اس کی مزید تفصیل بھی احادیث ہی کی رُو سے ذکر کیے دیتے ہیں:

کیفیتِ اشارہ :

قارئین کرام احادیث ملاحظہ فرمالیں، ان کی روشنی میں اشارے کی کیفیت اور اس کے تمام مسائل نمبروار درج کر دیئے جائیں گے :

⑥ سیدنا عباس بن سہل ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے :

اِجْتَمَعَ أَبُو حُمَيْدٍ، وَأَبُو أُسَيْدٍ، وَسَهْلُ بْنُ سَعْدٍ، وَمُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ، فَذَكَرُوا صَلَاةَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ أَبُو حُمَيْدٍ : أَنَا أَعْلَمُكُمْ بِصَلَاةِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَلَسَ، يَعْنِي لِلتَّشَهُّدِ، فَافْتَرَشَ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى، وَأَقْبَلَ بِصَدْرِ الْيُمْنٰى عَلٰى قِبْلَتِهٖ، وَوَضَعَ كَفَّهُ الْيُمْنٰى عَلٰى رُكْبَتِهِ الْيُمْنٰى، وَكَفَّهُ الْيُسْرٰى عَلٰى رُكْبَتِهِ الْيُسْرٰى، وَأَشَارَ بِأُصْبُعِهٖ، يَعْنِي السَّبَّابَةَ .

''سیدنا ابو حُمَید، ابو اُسَید، سہل بن سعد اور محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہم ایک جگہ جمع ہوئے۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے بارے میں بات چیت کی۔ سیدنا ابوحمید رضی اللہ عنہ کہنے لگے : میں تم سب سے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے بارے میں جانتا ہوں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب تشہد کے لیے بیٹھتے، تو اپنے بائیں پاؤں کو بچھا لیتے اور دائیں پاؤں کے سامنے والے حصے کو قبلے کے رُخ کھڑا کرتے۔ نیز اپنی دائیں ہتھیلی کو دائیں گھٹنے پر رکھتے، جبکہ بائیں ہتھیلی کو بائیں گھٹنے پر اور اپنی سبّابہ انگلی کے ساتھ اشارہ فرماتے۔''

(سنن الترمذي : 293، وسندہٗ حسنٌ)

اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے ''حسن صحیح'' قرار دیا ہے۔

⑦ سیدنا نمیر خزاعی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاضِعًا يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى فَخِذِهِ الْيُمْنٰى فِي الصَّلَاةِ، يُشِيرُ بِأُصْبُعِهٖ.

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں (تشہد کے دوران) اپنے دائیں ہاتھ کو دائیں ران پر رکھے ہوئے اپنی (شہادت والی) انگلی کے ساتھ اشارہ فرما رہے تھے۔''(مسند الإمام أحمد : 471/3، سنن ابن ماجه : 911، سنن النسائي : 1272، وسندہٗ حسنٌ)

اس حدیث کا راوی مالک بن نمیر خزاعی ''حسن الحدیث'' ہے۔امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اسے (الثقات : 386/5) میں ذکر کیا ہے اور امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ (715) نے اس کی بیان کردہ حدیث کی ''تصحیح'' کر کے اس کی توثیق کی ہے۔

⑧ علی بن عبد الرحمٰن معاوی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

رَآنِي عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ ــ وَأَنَا أَعْبَثُ بِالْحَصٰى فِي الصَّلَاةِ ــ فَلَمَّا انْصَرَفَ؛ نَهَانِي، فَقَالَ : اصْنَعْ كَمَا كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْنَعُ، فَقُلْتُ : وَكَيْفَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْنَعُ؟ قَالَ : كَانَ إِذَا جَلَسَ فِي الصَّلَاةِ وَضَعَ كَفَّهُ الْيُمْنٰى عَلٰى فَخِذِهِ الْيُمْنٰى، وَقَبَضَ أَصَابِعَهٗ كُلَّهَا، وَأَشَارَ بِإِصْبَعِهِ الَّتِي تَلِي الْإِبْهَامَ، وَوَضَعَ كَفَّهُ الْيُسْرٰى عَلٰى فَخِذِهِ الْيُسْرٰى.

''سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے مجھے نماز میں کنکریوں سے کھیلتے ہوئے دیکھا۔ جب میں نماز سے فارغ ہوا، تو انہوں نے مجھے اس کام سے منع کیا اور فرمایا: اسی طرح کرو، جس طرح رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے۔ میں نے عرض کیا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح کیا کرتے تھے؟ انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز میں (تشہد کے لیے) بیٹھتے، تو اپنی دائیں ہتھیلی دائیں ران پر رکھتے اور ساری انگلیوں کو بند کر کے انگشتِ شہادت کے ساتھ اشارہ فرماتے۔ نیز اپنی بائیں ہتھیلی کو بائیں ران پر رکھتے۔'' (صحيح مسلم : 116/580)

⑨ سیدنا نمیر خزاعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ـ وَهُوَ قَاعِدٌ فِي الصَّلَاةِ ـ قَدْ وَضَعَ ذِرَاعَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى فَخِذِهِ الْيُمْنٰى، رَافِعًا بِأُصْبُعِهِ السَّبَّابَةِ، قَدْ حَنَاهَا شَيْئًا ـ وَهُوَ يَدْعُو ـ .

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں (تشہد کے لیے) بیٹھے ہوئے دیکھا۔ آپ نے اپنا دایاں ہاتھ دائیں ران پر رکھا ہوا تھا اور سبّابہ انگلی کو کچھ خم دے کر اٹھایا ہوا تھا۔ یوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم دُعا کر رہے تھے۔''

(مسند الإمام أحمد : 471/3، سنن أبي داوٗد : 991، سنن النسائي : 1272، وسندهٗ حسنٌ)

اس حدیث کو امام ابن خزیمہ (716) اور امام ابن حبان (1946) رحمہما اللہ نے ''صحیح'' قرار دیا ہے۔

⑩ سیدنا عبداللہ بن زُبیر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے:

كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا جَلَسَ فِي التَّشَهُّدِ،

وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى فَخِذِهِ الْيُمْنٰى، وَيَدَهُ الْيُسْرٰى عَلٰى فَخِذِهِ الْيُسْرٰى، وَأَشَارَ بِالسَّبَّابَةِ، وَلَمْ يُجَاوِزْ بَصَرُهُ إِشَارَتَهُ.

''رسول اللہ ﷺ جب تشہد میں بیٹھتے، تو اپنے دائیں ہاتھ کو دائیں ران پر اور بائیں ہاتھ کو بائیں ران پر رکھتے۔ سبابہ انگلی کے ساتھ اشارہ فرماتے اور آپ ﷺ کی نظر اس اشارے سے آگے نہ جاتی تھی۔''

(مسند الإمام أحمد : 3/4، سنن أبي داوٗد : 990، سنن النسائي : 1276، وسندهٗ حسنٌ)

محمد بن عجلان اگرچہ ''مدلس'' ہیں، لیکن مسند احمد میں انہوں نے اپنے سماع کی تصریح کر رکھی ہے۔ نیز اس حدیث کی اصل صحیح مسلم (579) میں بھی موجود ہے۔

اس حدیث کو امام ابن خزیمہ (718)، امام ابوعوانہ (2018) اور امام ابن حبان (1944) رحمہم اللہ نے ''صحیح'' قرار دیا ہے۔

⑪ سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ، رسول اللہ ﷺ کی نماز کے بارے میں اپنا مشاہدہ یوں بیان کرتے ہیں:

ثُمَّ قَعَدَ فَافْتَرَشَ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى، فَوَضَعَ كَفَّهُ الْيُسْرٰى عَلٰى فَخِذِهِ وَرُكْبَتِهِ الْيُسْرٰى، وَجَعَلَ حَدَّ مِرْفَقِهِ الْأَيْمَنِ عَلٰى فَخِذِهِ الْيُمْنٰى، ثُمَّ قَبَضَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ، فَحَلَّقَ حَلْقَةً، ثُمَّ رَفَعَ إِصْبَعَهُ، فَرَأَيْتُهُ يُحَرِّكُهَا، يَدْعُو بِهَا.

''پھر آپ ﷺ نے بیٹھ کر اپنے بائیں پاؤں کو بچھا لیا، نیز اپنی بائیں ہتھیلی کو بائیں ران اور بائیں گھٹنے پر اور اپنی دائیں کہنی کے کنارے کو اپنی دائیں ران پر رکھا۔ پھر اپنی انگلیوں کو بند کر کے دائرہ بنایا، پھر اپنی (شہادت والی) انگلی کو

اٹھا لیا۔ میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ اسے حرکت دے کر اس کے ساتھ دُعا کر رہے تھے۔''

(مسند الإمام أحمد : 318/4، سنن النسائي : 890، 1269، وسندهٗ صحيحٌ)

اس حدیث کو امام ابن جارود (208)، امام ابن خزیمہ (714) اور امام ابن حبان (1860) رحمہم اللہ نے ''صحیح'' قرار دیا ہے۔

علامہ شمس الحق، عظیم آبادی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں :

وَفِيهِ تَحْرِيكُهَا أَيْضًا .

''اس حدیث سے شہادت کی انگلی کو حرکت دینا بھی ثابت ہوتا ہے۔''

(عون المعبود شرح سنن أبي داوٗد :374/1)

⑫ سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں :

كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَعَدَ فِي الصَّلَاةِ؛ جَعَلَ قَدَمَهُ الْيُسْرٰى بَيْنَ فَخِذِهٖ وَسَاقِهٖ، وَفَرَشَ قَدَمَهُ الْيُمْنٰى، وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُسْرٰى عَلٰى رُكْبَتِهِ الْيُسْرٰى، وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى فَخِذِهِ الْيُمْنٰى، وَأَشَارَ بِإِصْبَعِهٖ .

''رسول اللہ ﷺ جب نماز میں (تشہد کے لیے) بیٹھتے، تو اپنے بائیں پاؤں کو (دائیں) ران اور پنڈلی کے درمیان میں رکھا، جبکہ بائیں پاؤں کو بچھا لیا۔ بائیں ہاتھ کو بائیں گھٹنے پر اور دائیں ہاتھ کو دائیں ران پر رکھا اور اپنی (شہادت والی) انگلی کے ساتھ اشارہ کیا۔'' (صحیح مسلم : 112/579)

⑬ سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں :

ثُمَّ رَفَعَ إِصْبَعَهٗ، فَرَأَيْتُهٗ يُحَرِّكُهَا، يَدْعُو بِهَا .

''پھر آپ ﷺ نے اپنی (شہادت والی) انگلی کو اٹھایا۔ میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ اسے حرکت دے رہے تھے اور اس کے ساتھ دُعا کر رہے تھے۔''

(مسند الإمام أحمد : 318/4، سنن النسائي : 890، 1269، وسندهٗ صحيحٌ)

اس حدیث کو امام ابن جارود (208)، امام ابن خزیمہ (714) اور امام ابن حبان (860) رحمہم اللہ نے ''صحیح'' قرار دیا ہے۔

⑭ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے:

إِنَّهٗ كَانَ يَضَعُ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى رُكْبَتِهِ الْيُمْنٰى وَيَدَهُ الْيُسْرٰى عَلٰى رُكْبَتِهِ الْيُسْرٰى، وَيُشِيرُ بِإِصْبَعِهٖ، وَلَا يُحَرِّكُهَا، وَيَقُولُ : إِنَّهَا مِذَبَّةُ الشَّيْطَانِ، وَيَقُولُ : كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُهٗ .

''وہ اپنے دائیں ہاتھ کو دائیں گھٹنے پر اور بائیں ہاتھ کو بائیں گھٹنے پر رکھتے اور اپنی (شہادت والی) انگلی کے ساتھ اشارہ کرتے، لیکن حرکت نہیں دیتے تھے، نیز بیان کرتے تھے کہ یہ شیطان کو بھگاتی ہے اور رسول اللہ ﷺ بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔''

(الثقات لابن حبّان : 448/7، العلل للدارقطني : 2899، وسندهٗ حسنٌ)

⑮ نافع تابعی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

كَانَ ابْنُ عُمَرَ إِذَا صَلّٰى؛ وَضَعَ يَدَيْهِ عَلٰى رُكْبَتَيْهِ، وَقَالَ بِإِصْبَعِهِ السَّبَّابَةِ، يَمُدُّهَا يُشِيرُ بِهَا، وَلَا يُحَرِّكُهَا، وَقَالَ : قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : «هِيَ مُذْعِرَةُ الشَّيْطَانِ» .

''سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب نماز پڑھتے ، تو اپنے دونوں ہاتھوں کو دونوں گھٹنوں پر رکھتے اور اپنی سبّابہ انگلی کو کھڑا کر کے اس کے ساتھ اشارہ کرتے ، لیکن اسے حرکت نہیں دیتے تھے، نیز فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ انگلی شیطان کو خوفزدہ کرتی ہے۔''

(ذیل تاریخ بغداد لابن النجّار : 19/220، وسندہٗ حسنٌ)

مذکورہ احادیث سے اشارے کی کیفیت یوں ثابت ہوتی ہے:

① اشارے کے لیے تشہد کا کوئی حصہ خاص نہیں، بلکہ تشہد میں بیٹھتے ہی اشارہ شروع کر دینا چاہیے، جیسا کہ مذکورہ تمام احادیث سے عموماً اور اکثر احادیث سے خصوصاً ثابت ہو رہا ہے، جن میں تشہد میں بیٹھتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ کرنا مذکور ہے۔ لہٰذا «لَا إِلٰهَ» پر انگلی اٹھانا اور «إِلَّا اللّٰهُ» پر گرا دینا بے بنیاد اور بے دلیل ہے۔

② اشارہ کرتے ہوئے انگلی کو تھوڑا سا خم دینا چاہیے، جیسا کہ حدیث نمبر ⑨ سے معلوم ہو رہا ہے۔

③ تشہد میں نظر شہادت والی انگلی کے اشارے ہی پر ہونی چاہیے، جیسا کہ حدیث نمبر ⑩ میں صراحت ہے۔

تحریکِ سبّابہ !

④ تشہد میں شہادت والی انگلی کے ساتھ اشارہ کرتے وقت اسے حرکت دینی چاہیے یا نہیں؟ یہ کافی اہم مسئلہ ہے۔ ہماری تحقیق کے مطابق حرکت دینا بھی درست ہے، جیسا کہ حدیث نمبر ⑪ اور ⑬ سے ثابت ہے اور اگر حرکت نہ دی جائے، تو بھی جائز ہے،

جیسا کہ حدیث نمبر ⑭ اور ⑮ میں مذکور ہے۔یعنی یہ دونوں طریقے سنت سے ثابت ہیں، ان میں سے کوئی بھی طریقہ اختیار کیا جا سکتا ہے۔

امام اندلس، حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ (368-463ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّهُمُ اخْتَلَفُوا فِي تَحْرِيكِ أُصْبُعِهِ السَّبَّابَةِ؛ فَمِنْهُمْ مَّنْ رَّآى تَحْرِيكَهَا، وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ يَرَهُ، وَكُلُّ ذٰلِكَ مَرْوِيٌّ فِي الْآثَارِ الصِّحَاحِ الْمُسْنَدَةِ عَنِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ، وَجَمِيعُهُ مُبَاحٌ .

''اہل علم کا سبّابہ انگلی کو حرکت دینے کے بارے میں اختلاف ہوا ہے۔بعض کا خیال ہے کہ اسے حرکت دینی چاہیے اور بعض اسے حرکت دینے کے قائل نہیں۔لیکن یہ دونوں طریقے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح اور متصل اسانید کے ساتھ ثابت ہیں، لہٰذا یہ دونوں طریقے جائز ہیں۔''

(الاستذكار :478/1، تفسير القرطبي :361/1)

یہی موقف علامہ صنعانی رحمہ اللہ کا ہے۔(سبل السلام شرح بلوغ المرام :187/1-188)

شارحِ جامع ترمذی، محدث مبارکپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَالْحَقُّ مَا قَالَ الرَّافِعِيُّ وَمُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلُ الْأَمِيرُ .

''حق بات وہی ہے جو رافعی اور محمد بن اسماعیل امیر (صنعانی) رحمہما اللہ نے فرمائی ہے۔''(تحفة الأحوذي :241/1، ط الهنديّة)

اشارہ سبّابہ اور احناف :

بعض احناف نے اس سنتِ رسول کو اپنی تقلیدِ ناسدید کی بھینٹ چڑھاتے ہوئے یہ فتویٰ دیا ہے کہ تشہد میں شہادت کی انگلی کو حرکت نہیں دینی چاہیے، جیسا کہ:

✳ احمد سرہندی حنفی (971-1034ھ) نے لکھا ہے:

''تو پھر ہم مقلدین کو مناسب نہیں کہ احادیث کے موافق عمل کر کے اشارہ کرنے میں جرأت کریں۔'' (مکتوبات: 718/1، مکتوب نمبر 312)

اس فتوے کے بارے میں خود احناف کے تبصرے ملاحظہ فرمائیں؛

① دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث، جناب حسین احمد مدنی کہتے ہیں:

''اشارہ کی روایات بکثرت مروی ہیں اور وہ بھی بہت سے صحابہ کرام سے، حتی کہ ملا علی قاری (حنفی) اپنے رسالہ [تزيين العبارة في إثبات الإشارة] میں کہتے ہیں کہ روایاتِ اشارہ تواتر کے درجہ کو پہنچی ہوئی ہیں۔ تابعین اور صحابہ کرام میں سے کسی سے بھی ترکِ اشارہ منقول نہیں ہے۔ البتہ منع اشارہ متاخرین احناف سے منقول ہے، جن میں زیادہ غالی صاحبِ خلاصہ کیدانی معلوم ہوتے ہیں، جو اشارہ فی الصلاۃ کو بالکل حرام کہتے ہیں (خلاصة كيداني، ص: 15، 16)۔ جس پر ملا علی قاری (حنفی) نے فرمایا کہ اگر حسن ظن نہ ہوتا، تو صاحبِ خلاصہ کیدانی کو کافر کہہ دیتا، کیونکہ وہ ایک سنت کو حرام قرار دے رہے ہیں۔ ملا مانکی تو اس سے بھی بڑھ گئے کہ وہ اشارہ کرنے والے کی انگلی کٹوا دیتے تھے، حالانکہ یہ طریقہ غلط تھا، کیونکہ روایات بکثرت اشارہ فی الصلاۃ پر دلالت کرتی ہیں۔ ترکِ اشارہ کی کوئی روایت، کوئی قول صحابی اور تابعی فقیہ کا منقول نہیں۔'' (تقریر ترمذی، ص: 433، 434)

② جناب تقی عثمانی حیاتی دیوبندی صاحب لکھتے ہیں:

''بعض متاخرین (حنفیہ) نے اشارہ بالسبابہ کو غیر مسنون قرار دے دیا، بلکہ

خلاصۂ کیدانی میں اُسے بدعت قرار دے دیا گیا۔اور بعض حضرات نے تو انتہائی تشدد اور غلوّ سے کام لیا اور اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا: مارا قولِ ابوحنیفہ باید،قولِ رسول ﷺ کافی نیست (ہمارے لیے امام ابوحنیفہ کا قول دلیل ہے،رسول اللہ ﷺ کا فرمان کافی نہیں۔العیاذ باللہ)۔''

(تقریر ترمذی:62/2)

قارئین کرام تعصب سے بالاتر ہو کر فیصلہ کریں کہ کیا تقلید انسان کو وحی الٰہی سے دُور نہیں کرتی،رسول اللہ ﷺ کی مخالفت پر نہیں اکساتی،انکارِ حدیث پر آمادہ نہیں کرتی اور سلف صالحین کا دشمن بنا کر نفس پرستی میں مبتلا نہیں کرتی؟

ایسے لوگوں کی جرأت اور بے باکی پر حیرانی ہوتی ہے کہ یہ ''خدمتِ اسلام'' کے نام پر کس ڈھٹائی سے سنتوں کا انکار کر دیتے ہیں!

الحاصل:

تشہد کے لیے بیٹھتے ہی دائیں ہاتھ کی شہادت والی انگلی کو اٹھانا اور تشہد کے اختتام تک اسے اٹھائے رکھنا رسول اللہ ﷺ کی پیاری سنت ہے۔آپ ﷺ سے تشہد کے دوران انگلی کو حرکت دینا اور ساکن رکھنا،دونوں صورتیں ثابت ہیں۔

جن لوگوں نے رفع سبابہ والی پیاری سنت کا انکار کرتے ہوئے اسے بدعت تک کہہ دیا،انہیں اپنے ایمان کی فکر کرنی چاہیے۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں رسول اللہ ﷺ کی سنتوں کے انکار سے بچائے اور ان پر دل و جان سے عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

نماز کی دو رکعتیں مکمل کرنے کے بعد بیٹھنا قعدہ کہلاتا ہے۔ چار رکعتوں والی نماز میں دو قعدے ہوتے ہیں۔ پہلا دو رکعتوں کے بعد اور دوسرا چار رکعتیں مکمل کرنے کے بعد۔

قعدہ پہلا ہو یا دوسرا اس میں تشہد (التحیّات۔۔۔،جس میں اللہ کی وحدانیت اور محمد ﷺ کی رسالت کی شہادت ہوتی ہے) پڑھا جاتا ہے۔تشہد سے زائد مثلاً درود پڑھنا اور دُعا کرنا صرف دوسرے تشہد کے ساتھ خاص ہے یا پہلے تشہد میں بھی اس کی اجازت ہے؟ اسی سوال کا جواب دینے کے لیے یہ تحریر قارئین کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے۔

ہماری تحقیق میں پہلے قعدہ میں تشہد پر اکتفا کر لیا جائے یا تشہد سے زائد بھی کچھ پڑھ لیا جائے، دونوں صورتیں جائز ہیں۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ اگر پہلے تشہد میں درود پڑھا گیا،تو سجدۂ سہو لازم آ جائے گا،ان کی بات بے دلیل ہے، کیونکہ دونوں طریقے رسول اللہ ﷺ کی سنتِ مبارکہ سے ثابت ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

تشہد پر اقتصار و اکتفا:

① سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے شاگردوں کو رسول اللہ ﷺ کا تشہد سکھایا۔ان کے ایک شاگرد اسود بن یزید رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

ثُمَّ إِنْ كَانَ فِي وَسَطِ الصَّلَاةِ؛ نَهَضَ حِينَ يَفْرُغُ مِنْ تَشَهُّدِهِ، وَإِنْ كَانَ فِي آخِرِهَا؛ دَعَا بَعْدَ تَشَهُّدِهِ مَا شَاءَ اللّٰهُ أَنْ يَدْعُوَ، ثُمَّ

يُسَلِّمُ .

''آپ اگر نماز کے درمیانے تشہد میں ہوتے،تو تشہد سے فارغ ہوتے ہی (اگلی رکعت کے لیے) کھڑے ہو جاتے اور اگر آخری تشہد میں ہوتے، تو تشہد کے بعد جو دُعا مقدر میں ہوتی،کرتے، پھر سلام پھیرتے۔''

(مسند الإمام أحمد : 459/1، وسندهٗ حسنٌ)

امام الائمہ،ابن خزیمہ رحمہ اللہ (708) نے اس حدیث کو''صحیح''قرار دیا ہے۔

امام موصوف اس حدیث پر یوں باب قائم کرتے ہیں:

بَابُ الِاقْتِصَارِ فِي الْجَلْسَةِ الْأُولٰى عَلَى التَّشَهُّدِ، وَتَرْكَ الدُّعَاءِ بَعْدَ التَّشَهُّدِ الْأَوَّلِ .

''اس بات کا بیان کہ پہلے قعدہ میں تشہد پر اکتفا کرنا اور دُعا کو ترک کرنا جائز ہے۔''(صحيح ابن خزيمة : 708)

② ام المومنین،سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے:

إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يَزِيدُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ عَلَى التَّشَهُّدِ .

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعتوں کے بعد (عام طور پر) تشہد سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔''(مسند أبي يعلى الموصلي : 4373، وسندهٗ صحيح)

تنبیہات :

① سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا جَلَسَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ

الْأُولَيَيْنِ، كَأَنَّهُ عَلَى الرَّضْفِ.

''رسول اللہ ﷺ جب دو رکعتوں کے بعد (تشہد کے لیے بیٹھتے)، تو (بہت جلد اٹھنے کی وجہ سے) ایسے لگتا کہ گرم پتھر پر بیٹھے ہیں۔''

(مسند الإمام أحمد : 386/1، سنن أبي داوٗد : 995، سنن النسائی : 1177، سنن الترمذي : 366)

اس کی سند ''مرسل'' ہونے کی وجہ سے ''ضعیف'' ہے، کیونکہ ابوعبیدہ کا اپنے والد سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَالرَّاجِحُ أَنَّهُ لَا يَصِحُّ سَمَاعُهُ مِنْ أَبِيهِ.

''راجح بات یہی ہے کہ ابوعبیدہ کا اپنے والدِ گرامی سے سماع ثابت نہیں۔''

(تقريب التهذيب :8231)

نیز فرماتے ہیں: فَإِنَّهُ عِنْدَ الْأَكْثَرِ لَمْ يَسْمَع مِنْ أَبِيهِ.

''جمہور اہل علم کے نزدیک انہوں نے اپنے والدِ گرامی سے سماع نہیں کیا۔''

(موافقة الخبر الخبر :364/1)

لہٰذا امام حاکم رحمہ اللہ (296/1) کا اس روایت کو ''امام بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح'' قرار دینا صحیح نہیں۔

اس روایت کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَهُوَ مُنْقَطِعٌ، لِأَنَّ أَبَا عُبَيْدَةَ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ أَبِيهِ.

''یہ روایت منقطع ہے، کیونکہ ابوعبیدہ نے اپنے والدِ گرامی سے سماع نہیں کیا۔''

(التلخيص الحبير :263/1، ح : 406)

دوسری بات یہ ہے کہ اس سے پہلے تشہد میں درود پڑھنے کی نفی نہیں ہوتی، بلکہ زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ پہلا تشہد، دوسرے سے چھوٹا تھا۔یعنی پہلا تشہد درود سمیت بھی دوسرے کے مقابلے میں چھوٹا ہوسکتا ہے۔

علامہ شوکانی رحمہ اللہ (1173-1250ھ) لکھتے ہیں:

وَلَيْسَ فِيهِ إِلَّا مَشْرُوعِيَّةُ التَّخْفِيفِ، وَهُوَ يَحْصُلُ بِجَعْلِهٖ أَخَفَّ مِنْ مُّقَابِلِهٖ.

''اس حدیث میں صرف پہلے تشہد کو چھوٹا کرنے کی مشروعیت ہے اور وہ تو اسے دوسرے تشہد کے مقابلے میں چھوٹا کرنے سے حاصل ہو جاتی ہے۔''

(نيل الأوطار : 333/2)

② تمیم بن سلمہ تابعی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

كَانَ أَبُو بَكْرٍ إِذَا جَلَسَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ؛ كَأَنَّهٗ عَلَى الرَّضْفِ، يَعْنِي حَتّٰى يَقُومَ.

''امیر المومنین، سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ جب دو رکعتوں کے بعد بیٹھتے، تو یوں ہوتے جیسے گرم پتھر پر ہوں، حتی کہ اٹھ جاتے۔''(مصنّف ابن أبي شيبة :295/1)

اس کی سند بھی ''انقطاع'' کی وجہ سے ''ضعیف'' ہے، کیونکہ تمیم بن سلمہ کا سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں۔

لہٰذا حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (التلخيص الحبير :263/1، تحت الحديث : 406) کا اس کی سند کو ''صحیح'' قرار دینا صحیح نہیں۔

③ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منسوب ہے:

مَا جُعِلَتِ الرَّاحَةُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ إِلَّا لِلتَّشَهُّدِ .

''دو رکعتوں کے بعد بیٹھنے کا موقع صرف تشہد پڑھنے کے لیے ہے۔''

(مصنّف ابن أبي شيبة :295/1)

اس کی سند بھی ''ضعیف'' ہے، کیونکہ عیاض بن مسلم راوی ''مجہول الحال'' ہے۔ سوائے امام ابن حبان رحمہ اللہ (الثقات : 265/5) کے کسی نے اس کی توثیق نہیں کی۔

④ امام حسن بصری رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے:

لَا يَزِيدُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ عَلَى التَّشَهُّدِ .

''نمازی دو رکعتوں کے بعد تشہد سے زیادہ نہ پڑھے۔''

(مصنّف ابن أبي شيبة :296/1)

یہ قول امام حسن بصری رحمہ اللہ سے ثابت نہیں، کیونکہ حفص بن غیاث ''مدلس'' ہے اور اس نے امام موصوف سے سماع کی کوئی صراحت نہیں کی۔

نیز اس سند میں اشعث راوی کا تعین بھی درکار ہے۔

⑤ امام شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مَنْ زَادَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ عَلَى التَّشَهُّدِ؛ فَعَلَيْهِ سَجْدَتَا سَهْوٍ .

''جس شخص نے دو رکعتوں کے بعد تشہد کے علاوہ کچھ اور پڑھ لیا، اس پر سہو کے دو سجدے لازم ہو جائیں گے۔''

(مصنّف ابن أبي شيبة :296/1، وسندهٗ صحيحٌ)

امام شعبی رحمہ اللہ کا یہ اجتہاد بے دلیل اور صحیح احادیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے

خطا پر مبنی ہے۔

پہلے قعدہ میں تشہد کے علاوہ اذکار:

پہلے قعدہ میں تشہد سے زائد اذکار، مثلاً درود، دُعا وغیرہ مستحب ہیں، جیسا کہ:

① ام المومنین، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں:

وَيُصَلِّي تِسْعَ رَكَعَاتٍ لَّا يَجْلِسُ فِيهَا إِلَّا فِي الثَّامِنَةِ، فَيَذْكُرُ اللّٰهَ وَيَحْمَدُهٗ وَيَدْعُوهُ، ثُمَّ يَنْهَضُ وَلَا يُسَلِّمُ، ثُمَّ يَقُومُ فَيُصَلِّي التَّاسِعَةَ، ثُمَّ يَقْعُدُ فَيَذْكُرُ اللّٰهَ وَيَحْمَدُهٗ وَيَدْعُوهُ، ثُمَّ يُسَلِّمُ تَسْلِيمًا يُّسْمِعُنَا.

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نو رکعت (وتر) ادا فرماتے اور صرف آٹھویں رکعت کے بعد بیٹھتے تھے۔ پھر اللہ کا ذکر کرتے، اس کی حمد بجالاتے اور اس سے دُعا کرتے۔ پھر سلام پھیرے بغیر کھڑے ہو جاتے اور نویں رکعت ادا فرماتے۔ پھر بیٹھ جاتے اور اللہ کا ذکر، اس کی حمد اور اس سے دُعا کرتے۔ پھر اتنی بلند آواز سے سلام پھیرتے کہ ہم سن لیتے تھے۔'' (صحیح مسلم: 139/746)

② سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سکھایا:

«إِذَا قَعَدْتُّمْ فِي كُلِّ رَكْعَتَيْنِ، فَقُولُوا : التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ، وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ، السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ، السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِينَ، أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُولُهٗ،

ثُمَّ لِيَتَخَيَّرْ أَحَدُكُمْ مِّنَ الدُّعَاءِ أَعْجَبَهُ إِلَيْهِ، فَلْيَدْعُ بِهِ رَبَّهُ عَزَّ وَجَلَّ».

''جب تم ہر دو رکعتوں کے بعد بیٹھو، تو یہ کہو: التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ، وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ، السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ، السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِينَ، أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ۔ پھر ہر شخص وہ دُعا منتخب کرے، جو اسے زیادہ محبوب ہو اور اس کے ذریعے اپنے ربّ عزوجل سے مانگے۔''

(مسند الإمام أحمد : 437/1، مسند الطيالسي : 304، سنن النسائي : 1164، المعجم الكبير للطبراني : 47/10، ح : 9912، شرح معاني الآثار للطحاوي : 237/1، وسندهٗ صحيحٌ)

اس حدیث کو امام ابن خزیمہ (720) اور امام ابن حبان (1951) رحمہما اللہ نے ''صحیح'' قرار دیا ہے۔

③ نافع تابعی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَتَشَهَّدُ، فَيَقُولُ : بِسْمِ اللّٰهِ، التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ، الصَّلَوَاتُ لِلّٰهِ، الزَّاكِيَاتُ لِلّٰهِ، السَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ، السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِينَ، شَهِدْتُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، شَهِدْتُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ، يَقُولُ

هٰذَا فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ، وَيَدْعُو إِذَا قَضٰى تَشَهُّدَهٗ، بِمَا بَدَا لَهٗ.

''سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما تشہد میں یہ دُعا پڑھتے : بِسْمِ اللّٰهِ، التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ، الصَّلَوَاتُ لِلّٰهِ، الزَّاكِيَاتُ لِلّٰهِ، السَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ، السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِينَ، شَهِدْتُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، شَهِدْتُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ۔ پہلی دورکعتوں کے بعد تشہد پڑھنے کے ساتھ جو دل میں آتی، وہ دُعا بھی کرتے۔''

(المؤطّا للإمام مالك : 191/1، وسندهٗ صحيحٌ)

یعنی جلیل القدر صحابی، سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی پہلے قعدہ میں تشہد سے زائد پڑھتے تھے۔

امام مالک اور امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی یہی مذہب ہے۔(الأمّ : 117/1)

فقه حنفي اور پهلا تشهد :

فقہ حنفی کے مطابق پہلے تشہد کے ساتھ درود پڑھنے سے سجدۂ سہو لازم آتا ہے۔

(كبيري : 460)

یہ بات صحیح احادیث اور سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے عمل کے خلاف ہونے کی وجہ سے نا قابل التفات ہے۔

الحاصل :

پہلے قعدہ میں تشہد پر بھی اکتفا کیا جا سکتا ہے اور تشہد کے علاوہ مثلاً درود اور دُعائیں وغیرہ بھی پڑھی جا سکتی ہیں۔

سنت طریقہ ہی کیوں؟

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ﴾ (البقرة 2 : 43)

''نماز قائم کرو۔''

یہ ایک اجمالی حکم ہے۔اس کی تفصیل کیا ہے؟ نماز کس طرح قائم ہو گی؟ اس اجمال کی تفصیل نبی اکرم ﷺ کے اس فرمانِ گرامی میں موجود ہے:

«صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي» .

''نماز ایسے پڑھو، جیسے مجھے پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔''

(صحيح البخاري :88/1، ح :631)

شیخ الاسلام ثانی، عالم ربانی، علامہ ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ (691-751ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهٗ لَا يُعْبَدُ إِلَّا بِمَا شَرَعَهٗ عَلٰى أَلْسِنَةِ رُسُلِهٖ، فَإِنَّ الْعِبَادَةَ حَقُّهٗ عَلٰى عِبَادِهٖ، وَحَقُّهٗ الَّذِي أَحَقَّهٗ هُوَ، وَرَضِيَ بِهٖ، وَشَرَعَهٗ .

''اللہ تعالیٰ کی عبادت کا صرف وہی طریقہ ہے، جو اس نے اپنے رسولوں کی زبانی بیان کر دیا۔عبادت بندوں پر اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور اس کا حق وہی ہو

سکتا ہے، جو اس نے خود مقرر کیا ہو، اس پر وہ راضی بھی ہو اور اس کا طریقہ بھی اس نے خود بیان کیا ہو۔'' (إعلام الموقّعين عن ربّ العالمين :1/344)

معلوم ہوا کہ عبادت کی قبولیت تب ہو گی، جب اسے سنت طریقے سے سرانجام دیا جائے۔ سنت کا علم صرف ''صحیح'' حدیث کے ذریعے ہوتا ہے۔ جہالت اور عناد کی بنا پر ''صحیح'' احادیث کو چھوڑ کر ''ضعیف'' روایات کے ذریعے عبادات کے طریقے مقرر کرنا جائز نہیں۔

چونکہ نماز بھی ایک عبادت، بلکہ ایسا ستون ہے، جس پر اسلام کی پوری عمارت کھڑی ہوتی ہے، لہٰذا اس کی ادائیگی میں بھی سنت طریقے کو ملحوظ رکھنا انتہائی ضروری ہے۔

جلسہ استراحت اور تشہد کے بعد کیسے اٹھیں؟

نماز کی پہلی اور تیسری رکعت میں دونوں سجدوں کے بعد اگلی رکعت کے لیے اٹھنے سے پہلے تھوڑی دیر کے لیے اطمینان سے بیٹھنا جلسۂ استراحت کہلاتا ہے۔ اس جلسہ کے بعد اور درمیانے تشہد کے بعد اگلی رکعت کے لیے اٹھنا ہوتا ہے۔

اس اٹھنے کا سنت طریقہ جاننا اس تحریر کا بنیادی مقصد ہے۔ ملاحظہ فرمائیں؛

دلیل نمبر ① : مشہور تابعی، امام، ایوب سختیانی رحمہ اللہ کا بیان ہے:

عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، قَالَ : جَاءَ نَا مَالِكُ بْنُ الْحُوَيْرِثِ، فَصَلّٰى بِنَا فِي مَسْجِدِنَا هٰذَا، فَقَالَ : إِنِّي لَأُصَلِّي بِكُمْ، وَمَا أُرِيدُ الصَّلَاةَ، وَلٰكِنْ أُرِيدُ أَنْ أُرِيَكُمْ كَيْفَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي، قَالَ أَيُّوبُ : فَقُلْتُ لِأَبِي قِلَابَةَ : وَكَيْفَ كَانَتْ صَلَاتُهُ؟ قَالَ : مِثْلَ صَلَاةِ شَيْخِنَا هٰذَا ـيَعْنِي عَمْرَو بْنَ سَلِمَةَـ قَالَ

أَيُّوبُ : وَكَانَ ذٰلِكَ الشَّيْخُ يُتِمُّ التَّكْبِيرَ، وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهٗ عَنِ السَّجْدَةِ الثَّانِيَةِ جَلَسَ وَاعْتَمَدَ عَلَى الْأَرْضِ، ثُمَّ قَامَ.

''ابو قلابہ (تابعی) نے بتایا: ہمارے پاس سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ تشریف لائے، ہماری مسجد میں ہمیں نماز پڑھائی اور فرمانے لگے: میں تمہارے سامنے نماز پڑھنے لگا ہوں، حالانکہ نماز پڑھنا میرا مقصد نہیں۔ دراصل میں چاہتا ہوں کہ تمہیں یہ بتاؤں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے نماز پڑھا کرتے تھے۔ میں نے ابوقلابہ رحمہ اللہ سے پوچھا کہ سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی نماز کیسی تھی؟ انہوں نے بتایا: ہمارے شیخ عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی طرح۔ عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ تکبیر کہتے، جب دوسرے سجدے سے سر اٹھاتے، تو بیٹھ جاتے اور زمین پر ٹِک جاتے، پھر کھڑے ہوتے۔'' (صحيح البخاري: 824)

❀ امام محمد بن ادریس، شافعی رحمہ اللہ (150-204ھ) فرماتے ہیں:

وَبِهٰذَا نَأْخُذُ، فَنَأْمُرُ مَنْ قَامَ مِنْ سُجُودٍ، أَوْ جُلُوسٍ فِي الصَّلَاةِ أَنْ يَّعْتَمِدَ عَلَى الْأَرْضِ بِيَدَيْهِ مَعًا، اتِّبَاعًا لِّلسُّنَّةِ، فَإِنَّ ذٰلِكَ أَشْبَهُ لِلتَّوَاضُعِ، وَأَعْوَنُ لِلْمُصَلِّي عَلَى الصَّلَاةِ، وَأَحْرٰى أَنْ لَّا يَنْقَلِبَ، وَلَا يَكَادُ يَنْقَلِبُ، وَأَيُّ قِيَامٍ قَامَهٗ سِوٰى هٰذَا كَرِهْتُهٗ لَهٗ.

''ہم اسی حدیث کے مطابق فتویٰ دیتے ہیں اور جو شخص نماز میں سجدے یا تشہد سے (اگلی رکعت کے لیے) اٹھے، اسے حکم دیتے ہیں کہ سنت پر عمل کرتے ہوئے وہ اپنے دونوں ہاتھوں کو زمین پر ٹیکے۔ یہ عمل عاجزی کے قریب تر ہے، نمازی کے لیے مفید بھی ہے اور گرنے سے بچنے کا ذریعہ بھی

ہے۔اس کے علاوہ اٹھنے کی کوئی بھی صورت میرے نزدیک مکروہ ہے۔''

(كتاب الأمّ :101/1)

۞ اس حدیث پر سید الفقہاء،امیر المومنین فی الحدیث، امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ (194-256ھ) نے یہ باب قائم فرمایا ہے:

بَابٌ ؛ كَيْفَ يَعْتَمِدُ عَلَى الْأَرْضِ إِذَا قَامَ مِنَ الرَّكْعَةِ .

''اس بات کا بیان کہ نمازی (پہلی اور تیسری) رکعت سے اٹھتے ہوئے زمین کا سہارا کیسے لے گا۔''

۞ شارحِ صحیح بخاری،حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ (773-852ھ)امام بخاری رحمہ اللہ کی مراد واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَالْغَرَضُ مِنْهُ هُنَا ذِكْرُ الِاعْتِمَادِ عَلَى الْأَرْضِ عِنْدَ الْقِيَامِ مِنَ السُّجُودِ أَوِ الْجُلُوسِ .

''امام بخاری رحمہ اللہ کی مراد یہ ہے کہ سجدے اور تشہد سے اٹھتے ہوئے ہاتھوں کو زمین پر ٹیکنا چاہیے۔''(فتح الباري شرح صحيح البخاري : 303/2)

دلیل نمبر ② : ازرق بن قیس تابعی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

رَأَيْتُ ابْنَ عُمَرَ يَنْهَضُ فِي الصَّلَاةِ، وَيَعْتَمِدُ عَلٰى يَدَيْهِ .

''میں نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو نماز میں اٹھتے اور اپنے دونوں ہاتھوں کا سہارا لیتے ہوئے دیکھا۔''(مصنّف ابن أبي شيبة :394/1، وسندهٗ صحيحٌ)

دلیل نمبر ③ : خالد بن مہران حذا بیان کرتے ہیں:

رَأَيْتُ أَبَا قِلَابَةَ وَالْحَسَنَ يَعْتَمِدَانِ عَلٰى أَيْدِيهِمَا فِي الصَّلَاةِ .

”میں نے ابو قلابہ اور حسن بصری رحمہ اللہ کو دیکھا کہ وہ نماز میں (اگلی رکعت کے لیے اٹھتے وقت) اپنے دونوں ہاتھوں کا سہارا لیتے تھے۔“

(مصنّف ابن أبي شيبة :395/1، وسندهٗ صحيحٌ إن صحّ سماع عبادة بن العوّام من خالد)

گھٹنوں کے بل اٹھنے کا طریقہ !

بعض لوگ کہتے ہیں کہ نماز میں دو سجدوں اور تشہد کے بعد اگلی رکعت کے لیے گھٹنوں کے بل اٹھنا چاہیے۔آیئے اختصار کے ساتھ ان کے دلائل کا علمی و تحقیقی جائزہ لیتے ہیں؛

روایت نمبر ① : سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منسوب ہے:

نَهٰى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَّعْتَمِدَ الرَّجُلُ عَلٰى يَدَيْهِ إِذَا نَهَضَ فِي الصَّلَاةِ .

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ کوئی نماز میں اٹھتے وقت اپنے ہاتھوں کا سہارا لے۔“(مسند الإمام أحمد : 147/2، سنن أبي داوٗد : 992)

تبصرہ :

یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ ”شاذ“ ہے۔امام عبدالرزاق رحمہ اللہ سے بیان کرنے میں محمد بن عبد الملک غزال کو غلطی لگی ہے۔اس نے کئی ثقہ و اوثق راویوں کی مخالفت میں یہ الفاظ بیان کیے ہیں۔

اسی لیے حافظ نووی رحمہ اللہ نے اس روایت کو ”ضعیف“ اور ”شاذ“ قرار دیا ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ (384-458ھ) اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

وَهٰذَا خَطَأٌ لِّمُخَالَفَتِهٖ سَائِرَ الرُّوَاةِ، وَكَيْفَ يَكُونُ صَحِيحًا؟

”یہ غلطی ہے، کیونکہ اس بیان میں محمد بن عبد الملک نے باقی تمام راویوں کی

مخالفت کی ہے۔ یہ صحیح کیسے ہو سکتی ہے؟'' (معرفة السنن والآثار : 43/3)

اس بات پر کئی قوی شواہد موجود ہیں کہ اس بیان میں محمد بن عبدالملک غزال کو وہم ہوا ہے، ملاحظہ فرمائیں؛

① امام عبد الرزاق رحمہ اللہ سے امام احمد بن حنبل، احمد بن محمد بن شبویہ، محمد بن رافع، محمد بن سہل عسکر، حسن بن مہدی اور احمد بن یوسف سلمی نے یہ روایت ان الفاظ میں بیان کی ہے:

نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا جَلَسَ الرَّجُلُ فِي الصَّلَاةِ أَنْ يَّعْتَمِدَ عَلٰى يَدِهِ الْيُسْرٰى .

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ کوئی نماز میں بیٹھے ہوئے بائیں ہاتھ پر ٹیک لگائے۔''

② سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک حدیث یوں بیان کی ہے:

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى رَجُلًا، وَهُوَ جَالِسٌ، مُعْتَمِدًا عَلٰى يَدِهِ الْيُسْرٰى فِي الصَّلَاةِ، وَقَالَ : «إِنَّهَا صَلَاةُ الْيَهُودِ» .

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو نماز میں بائیں ہاتھ پر ٹیک لگا کر بیٹھنے سے منع کیا اور فرمایا: یہ تو یہود کی نماز ہے۔'' (المستدرك على الصحيحين للحاكم : 272/1، السنن الكبرٰى للبيهقي : 136/2، وسندهٗ صحيحٌ)

امام حاکم رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ''امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ کی شرط پر صحیح'' قرار دیا ہے اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔

③ نافع تابعی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

رَاٰى عَبْدُ اللّٰهِ رَجُلًا يُّصَلِّي، سَاقِطًا عَلٰى رُكْبَتَيْهِ، مُتَّكِئًا عَلٰى يَدِهِ الْيُسْرٰى، فَقَالَ : لَا تُصَلِّ هٰكَذَا، إِنَّمَا يَجْلِسُ هٰكَذَا الَّذِينَ يُعَذَّبُونَ .

''سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ نماز میں اپنے گھٹنوں کے بل گرا ہوا تھا اور اس نے اپنے بائیں ہاتھ پر ٹیک لگائی ہوئی تھی۔انہوں نے اسے فرمایا: ایسے نماز نہ پڑھو۔اس طرح تو وہ لوگ بیٹھتے ہیں،جن کو سزا دی جارہی ہو۔''(السنن الکبرٰی للبیھقي : 136/2، وسندهٗ حسنٌ)

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ان بیانات سے بھی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ محمد بن عبد الملک نے مذکورہ روایت بیان کرتے ہوئے غلطی کی ہے،لہٰذا ثقہ و اوثق راویوں کی بیان کردہ صحیح حدیث ہی قابل عمل ہے،نہ کہ ایک راوی کا وہم۔

روایت نمبر ② : سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَجَدَ وَضَعَ رُكْبَتَيْهِ قَبْلَ يَدَيْهِ، وَإِذَا نَهَضَ رَفَعَ يَدَيْهِ قَبْلَ رُكْبَتَيْهِ .

''میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔آپ جب سجدہ کرتے،تو اپنے گھٹنوں کو ہاتھوں سے پہلے زمین پر رکھتے اور جب اٹھتے،تو ہاتھوں کو گھٹنوں سے پہلے اٹھاتے تھے۔''(سنن أبي داوٗد : 828، سنن النسائي : 1090، سنن الترمذي : 268، وصحّحهٗ، سنن ابن ماجه : 883، وصحّحه ابن خزيمة : 629، وابن حبّان : 1909)

تبصرہ :

اس کی سند ''ضعیف'' ہے، کیونکہ اس میں شریک بن عبداللہ قاضی ''مدلس'' راوی ہیں، انہوں نے اپنے شیخ سے سماع کی صراحت نہیں کی۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ''ضعیف'' قرار دیا ہے۔(السنن الکبریٰ : 100/2)

روایت نمبر ③ : سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے:

وَإِذَا نَهَضَ؛ نَهَضَ عَلٰى رُكْبَتَيْهِ، وَاعْتَمَدَ عَلٰى فَخِذَيْهِ.

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب اٹھتے، تو گھٹنوں کے بل اٹھتے اور اپنی رانوں کا سہارا لیتے تھے۔''(سنن أبي داوٗد : 736، 839)

تبصرہ :

اس روایت کی سند ''انقطاع'' کی وجہ سے ''ضعیف'' ہے۔اس کے راوی عبدالجبار بن وائل نے اپنے والد سے سماع نہیں کیا۔

حافظ نووی رحمہ اللہ (631-676ھ) اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:

حَدِيثٌ ضَعِيفٌ، لِأَنَّ عَبْدَ الْجَبَّارِ بْنَ وَائِلٍ؛ اتَّفَقَ الْحُفَّاظُ عَلٰى أَنَّهٗ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ أَبِيهِ شَيْئًا، وَلَمْ يُدْرِكْهُ.

''یہ حدیث ضعیف ہے، کیونکہ محدثین کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عبد الجبار بن وائل نے اپنے والد سے کوئی بھی حدیث نہیں سنی، نہ ہی اس کی اپنے والد سے (سن شعور میں) ملاقات ہے۔''(المجموع شرح المہذّب : 446/3)

اس کی ایک متابعت بھی موجود ہے۔(سنن أبي داوٗد : 839، مراسیل أبي داوٗد : 42)

لیکن یہ روایت بھی دو وجہ سے ''ضعیف'' ہے:

① کلیب بن شہاب تابعی ڈائریکٹ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کر رہے ہیں،

لہٰذا یہ ''مرسل'' ہے اور ''مرسل'' روایت ''ضعیف'' ہی کی ایک قسم ہے۔

② شقیق، ابولیث راوی ''مجہول'' ہے۔

اسے امام طحاوی حنفی (شرح معانی الآثار: 255/1)، حافظ ذہبی (میزان الاعتدال: 279/2) اور حافظ ابن حجر (تقریب التہذیب: 2819) رحمہم اللہ نے ''مجہول'' قرار دیا ہے۔

لہٰذا اس متابعت کا کوئی اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔

روایت نمبر ④ : سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے:

إِنَّ مِنَ السُّنَّةِ فِي الصَّلَاةِ الْمَكْتُوبَةِ؛ إِذَا نَهَضَ الرَّجُلُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ، أَنْ لَّا يَعْتَمِدَ بِيَدَيْهِ عَلَى الْأَرْضِ، إِلَّا أَنْ يَّكُونَ شَيْخًا كَبِيرًا لَّا يَسْتَطِيعُ .

''یہ سنت طریقہ ہے کہ فرض نماز میں جب آدمی پہلی دو رکعتوں کے بعد اٹھے، تو زمین پر ہاتھ نہ ٹیکے۔ سوائے اس صورت کے کہ وہ بوڑھا ہو اور اس طرح اٹھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو۔'' (مصنّف ابن أبي شيبة: 394/1، 395)

تبصره :

اس کی سند ''ضعیف'' ہے، کیونکہ اس کا راوی عبد الرحمٰن بن اسحاق کوفی جمہور محدثین کرام کے نزدیک ''ضعیف'' ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے ''ضعیف'' قرار دیا ہے۔

(تقريب التهذيب: 198، فتح الباري: 523/13)

حافظ نووی رحمہ اللہ (631-676ھ) لکھتے ہیں:

وَهُوَ ضَعِيفٌ بِالِاتِّفَاقِ .

''اس راوی کے ضعیف ہونے پر محدثین کرام کا اتفاق ہے۔''

(شرح صحیح مسلم :173/1)

یہ ''منکر الحدیث'' راوی ہے، لہٰذا یہ روایت ''ضعیف'' ہے۔

روایت نمبر ⑤ : ابراہیم بن یزید نخعی تابعی رحمہ اللہ کے بارے میں ہے:

إِنَّهُ كَانَ يَكْرَهُ ذٰلِكَ إِلَّا أَنْ يَّكُونَ شَيْخًا كَبِيرًا أَوْ مَرِيضًا .

''وہ بوڑھے یا مریض کے علاوہ ہاتھوں کو زمین پر ٹیک کر اٹھنے کو مکروہ سمجھتے تھے۔''(مصنّف ابن أبي شيبة :395/1)

تبصرہ :

اس قول کی سند ''ضعیف'' ہے، کیونکہ ہشیم بن بشیر واسطی ''مدلس'' ہیں اور انہوں نے سماع کی تصریح نہیں کی۔ ویسے بھی یہ قول نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیح وصریح فرمانِ گرامی اور صحابیٔ رسول، سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قیمتی عمل کے خلاف ہے، لہٰذا ناقابل التفات ہے۔

الحاصل :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں جلسہ استراحت یا تشہد کے بعد اگلی رکعت کے لیے اٹھتے وقت دونوں ہاتھوں کا سہارا لے کر اٹھتے تھے۔ صحابیٔ رسول سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں یہی طریقہ اختیار کرتے تھے۔ پھر سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ نے بھی اسے نبوی طریقہ قرار دیا ہے۔ تابعین کرام نے ان سے یہ سنت سیکھ کر آگے منتقل کی۔ سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کے شاگرد ابوقلابہ رحمہ اللہ بھی اسی سنت کے قائل و فاعل تھے۔ ائمہ حدیث نے سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے یہی سمجھا، سمجھایا ہے اور اسی کو اختیار کیا ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ دامادِ رسول، خلیفۂ چہارم اور شیر خدا ہیں۔ زبانِ نبوت سے انہیں بہت سے فضائل و مناقب نصیب ہوئے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو بات رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے باسندِ صحیح ہم تک پہنچ گئی ہے، ان کی حقیقی فضیلت و منقبت وہی ہے۔ من گھڑت، ''منکر'' اور ''ضعیف'' روایات پر مبنی پلندے کسی بھی طرح فضائل و مناقب کا درجہ نہیں پا سکتے۔ ایک ایسی ہی بات کا تذکرہ ہم یہاں پر کر رہے ہیں؛

«أَنَا مَدِينَةُ الْعِلْمِ، وَعَلِيٌّ بَابُهَا» .

''میں علم کا شہر ہوں اور علی (رضی اللہ عنہ) اس کا دروازہ ہیں۔''

عوام الناس میں مشہور ہے کہ یہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ گرامی ہے، مگر حقیقت میں ایسا نہیں، کیونکہ اصولِ محدثین کے مطابق یہ روایت پایۂ صحت کو نہیں پہنچتی۔ اس کی استنادی حیثیت جاننے کے لیے اس سلسلے میں مروی تمام روایات پر تفصیلی تحقیق ملاحظہ فرمائیں؛

روایت نمبر ① :

سیدنا علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَنَا دَارُ الْحِكْمَةِ، وَعَلِيٌّ بَابُهَا» .

''میں حکمت کا گھر ہوں اور علی (رضی اللہ عنہ) اس کا دروازہ ہیں۔''

(سنن الترمذي : 3723، تهذيب الآثار للطبري، مسند عليّ، ص : 104)

تبصرہ :

اس روایت کی سند ''ضعیف'' ہے، کیونکہ:

① اس میں محمد بن عمر بن عبداللہ رومی راوی جمہور محدثین کے نزدیک ''ضعیف'' ہے، جیسا کہ:

امام ابو حاتم رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: فِيهِ ضُعْفٌ .

''اس میں کمزوری پائی جاتی ہے۔''(الجرح والتعديل لابن أبي حاتم : 22/8)

امام ابو زرعہ رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: شَيْخٌ لَيِّنٌ .

''یہ کمزور راوی ہے۔''(الجرح والتعديل لابن أبي حاتم : 22/8)

امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

يُقَلِّبُ الْأَخْبَارَ، وَيَأْتِي مِنَ الثِّقَاتِ بِمَا لَيْسَ مِنْ أَحَادِيثِهِمْ، لَا يَجُوزُ الِاحْتِجَاجُ بِهٖ بِحَالٍ .

''یہ حدیثوں کو الٹ پلٹ کرتا ہے اور ثقہ راویوں سے منسوب کر کے وہ روایات بیان کرتا ہے جو انہوں نے کبھی بیان ہی نہیں کیں۔اس کی بیان کردہ روایت کو کسی بھی صورت دلیل بنانا جائز نہیں۔''(المجروحین : 94/2)

یاد رہے کہ امام ابن حبان رحمہ اللہ نے وہم کی بنا پر یہ جرح محمد بن عمر کے والد کے حالات میں ذکر کر دی ہے اور محمد بن عمر کو الثقات (71/9) میں ذکر کر دیا ہے۔

اس سلسلے میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

غَلَطَ ابْنُ حِبَّانَ فَلَيَّنَهٗ، وَإِنَّمَا اللَّيِّنُ ابْنُهٗ مُحَمَّدُ بْنُ عُمَرَ .

''امام ابن حبان رحمہ اللہ نے غلطی کی بنا پر عمر بن عبداللہ کو کمزور قرار دے دیا ہے، دراصل اس کا بیٹا محمد بن عمر کمزور راوی ہے۔''(ميزان الاعتدال : 698/4)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اس کی حدیث کو کمزور قرار دیا ہے۔(تقریب التھذیب : 6169)

② اس میں شریک بن عبداللہ راوی بھی موجود ہے، جس کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

صَدُوقٌ يُخْطِئُ كَثِيرًا، تَغَيَّرَ حِفْظُهُ مُنْذُ وَلِيَ الْقَضَاءَ بِالْكُوفَةِ .

''یہ سچے تھے، مگر بہت زیادہ غلطیاں کرتے تھے۔ جب سے یہ کوفہ کے قاضی بنے تھے، ان کے حافظے میں خرابی آ گئی تھی۔''(تقریب التھذیب : 2787)

کسی بھی دلیل سے یہ ثابت نہیں ہو سکا کہ محمد بن عمر رومی نے شریک بن عبد اللہ قاضی سے ان کا حافظہ خراب ہونے سے پہلے احادیث روایت کی ہوں۔

امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

كَانَ فِي آخِرِ أَمْرِهِ يُخْطِئُ فِيمَا يَرْوِي، تَغَيَّرَ عَلَيْهِ حِفْظُهُ، فَسَمَاعُ الْمُتَقَدِّمِينَ عَنْهُ؛ الَّذِينَ سَمِعُوا مِنْهُ بِوَاسِطَ، لَيْسَ فِيهِ تَخْلِيطٌ، مِثْلِ يَزِيدَ بْنِ هَارُونَ، وَإِسْحَاقَ الْأَزْرَقِ، وَسَمَاعُ الْمُتَأَخِّرِينَ عَنْهُ بِالْكُوفَةِ؛ فِيهِ أَوْهَامٌ كَثِيرَةٌ .

''عمر کے آخری حصے میں شریک بن عبداللہ کی بیان کردہ روایات میں غلطیاں پائی جاتی ہیں، کیونکہ اس کا حافظہ خراب ہو گیا تھا۔ ان کے اولین شاگردوں میں سے جنہوں نے واسط کے علاقہ میں سماع کیا، جیسا کہ یزید بن ہارون اور اسحاق ازرق ہیں، ان کی روایات میں حافظے کی خرابی کا کوئی دخل نہیں۔ لیکن جن متاخرین تلامذہ نے کوفہ میں ان سے سماع کیا، ان کی بیان کردہ روایات میں بے شمار اوہام پائے جاتے ہیں۔''(الثقات : 444/6)

شریک بن عبداللہ قاضی کی ولادت 95 ہجری اور وفات 177 ہجری میں ہوئی۔ وہ 150 ہجری میں واسط کے قاضی مقرر ہوئے۔ بعد میں ابوجعفر منصور کی وفات کے بعد کوفہ کے قاضی بنے۔ابوجعفر منصور کی وفات 158 ہجری میں ہوئی اور محمد بن عمر رومی 220 ہجری کے قریب فوت ہوئے۔یہ تقریباً 62 سال کا فاصلہ بنتا ہے۔اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ محمد بن عمر رومی، جو کہ خود ''ضعیف'' راوی ہے، نے شریک قاضی سے ان کے حافظہ کی خرابی کے بعد روایات سنی ہیں۔

③ اس میں شریک بن عبداللہ قاضی کی ''تدلیس'' بھی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اہل علم نے اس روایت کو صریح انداز میں جھوٹی، باطل اور ''منکر'' قرار دیا ہے، جیسا کہ:

❀ امام ابوحاتم رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ''منکر'' ہے۔

(الجرح والتعديل لابن أبي حاتم : 22/8)

❀ امام ترمذی رحمہ اللہ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ مُّنْكَرٌ . ''یہ حدیث غریب و منکر ہے۔''

(سنن الترمذي : 3723)

❀ امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا خَبَرٌ لَّا أَصْلَ لَهٗ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .

''یہ روایت نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں۔''(المجروحين : 94/2)

❀ حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: فَمَا أَدْرِي مَنْ وَّضَعَهٗ .

''میں نہیں جانتا کہ اسے کس نے گھڑا ہے۔''(ميزان الاعتدال : 668/3)

روایت نمبر ② : سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہی سے منسوب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَنَا دَارُ الْحِكْمَةِ، وَعَلِيٌّ بَابُهَا، (زَادَ الْآجُرِيُّ :) فَمَنْ أَرَادَ أَتَاهَا مِنْ بَابِهَا».

''میں حکمت کا گھر ہوں اور علی (رضی اللہ عنہ) اس کا دروازہ ہیں۔امام آجری رحمہ اللہ نے اس روایت میں یہ الفاظ زیادہ کیے ہیں: جو اس گھر میں آنا چاہے، وہ اس کے دروازے سے آئے۔''

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

إِنَّ بَيْنَ أَضْلَاعِي لَعِلْمًا كَثِيرًا.

''میری پسلیوں کے درمیان (میرے دل میں) بہت زیادہ علم ہے۔''

(جزء الألف دينار للقطيعي : 216، زوائد فضائل الصحابة للقطيعي :635,634/1، الشريعة للآجري : 233,232/3، معرفة الصحابة لأبي نعيم الأصبهاني : 308/1، الموضوعات لابن الجوزي :349/1)

تحقیق :

اس روایت کی سند کا حال وہی ہے، جو مذکورہ سند کا تھا۔

روایت نمبر ③ : سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَنَا مَدِينَةُ الْعِلْمِ، وَعَلِيٌّ بَابُهَا، فَمَنْ أَرَادَ الْعِلْمَ؛ فَلْيَأْتِ بَابَ الْمَدِينَةِ».

''میں علم کا شہر ہوں، علی (رضی اللہ عنہ) اس کا دروازہ ہیں، لہٰذا جو علم حاصل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، وہ شہر کے دروازے سے آئے۔''

(مناقب عليّ لابن المغازلي : 129، تاريخ دمشق لابن عساكر : 378/42)

تبصرہ :

یہ سند کئی وجوہ سے مخدوش ہے، کیونکہ اس میں ؛

① شریک بن عبداللہ قاضی کی ''تدلیس'' ہے۔

② سلمہ بن کُہَیل نے صنابحی سے نہیں سنا۔

③ سُوَید بن سعید حدثانی کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

مَوْصُوفٌ بِالتَّدْلِيسِ؛ وَصَفَهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَالْإِسْمَاعِيلِيُّ وَغَيْرُهُمَا، وَقَدْ تَغَيَّرَ فِي آخِرِ عُمُرِهِ بِسَبَبِ الْعَمْيِ، فَضَعُفَ بِسَبَبِ ذٰلِكَ .

''یہ تدلیس کے ساتھ موصوف ہے، امام دارقطنی اور امام اسماعیلی وغیرہما نے اسے مدلس کہا ہے، نابینا ہونے کے سبب عمر کے آخری حصہ میں حافظہ میں بھی تغیر آ گیا تھا، اسی وجہ سے ضعیف قرار پایا۔''(طبقات المدلّسين : 120)

روایت نمبر ④ : سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَنَا مَدِينَةُ الْفِقْهِ، وَعَلِيٌّ بَابُهَا» .

''میں فقہ کا شہر ہوں، علی اس کا دروازہ ہے۔''

(الشريعة في السنّة للآجري : 232/3، حلية الأولياء وطبقات الأصفياء لأبي نعيم الأصبهاني : 64/1، الموضوعات لابن الجوزي : 349/1)

تبصرہ :

یہ جھوٹی سند ہے، اس میں کئی علتیں پائی جاتی ہیں :

① عبدالحمید بن بحر بصری راوی پر احادیث کے سرقہ کا الزام ہے۔

۞ اس کے بارے میں امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَلِعَبْدِ الْحَمِيدِ هٰذَا غَيْرُ حَدِيثٍ مُّنْكَرٍ، رَوَاهُ وَسَرَقَهٗ مِنْ قَوْمٍ ثِقَاتٍ .

''اس عبدالحمید کی بیان کردہ کئی ایک حدیثیں منکر ہیں، جنہیں اس نے ثقہ راویوں سے سرقہ کر کے روایت کیا ہے۔''(الكامل في ضعفاء الرجال : 325/5)

۞ امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

يَرْوِي عَنْ مَّالِكٍ وَّشَرِيكٍ وَّالْكُوفِيِّينَ مَا لَيْسَ مِنْ أَحَادِيثِهِمْ، وَكَانَ يَسْرِقُ الْحَدِيثَ، لَا يَحِلُّ الِاحْتِجَاجُ بِهٖ بِحَالٍ .

''یہ مالک، شریک اور کوفیوں سے وہ حدیثیں بیان کرتا ہے، جو انہوں نے بیان ہی نہیں کیں۔ یہ حدیث کا سرقہ کرتا تھا، کسی صورت میں بھی اس کی روایت سے دلیل لینا جائز نہیں۔''(المجروحين : 142/2)

۞ امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

يَرْوِي عَنْ مَّالِكِ بْنِ مِغْوَلٍ وَّشَرِيكٍ أَحَادِيثَ مَقْلُوبَةً .

''یہ مالک بن مغول اور شریک سے مقلوب حدیثیں بیان کرتا تھا۔''

(لسان الميزان لابن حجر : 395/3)

۞ امام ابونعیم اصبہانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

يَرْوِي عَنْ مَّالِكٍ وَّشَرِيكٍ أَحَادِيثَ مُنْكَرَةً .

''یہ مالک اور شریک سے منکر احادیث بیان کرتا ہے۔''(الضعفاء : 135)

② شریک بن عبداللہ قاضی کی ''تدلیس'' بھی ہے۔

❀ اس روایت کے بارے میں ذہبیٔ دوراں، علامہ معلّمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَإِنَّ الْمَرْوِيَّ عَنْ شَرِيكٍ لَّا يَثْبُتُ عَنْهُ، وَلَوْ ثَبَتَ لَمْ يَتَحَصَّلْ مِنْهُ عَلٰى شَيْءٍ لِّتَدْلِيسِ شَرِيكٍ وَّخَطَئِهٖ، وَالِاضْطِرَابِ الَّذِي لَا يُوَثَّقُ مِنْهُ عَلٰى شَيْءٍ.

''بلاشبہ شریک سے یہ روایت ثابت نہیں، بالفرض اگر ثابت ہو بھی جائے، تو بھی اس سے کچھ حاصل نہیں ہوتا، کیونکہ اس میں شریک کی تدلیس، خطا اور اضطراب بھی ہے، جس کی وجہ سے اس پر کسی چیز میں بھی اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔''

(حاشية الفوائد المجموعة للشوكاني، ص: 352)

روایت نمبر ⑤ : سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَنَا مَدِينَةُ الْجَنَّةِ، وَأَنْتَ بَابُهَا يَا عَلِيُّ، كَذِبَ مَنْ زَعَمَ أَنَّهٗ يَدْخُلُهَا مِنْ غَيْرِ بَابِهَا».

''میں جنت کا شہر ہوں اور اے علی (رضی اللہ عنہ) آپ اس کا دروازہ ہیں، جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ اس شہر میں دروازے کے علاوہ کہیں اور سے داخل ہو جائے گا، وہ جھوٹ بولتا ہے۔''

(تاريخ دمشق لابن عساكر: 378/42، اللآلي المصنوعة للسيوطي: 335/1)

تبصرہ:

اس کی سند جھوٹی ہے، کیونکہ:

① سعد بن طریف اسکافی راوی کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مَتْرُوكٌ وَّرَمَاهُ ابْنُ حِبَّانَ بِالْوَضْعِ، وَكَانَ رَافِضِيًّا.

''یہ متروک راوی ہے، امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اسے وضاع قرار دیا ہے۔ یہ رافضی تھا۔''(تقریب التھذیب :2241)

② اصبغ بن نباتہ تمیمی کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

مَتْرُوكٌ، رُمِيَ بِالرَّفْضِ .

''یہ متروک راوی ہے، اسے محدثین کرام نے رافضی قرار دیا ہے۔''

(تقریب التھذیب : 537)

روایت نمبر ⑥ : سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«شَجَرَةٌ أَنَا أَصْلُهَا، وَعَلِيٌّ فَرْعُهَا، وَالْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ مِنْ ثَمَرِهَا، وَالشِّيعَةُ وَرَقُهَا، فَهَلْ يَخْرُجُ مِنَ الطَّيِّبِ إِلَّا الطَّيِّبُ؟ وَأَنَا مَدِينَةُ الْعِلْمِ، وَعَلِيٌّ بَابُهَا، فَمَنْ أَرَادَهَا؛ فَلْيَأْتِ الْبَابَ» .

''میں درخت کا تنا ہوں، علی (رضی اللہ عنہ) اس کی شاخ ہیں، حسن اور حسین (رضی اللہ عنہما) اس کے پھل ہیں اور شیعہ اس کے پتے ہیں۔ پاکیزہ چیز سے صرف پاکیزہ چیز ہی پیدا ہوتی ہے۔ میں علم کا شہر ہوں، علی (رضی اللہ عنہ) اس کا دروازہ ہیں، لہٰذا جو شہر میں داخل ہونے کا ارادہ رکھتا ہے، وہ اس کے دروازے سے آئے۔''

(تلخيص المتشابة للخطيب :308/1، تاريخ دمشق لابن عساكر :383/42، 384)

تبصرہ :

اس کی سند بھی جھوٹی اور من گھڑت ہے، کیونکہ :

۞ امام خطیب بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

يَحْيَى بْنُ بَشَّارٍ الْكِنْدِيُّ الْكُوفِيُّ حَدَّثَ عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ

إِبْرَاهِيمَ الْهَمْدَانِيّ، وَجَمِيعًا مَّجْهُولَانِ.

''یحییٰ بن بشار کندی، کوفی نے اسماعیل بن ابراہیم ہمدانی سے یہ روایت بیان کی ہے اور یہ دونوں ہی مجہول ہیں۔'' (تلخيص المتشابه :308/1)

۞ حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

يَحْيَى بْنُ بَشَّارٍ الْكِنْدِيُّ لَا يُعْرَفُ عَنْ مِّثْلِهٖ، وَأَتٰى بِخَبَرٍ بَاطِلٍ.

''یحییٰ بن بشار کندی غیر معروف راوی ہے۔اس نے جھوٹی روایت بیان کی ہے۔''

(میز ان الاعتدال : 366/4)

روایت نمبر ⑦ : سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَنَا مَدِينَةُ الْحِكْمَةِ، وَأَنْتَ ـيَا عَلِيُّ ـ بَابُهَا».

''میں حکمت کا شہر ہوں، اے علی (رضی اللہ عنہ)! آپ اس کا دروازہ ہیں۔''

(الأمالي لأبي جعفر الطوسي الرافضي :490/1)

تبصرہ :

یہ انتہائی جھوٹی روایت ہے، کیونکہ:

① جابر بن یزید جعفی راوی کذاب اور ''متروک'' ہے۔

② احمد بن حماد ہمدانی کے بارے میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَا أَعْرِفُ ذَا. ''میں نہیں جانتا کہ یہ کون ہے؟''

(ميزان الاعتدال في نقد الرجال :94/1)

③ عمرو بن شمر راوی ''ضعیف'' اور ''متروک'' ہے۔

اس سند میں اور بھی خرابیاں موجود ہیں۔

روایت نمبر ⑧ : سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَنَا مَدِينَةُ الْعِلْمِ، وَعَلِيٌّ بَابُهَا، فَمَنْ أَرَادَ الْعِلْمَ؛ فَلْيَأْتِ الْبَابَ».

''میں علم کا شہر ہوں اور علی (رضی اللہ عنہ) اس کا دروازہ ہیں، لہٰذا جو علم حاصل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، وہ شہر کے دروازے سے آئے۔''

(الموضوعات لابن الجوزي :1/350)

تبصرہ :

یہ بھی باطل روایت ہے، کیونکہ حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ نے امام ابن مردویہ سے حسین بن علی رضی اللہ عنہما تک سند ذکر نہیں کی، بلکہ اسے ذکر کرنے کے بعد خود فرماتے ہیں:

''اس کی سند میں کئی مجہول راوی ہیں۔''(الموضوعات لابن الجوزي :1/353)

روایت نمبر ⑨ : سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«يَا عَلِيُّ، أَنَا مَدِينَةُ الْعِلْمِ، وَأَنْتَ الْبَابُ، كَذِبَ مَنْ زَعَمَ أَنَّهُ يَصِلُ إِلَى الْمَدِينَةِ، إِلَّا مِنَ الْبَابِ».

''اے علی! میں علم کا شہر ہوں اور آپ اس کا دروازہ ہیں۔ جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ شہر میں اس دروازے کے علاوہ کہیں اور سے داخل ہوجائے گا، وہ جھوٹ بکتا ہے۔''(مناقب علي بن أبي طالب لابن المغازلي : 126)

تبصرہ :

اس روایت کی سند بھی جھوٹی ہے:

① محمد بن عبداللہ بن عمر بن مسلم لاحقی راوی کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔

② محمد بن عبداللہ بن محمد ابومفضل کوفی راوی پرلے درجے کا جھوٹا، دجال اور جھوٹی احادیث گھڑنے والا ہے۔

(دیکھیں: تاریخ بغداد للخطیب: 466/5، لسان المیزان لابن حجر: 231/5، 232)

روایت نمبر ⑩ : سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَنَا مَدِينَةُ الْعِلْمِ، وَعَلِيٌّ بَابُهَا، فَمَنْ أَرَادَ الْعِلْمَ؛ فَلْيَأْتِ الْبَابَ .

''میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں، لہٰذا جو علم حاصل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، وہ شہر کے دروازے سے آئے۔''

(اللآلي المصنوعة في الأحاديث الموضوعة للسيوطي :334/1)

تبصرہ :

اس کی سند بھی جھوٹی ہے، کیونکہ:

① داؤد بن سلیمان جرجانی غازی کے بارے میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

كَذَّبَهٗ يَحْيَى بْنُ مَعِينٍ، وَلَمْ يَعْرِفْهُ أَبُو حَاتِمٍ، وَبِكُلِّ حَالٍ؛ فَهُوَ شَيْخٌ كَذَّابٌ، لَهٗ نُسْخَةٌ مَّوْضُوعَةٌ عَنْ عَلِيِّ بْنِ مُوسَى الرِّضٰى، رَوَاهَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدُ بْنُ مِهْرَوَيْهِ الْقَزْوِينِيُّ الصَّدُوقُ عَنْهُ .

''امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے اسے کذاب کہا ہے۔امام ابو حاتم رازی رحمہ اللہ نے اسے مجہول قرار دیا ہے۔ بہرصورت یہ کذاب راوی ہے۔اس کے پاس علی بن موسیٰ رضا کی سند سے من گھڑت روایتوں پر مشتمل ایک نسخہ تھا، جو علی بن محمد بن مہرویہ قزوینی صدوق راوی نے اس سے نقل کیا ہے۔''

(میزان الاعتدال: 8/2، لسان المیزان لابن حجر: 417/2)

② علی بن حسین بن بندار بن مثنیٰ استرا باذی کے بارے میں؛

۞ حمزہ بن یوسف سہمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: تَكَلَّمَ فِيهِ النَّاسُ .

''اس پر محدثین کرام نے جرح کی ہے۔'' (تاريخ جرجان: 571)

۞ ابن نجار رحمہ اللہ نے اسے ''ضعیف'' قرار دیا ہے۔

(لسان الميزان لابن حجر: 217/4)

۞ ابن طاہر رحمہ اللہ نے اسے ''متہم'' قرار دیا ہے۔

(ميزان الاعتدال للذهبي: 121/3)

روایت نمبر ⑪ : سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَنَا مَدِينَةُ الْعِلْمِ، وَعَلِيٌّ بَابُهَا، فَمَنْ أَرَادَ الْعِلْمَ؛ فَلْيَأْتِ الْبَابَ» .

''میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں، لہٰذا جو بھی علم حاصل کرنا چاہتا ہے، وہ شہر کے دروازے سے آئے۔'' (الموضوعات لابن الجوزي: 350/1)

تبصرہ :

یہ بھی باطل روایت ہے، کیونکہ:

① حسن بن محمد بن جریر راوی کے بارے میں کچھ پتہ نہیں چل سکا۔

② عبیداللہ بن ابو رافع کا تعارف بھی درکار ہے۔

روایت نمبر ⑫ : سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَنَا مَدِينَةُ الْعِلْمِ، وَعَلِيٌّ بَابُهَا، وَلَا تُؤْتَى الْبُيُوتُ إِلَّا مِنْ أَبْوَابِهَا» .

''میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔ گھروں میں دروازے ہی سے آیا جاتا ہے۔'' (مناقب عليّ لابن المغازلي: 122)

تبصرہ :

یہ روایت بھی ثابت نہیں، کیونکہ:

① علی بن عمر بن علی بن حسین کو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ''مستور'' کہا ہے۔

(تقریب التہذیب: 4775)

② حفص بن عمر صنعانی کو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ''ضعیف'' قرار دیا ہے۔

(تقریب التہذیب: 1420)

③ محمد بن مصفّٰی بن بہلول قرشی ''تدلیس التسویۃ'' کا مرتکب ہے۔

(المجروحین لابن حبّان: 94/1)

روایت نمبر ⑬ : ایک روایت امام دارقطنی رحمہ اللہ کی کتاب [العلل: 247/3] میں بھی ہے۔اس کے راوی یحیٰی بن سلمہ بن کہیل کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مَتْرُوكٌ، وَكَانَ شِيعِيًّا.

''یہ متروک اور شیعہ راوی ہے۔''(تقریب التہذیب: 7561)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے بھی اسے ''متروک'' کہا ہے۔

(تلخیص المستدرک: 126/3، 246/2)

روایت نمبر ⑭ : سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے منسوب ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے موقع پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا بازو پکڑ کر فرمایا:

«هٰذَا أَمِيرُ الْبَرَرَةِ، وَقَاتِلُ الْفَجَرَةِ، مُنْصُورٌ مَّنْ نَّصَرَهٗ، مَخْذُولٌ مَّنْ خَذَلَهٗ»، مَدَّ بِهَا صَوْتَهٗ، ثُمَّ قَالَ : «أَنَا مَدِينَةُ الْعِلْمِ، وَعَلِيٌّ

بَابُهَا، فَمَنْ أَرَادَ الْحِكَمَ؛ فَلْيَأْتِ الْبَابَ» .

''یہ نیکوں کے قائد اور برے لوگوں کے قاتل ہیں۔ جو ان کی مدد کرے گا، منصور ہو گا اور جو ان کو رسوا کرنے کی کوشش کرے گا، خود ذلیل ہو گا۔ ان الفاظ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلند آواز کے ساتھ ارشاد فرمایا۔ پھر فرمایا: میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں، لہٰذا جو حکمتوں کو حاصل کرنے کا ارادہ رکھتا ہو، وہ شہر کے دروازے سے آئے۔''

(المجروحين لابن حبّان : 152/1، 153، الكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي : 192/1، المستدرك على الصحيحين للحاكم : 127/3، 129، تاريخ بغداد للخطيب : 219/4، 377/2)

تبصرہ :

یہ بھی جھوٹی روایت ہے، کیونکہ اس میں ؛

① احمد بن عبداللہ بن یزید ہشیمی راوی کذاب اور جھوٹی روایات گھڑنے والا ہے۔ اس کے بارے میں ؛

✿ امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : يَضَعُ الْحَدِيثَ .

''یہ خود گھڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتا ہے۔''

(الكامل في ضعفاء الرجال :192/1)

✿ امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

يَرْوِي عَنْ عَبْدِ الرَّزَّاقِ وَالثِّقَاتِ الْأَوَابِدَ وَالطَّامَّاتِ .

''یہ امام عبد الرزاق رحمہ اللہ اور دیگر ثقہ لوگوں سے منکر اور جھوٹی روایتیں بیان کرتا

ہے۔''(المجروحين :152/1)

❀ امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

يَرْوِي عَنْ عَبْدِ الرَّزَّاقِ وَغَيْرِهٖ بِالْمَنَاكِيرِ، يُتْرَكُ حَدِيثُهٗ.

''یہ امام عبدالرزاق رحمہ اللہ اور دوسرے راویوں سے منکر روایتیں بیان کرتا ہے، اس کی حدیث کو متروک قرار دیا گیا ہے۔''

(تاريخ بغداد للخطيب : 220/4، وسندهٗ حسنٌ)

❀ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اسے کذاب کہا ہے۔(المغني في الضعفاء :43/1)

❀ امام ابن عدی رحمہ اللہ ان الفاظ کو من گھڑت اور جھوٹے قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

هٰذَا حَدِيثٌ مُّنْكَرٌ مَّوْضُوعٌ. ''یہ حدیث منکر و من گھڑت ہے۔''

(الكامل في ضعفاء الرجال :192/1)

❀ امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَهٰذَا شَيْءٌ مَّقْلُوبٌ إِسْنَادُهٗ وَمَتْنُهٗ مَعًا.

''اس روایت کی سند اور متن دونوں مقلوب ہیں۔''(المجروحين :153/1)

② امام سفیان ثوری کی ''تدلیس'' بھی موجود ہے۔

جب امام حاکم رحمہ اللہ (المستدرک :127/3) نے اس کی سند کو ''صحیح'' کہا تو ان کے ردّ وتعاقب میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے فرمایا:

اَلْعَجَبُ مِنَ الْحَاكِمِ وَجُرْأَتِهٖ فِي تَصْحِيحِهٖ هٰذَا وَأَمْثَالِهٖ مِنَ الْبَوَاطِيلِ، أَحْمَدُ هٰذَا دَجَّالٌ كَذَّابٌ.

''امام حاکم رحمہ اللہ پر تعجب ہے کہ انہوں نے اس روایت اور اس طرح کی دوسری باطل روایات کو صحیح کہنے کی جرأت کیسے کی؟ حالانکہ اس کی سند میں احمد بن عبداللہ دجال وکذاب ہے۔''(تلخیص المستدرک : 127/3)

ایک اور مقام پر حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

بَلْ ـ وَاللّٰهِ ـ مَوْضُوعٌ، وَأَحْمَدُ كَذَّابٌ، فَمَا أَجْهَلَكَ عَلٰى سِعَةِ مَعْرِفَتِكَ .

''اللہ کی قسم! یہ تو من گھڑت روایت ہے، اس میں احمد راوی کذاب ہے۔ اپنی وسعتِ علم کے باوجود آپ اس بارے میں کتنے ناواقف رہے۔''

(تلخیص المستدرک : 129/3)

یاد رہے کہ احمد بن عبداللہ بن یزید راوی کی متابعت احمد بن طاہر بن حرمہ تجیبی مصری نے کر رکھی ہے، لیکن اس کا کوئی فائدہ نہیں، کیونکہ تجیبی بھی کذاب راوی ہے۔

اسی لیے اس روایت کے بارے میں حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

لا يصح من جميع الوجوه . ''تمام سندوں کے ساتھ یہ روایت ضعیف ہے۔''(الموضوعات :353/1)

روایت نمبر ⑮ : سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے منسوب کیا گیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَبُو بَكْرٍ وَّعُمَرُ سَيِّدَا أَهْلِ الْجَنَّةِ ـــ أَنَا مَدِينَةُ الْحِكَمِ، أَوِ الْحِكْمَةِ، وَعَلِيٌّ بَابُهَا، فَمَنْ أَرَادَ بِالْمَدِينَةِ؛ فَلْيَأْتِ بَابَهَا» .

''ابو بکر وعمر (رضی اللہ عنہما) اہل جنت کے سردار ہیں۔ میں حکمت کا شہر ہوں اور علی اس

کا دروازہ ہیں۔ جو حکمت حاصل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، وہ شہر کے دروازے سے آئے۔''

(المؤتلف والمختلف للدارقطني : 625,624/2، تلخيص المتشابه للخطيب : 161/1، 162، تاريخ دمشق لابن عساكر : 382/42، اللآلي المصنوعة للسيوطي : 335/1)

تبصرہ :

یہ بھی جھوٹی روایت ہے، کیونکہ:

① اس کے راوی حبیب بن نعمان کے بارے میں خطیب بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لَيْسَ بِالْمَعْرُوفِ. ''یہ غیر معروف راوی ہے۔''

(تلخيص المتشابه :161/1)

② دوسرے راوی حسین بن عبداللہ تمیمی کے بارے میں امام خطیب بغدادی فرماتے ہیں: فِي عِدَادِ الْمَجْهُولِينَ.

''اس کا شمار مجہول راویوں میں ہوتا ہے۔''(تلخيص المتشابه :161/1)

روایت نمبر ⑯ : سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ سَيِّدُ الْعَرَبِ، فَقِيلَ أَلَسْتَ أَنْتَ سَيِّدُ الْعَرَبِ؟ فَقَالَ : أَنَا سَيِّدُ وُلْدِ آدَمَ، وَعَلِيٌّ سَيِّدُ الْعَرَبِ، مَنْ أَحَبَّهُ وَتَوَلَّاهُ؛ أَحَبَّهُ اللّٰهُ وَهَدَاهُ، وَمَنْ أَبْغَضَهُ وَعَادَاهُ؛ أَصَمَّهُ اللّٰهُ وَأَعْمَاهُ، عَلِيٌّ؛ حَقُّهُ كَحَقِّي، وَطَاعَتُهُ

كَطَاعَتِي، غَيْرَ أَنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي، مَنْ فَارَقَهُ فَارَقَنِي، وَمَنْ فَارَقَنِي؛ فَارَقَهُ اللّٰهُ، أَنَا مَدِينَةُ الْحِكْمَةِ، وَهِيَ الْجَنَّةُ، وَعَلِيٌّ بَابُهَا، فَكَيْفَ يَهْتَدِي الْمُهْتَدِي إِلَى الْجَنَّةِ إِلَّا مِنْ بَابِهَا، عَلِيٌّ عَلَيْهِ السَّلَامُ خَيْرُ الْبَشَرِ، مَنْ أَبٰى فَقَدْ كَفَرَ» .

''علی بن ابو طالب عرب کے سردار ہیں۔آپ ﷺ سے عرض کیا گیا: کیا آپ ﷺ سید العرب نہیں ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میں اولادِ آدم کا سردار ہوں اور علی عرب کے سردار ہیں۔جس نے ان کو دوست بنایا،اللہ رب العزت اس سے محبت کرے گا اوراس کو ہدایت دے گا۔جو ان سے بغض رکھے گا،اللہ اس سے دشمنی رکھے گااور اسے اندھا اور بہرا کر دے گا۔ان کا حق میرے حق کی طرح ہے اوران کی اطاعت دراصل میری اطاعت ہے،مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں۔جو ان سے جدا ہوا دراصل وہ مجھ سے جدا ہوا اور جس نے مجھ سے دُوری اختیار کی،اللہ اسے اپنی رحمت سے دُور کر دے گا۔میں حکمت،یعنی جنت کا شہر ہوں اورعلی اس کا دروازہ ہیں۔بھلا کوئی اس دروازے سے گزرے بغیر جنت میں کیسے پہنچے گا؟علی تمام انسانوں سے بہتر ہیں،جوشخص اس بات کا انکارکرتا ہے،یقیناً وہ کافر ہو جاتا ہے۔''

(المنقبة لابن شاذان : 94)

تبصرہ :

یہ جھوٹی روایت ہے، کیونکہ :

① عیسیٰ بن مہران ابوموسیٰ مستعطف راوی کذاب ہے۔

❀ اس کے بارے میں امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

حَدَّثَ بِأَحَادِيثَ مَوْضُوعَةٍ مَّنَاكِيرَ، مُحْتَرِقٌ فِي الرَّفْضِ.

''یہ من گھڑت اور منکر روایتیں بیان کرتا ہے اور کٹر رافضی ہے۔''

(الكامل في ضعفاء الرجال: 260/5)

❀ امام خطیب بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

كَانَ عِيسَى بْنُ مِهْرَانَ الْمُسْتَعْطِفُ مِنْ شَيَاطِينِ الرَّافِضَةِ وَمَرَدَتِهِمْ، وَوَقَعَ إِلَيَّ كِتَابٌ مِّنْ تَصْنِيفِهٖ فِي الطَّعْنِ عَلَى الصَّحَابَةِ وَتَضْلِيلِهِمْ وَإِكْفَارِهِمْ وَتَفْسِيقِهِمْ، فَوَاللّٰهِ لَقَدْ قَفَّ شَعْرِي عِنْدَ نَظَرِي فِيهِ، وَعَظُمَ تَعَجُّبِي مِمَّا أَوْدَعَ ذٰلِكَ الْكِتَابَ مِنَ الْأَحَادِيثِ الْمَوْضُوعَةِ، وَالْأَقَاصِيصِ الْمُخْتَلَقَةِ، وَالْأَنْبَاءِ الْمُفْتَعَلَةِ، بِالْأَسَانِيدِ الْمُظْلِمَةِ، عَنْ سُقَّاطِ الْكُوفِيِّينَ، مِنَ الْمَعْرُوفِينَ بِالْكَذِبِ، وَمِنَ الْمَجْهُولِينَ، وَدَلَّنِي ذٰلِكَ عَلٰى عَمْيِ بَصِيرَةِ وَاضِعِهٖ، وَخُبْثِ سَرِيرَةِ جَامِعِهٖ، وَخَيْبَةِ سَعْيِ طَالِبِهٖ، وَاحْتِقَابِ وِزْرِ كَاتِبِهٖ، ﴿**فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ**﴾، ﴿**وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ**﴾.

''عیسیٰ بن مہران مستعطف ایک شیطان اور سرکش رافضی ہے، اس نے ایک کتاب تصنیف کی ہے، جس میں صحابہ کرام پر طعن کیا ہے، ان کو (معاذ اللہ)

گمراہ ،کافر اور فاسق قرار دیا ہے۔ اللہ کی قسم! جب میں نے اس کتاب کو دیکھا تو میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ مجھے اس کتاب میں موضوع روایات، من گھڑت قصے اور خود ساختہ حکایات دیکھ کر بڑا تعجب ہوا۔ ان روایات کی سندیں اندھیری ہیں اور مشہور و معروف جھوٹے کوفیوں اور مجہول راویوں سے بیان کی گئی ہیں۔ یہ چیزیں عیسیٰ بن مہران کی اندھی بصیرت، خبثِ باطن، نامراد کاوش اور آخرت کی بربادی پر دلالت کرتی ہیں۔ اس پر یہ فرامین باری تعالیٰ صادق آتے ہیں: ﴿فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ﴾(البقرة 2 : 79)(ہلاکت ہے اس کے لئے جو ان کے ہاتھوں نے لکھا، ہلاکت ہے اس کے لئے جو انہوں نے کمایا)، ﴿وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ﴾(الشعراء 26 : 227) (جنہوں نے ظلم کیا، عنقریب وہ جان لیں گے کہ کس کروٹ الٹتے ہیں)۔

(تاریخ بغداد :168/11)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رَافِضِيٌّ، كَذَّابٌ جَبَلٌ .

''یہ رافضی اور بڑا کذاب تھا۔''(میزان الاعتدال : 324/3)

② اس کا راوی محمد بن عبداللہ بن عبیداللہ بن محمد بن عبداللہ بن محمد بن عبیداللہ، ابوفضل کوفی بھی پرلے درجے کا جھوٹا، دجال اور جھوٹی حدیثیں گھڑنے والا راوی ہے۔

(دیکھیں: تاریخ بغداد للخطیب : 467,466/5، لسان المیزان لابن حجر : 321/5)

③ اس کے راوی خالد بن طہمان ابوعلا خفاف کے بارے میں امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَخُلِّطَ خَالِدٌ الْخَفَّافُ قَبْلَ مَوْتِهِ بِعَشْرِ سِنِينَ، وَكَانَ قَبْلَ ذٰلِكَ ثِقَةً، وَكَانَ فِي تَخْلِيطِهِ كُلُّ مَا جَاءُوهُ بِهِ وَرَآهُ؛ قَرَأَهُ.

''خالد خفاف اپنی موت سے دس سال پہلے حافظے کے اختلاط کا شکار ہو گیا تھا۔ اس سے پہلے وہ ثقہ تھا، لیکن اختلاط کے بعد وہ تلقین قبول کرنے لگا تھا۔''

(الكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي: 19/3، وسندهٌ حسنٌ)

④ صاحب کتاب ابن شاذان بھی سخت جھوٹا شخص تھا، اس کے بارے میں آئندہ سطور میں تفصیلی بات ہونے والی ہے۔

روایت نمبر ⑰ : سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«يَا عَلِيُّ، أَنَا مَدِينَةُ الْحِكْمَةِ، وَأَنْتَ بَابُهَا، وَمَا تُؤْتَى الْمَدِينَةُ إِلَّا مِنْ قِبَلِ الْبَابِ، وَكَذِبَ مَنْ زَعَمَ أَنَّهُ يُحِبُّنِي وَيُبْغِضُكَ؛ لِأَنَّكَ مِنِّي وَأَنَا مِنْكَ، لَحْمُكَ مِنْ لَّحْمِي، وَدَمُكَ مِنْ دَمِي، وَرُوحُكَ مِنْ رُّوحِي، وَسَرِيرَتُكَ مِنْ سَرِيرَتِي، وَعَلَانِيَتُكَ مِنْ عَلَانِيَتِي، وَأَنْتَ إِمَامُ أُمَّتِي، وَخَلِيفَتِي عَلَيْهَا بَعْدِي، سَعِدَ مَنْ أَطَاعَكَ، وَشَقِيَ مَنْ عَصَاكَ، وَرَبِحَ مَنْ تَوَلَّاكَ، وَخَسِرَ مَنْ عَادَاكَ، وَفَازَ مَنْ لَّزِمَكَ، وَخَسِرَ مَنْ فَارَقَكَ، فَمَثَلُكَ وَمَثَلُ الْأَئِمَّةِ مِنْ وُّلْدِكَ بَعْدِي؛ مَثَلُ سَفِينَةِ نُوحٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ، مَنْ رَّكِبَهَا نَجَا، وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا غَرِقَ، وَمَثَلُكُمْ مَّثَلُ النُّجُومِ؛

كُلَّمَا غَابَ نَجْمٌ طَلَعَ نَجْمٌ، إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ» .

''اے علی! میں حکمت کا شہر ہوں اور آپ اس کا دروازہ ہیں، جو اس شہر میں آنا چاہے گا، وہ دروازے سے ہی آئے گا۔ وہ شخص میری محبت کا جھوٹا دعویدار ہے جو تجھ سے بغض رکھے، کیونکہ تو مجھ سے ہے اور میں تم سے ہوں، تیرا گوشت میرے گوشت سے ہے، تیرا خون میرے خون سے ہے، تیری روح میری روح سے ہے، تیرا باطن میرے باطن سے ہے اور تیرا ظاہر میرے ظاہر سے ہے۔ تو میری امت کا امام ہے اور میرے بعد امت محمدیہ کا خلیفہ ہے۔ خوش نصیب ہے وہ شخص جو تیری فرمانبرداری کرے گا اور بدبخت ہے وہ شخص جو تیری نافرمانی کرے گا۔ نفع مند ہو گا وہ جو تجھ سے دوستی کرے گا اور خسارہ اٹھائے گا وہ شخص جو تجھ سے دشمنی رکھے گا۔ تیری رفاقت میں کامیابی ہے اور تیری جدائی میں خسارہ ہے۔ میرے بعد تیری اور تیری اولاد کے اماموں کی مثال کشتئ نوح کی مانند ہے کہ جو اس میں سوار ہو گیا وہ نجات پا گیا اور جو اس میں سوار ہونے سے رہ گیا وہ غرق ہو گیا۔ تیری مثال ستاروں کی مانند ہے، ایک ستارہ غروب ہوتا ہے تو دوسرا طلوع ہو جاتا ہے۔ قیامت تک ایسا ہی رہے گا۔'' (المنقبة لابن شاذان : 18)

تبصرہ :

یہ روایت جھوٹ کا پلندہ ہے، کیونکہ :

① سعد بن طریف اسکافی خفاف راوی کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا یہ فرمان پہلے بھی بیان ہو چکا ہے :

مَتْرُوكٌ، وَرَمَاهُ ابْنُ حِبَّانَ بِالْوَضْعِ، وَكَانَ رَافِضِيًّا .

''یہ متروک راوی ہے، امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اس کو جھوٹی حدیثیں گھڑنے والا قرار دیا ہے۔ یہ رافضی بھی تھا۔''(تقریب التھذیب : 2241)

② صاحب کتاب محمد بن احمد بن علی بن حسین بن شاذان دجال اور کذاب ہے۔اس کے بارے میں :

❀ حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَلَقَدْ سَاقَ أَخْطَبُ خَوَارْزَمُ مِنْ طَرِيقِ هٰذَا الدَّجَّالِ؛ ابْنِ شَاذَانَ أَحَادِيثَ كَثِيرَةً بَاطِلَةً سَمْجَةً رَكِيكَةً، فِي مَنَاقِبِ السَّيِّدِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ .

''اخطب خوارزم نے اس ابن شاذان دجال کی سند سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مناقب میں بہت سی جھوٹی، باطل اور ناقابل یقین روایتیں بیان کی ہے۔''

(میزان الاعتدال : 467/3)

نیز اس کی بیان کردہ ایک روایت کے بارے میں فرماتے ہیں:

هٰذَا كَذِبٌ . ''یہ جھوٹ ہے۔''(میزان الاعتدال : 467/3)

روایت نمبر ⑱ : سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منسوب ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَنَا مَدِينَةُ الْعِلْمِ، وَعَلِيٌّ بَابُهَا، فَمَنْ أَرَادَ الْعِلْمَ؛ فَلْيَأْتِ الْبَابَ» .

''میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ۔ جو علم حاصل کرنے کا ارادہ رکھتا

ہے، وہ دروازے ہی سے آئے۔''

(الكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي : 412/3، الموضوعات لابن الجوزي : 352/1)

تبصرہ :

یہ بھی من گھڑت روایت ہے، کیونکہ :

① احمد بن حفص سعدی کے بارے میں :

❁ امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

حَدَّثَ بِأَحَادِيثَ مُنْكَرَةٍ لَّمْ يُتَابَعْ عَلَيْهِ .

''اس نے ایسی منکر روایات بیان کیں جن پر اس کی متابعت نہیں کی گئی۔''

(الكامل في ضعفاء الرجال : 199/1)

❁ امام اسماعیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : مَمْرُورٌ، يَكُونُ أَحْيَانًا أَشْبَهَ .

''اس کی عقل چلی گئی تھی۔ کبھی کبھی اس پر اشتباہ واقع ہو جاتا تھا۔''

(معجم الإسماعيلي : 355/1)

❁ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس قول کی وضاحت میں فرماتے ہیں :

فَأَشَارَ إِلٰى أَنَّهٗ أَحْيَانًا يَّغِيبُ عَقْلُهٗ، وَالْمَمْرُورُ الَّذِي يُصِيبُهُ الْخَلَطُ مِنَ الْمَرَّةِ، فَيَخْلِطُ .

''امام اسماعیلی رحمہ اللہ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ کبھی کبھی اس کی عقل زائل ہو جاتی تھی۔ [مَمْرُور] وہ شخص ہوتا ہے جسے کسی بیماری کی وجہ سے اختلاط واقع ہو جاتا ہو۔''(لسان الميزان : 163/1)

❁ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اسے ''صاحب المناکیر''(منکر روایات بیان کرنے

والا) قرار دیا ہے۔(میزان الاعتدال : 94/1)

نیز فرماتے ہیں: وَاهٍ، لَيْسَ بِشَيْءٍ .

''یہ ضعیف راوی ہے، کسی بھی کام کا نہیں۔'' (ديوان الضعفاء : 28)

فائدہ :

حافظ ذہبی رحمہ اللہ اس روایت کے بارے میں فرماتے ہیں:

لَعَلَّهُ اخْتَلَقَهُ السَّعْدِيُّ .

''شاید اس روایت کو (احمد بن حفص) سعدی نے گھڑا ہو۔''

(ميزان الاعتدال في نقد الرجال : 153/1)

لیکن اس راوی میں صرف اختلاط کا مسئلہ ہے۔ ورنہ یہ ''صدوق'' اور ''حسن الحدیث'' راوی ہے۔ یہ عمداً جھوٹ بولنے والوں میں سے نہیں۔

② سعید بن عقبہ کوفی کے بارے میں امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مَجْهُولٌ، غَيْرُ ثِقَةٍ . ''یہ مجہول اور غیر ثقہ ہے۔''

(الكامل في ضعفاء الرجال : 413/3)

روایت نمبر ⑲ : سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَنَا مَدِينَةُ الْحِكْمَةِ، وَعَلِيٌّ بَابُهَا» .

''میں حکمت کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔''

(الكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي : 177/5، الشريعة للآجري : 236/3)

تبصرہ :

یہ جھوٹی اور من گھڑت روایت ہے، کیونکہ:

① امام ابن عدی رحمہ اللہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

وَهٰذَا الْحَدِيثُ لَا أَعْلَمُ رَوَاهُ أَحَدٌ عَنْ عِيسَى بْنِ يُونُسَ غَيْرَ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، وَهٰذَا الْحَدِيثُ فِي الْجُمْلَةِ مُعْضَلٌ عَنِ الْأَعْمَشِ، وَيَرْوِي عَنْ أَبِي مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ، وَيَرْوِيهِ عَنْ أَبِي مُعَاوِيَةَ أَبُو الصَّلْتِ الْهَرَوِيُّ، وَقَدْ سَرَقَهُ مِنْ أَبِي الصَّلْتِ جَمَاعَةٌ ضُعَفَاءُ.

''میں نہیں جانتا کہ اس حدیث کو عیسیٰ بن یونس سے عثمان بن عبداللہ کے علاوہ بھی کسی نے بیان کیا ہو۔ فی الجملہ یہ روایت اعمش سے معضل (جس کے کئی راوی گرے ہوئے ہوں) ہے۔ اسے عثمان نے ابو معاویہ عن الاعمش کی سند سے بھی بیان کیا ہے۔ ابو معاویہ سے یہ روایت ابو صلت ہروی بیان کرتا ہے۔ یقیناً ابو صلت ہروی سے بہت سے ضعیف راویوں نے اس روایت کو چوری کر کے بیان کیا ہے۔''(الكامل في ضعفاء الرجال: 5/177)

② عثمان بن خالد کے بارے میں امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

كَانَ مِمَّنْ يَّرْوِي الْمَقْلُوبَ عَنِ الثِّقَاتِ، وَيَرْوِي عَنِ الْأَثْبَاتِ أَسَانِيدَ لَيْسَ مِنْ رِّوَايَاتِهِمْ، كَأَنَّهٗ كَانَ يَقْلِبُ الْأَسَانِيدَ، لَا يَحِلُّ الِاحْتِجَاجُ بِخَبَرِهٖ.

''یہ ثقہ راویوں سے مقلوب روایتیں بیان کرتا ہے اور ثقہ راویوں سے ایسی

سندیں بیان کرتا ہے جو انہوں نے بیان ہی نہیں کی ہوتیں، یعنی وہ سندوں کو الٹ پلٹ کر دیتا ہے۔ اس کی بیان کردہ روایت کو دلیل بنانا جائز نہیں۔''

(المجروحين : 102/2)

لیکن امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا وَهْمٌ، لَمْ يَرْوِ عُثْمَانُ بْنُ خَالِدٍ عَنْ عِيسَى بْنِ يُونُسَ شَيْئًا، وَإِنَّمَا رَوٰى هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ عِيسَى بْنِ يُونُسَ عُثْمَانُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْقُرَشِيُّ الشَّامِيُّ .

''یہ وہم ہے، عثمان بن خالد نے عیسیٰ بن یونس سے کچھ بھی بیان نہیں کیا۔ عیسیٰ بن یونس سے تو اس حدیث کو عثمان بن عبداللہ قرشی شامی نے بیان کیا ہے۔''(تعليقات الدارقطني على كتاب المجروحين لابن حبّان، ص : 183)

عثمان بن عبد اللہ نامی بھی دو راوی ہیں۔ایک شامی اور دوسرا اموی۔امام خطیب بغدادی رحمہ اللہ اور حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ نے ان دونوں میں فرق کیا ہے، جبکہ صحیح بات یہی ہے کہ یہ دونوں نام ایک ہی انسان کے ہیں، جیسا کہ حافظ عراقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فَرَّقَ الْخَطِيبُ وَابْنُ الْجَوْزِيِّ بَيْنَهُ وَبَيْنَ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْأُمَوِيِّ، وَكِلَاهُمَا يَرْوِي عَنْ مَّالِكٍ ـــ وَجَمَعَ الذَّهَبِيُّ بَيْنَهُمَا فِي تَرْجَمَةٍ وَّاحِدَةٍ .

''خطیب بغدادی اور ابن الجوزی نے عثمان بن عبداللہ شامی اور عثمان بن عبداللہ اموی میں فرق کیا ہے۔ یہ دونوں امام مالک سے روایت کرتے ہیں، البتہ حافظ ذہبی نے ان دونوں کو ایک ہی قرار دیا ہے۔''(ذيل الميزان : 571)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے حافظ ذہبی رحمہ اللہ کے اس فیصلے کو درست قرار دیا ہے۔

(لسان المیزان : 4/147)

یاد رہے کہ یہ عثمان کذاب اور حدیثیں گھڑنے والا راوی ہے۔

(دیکھیں: لسان المیزان لابن حجر : 4/143)

③ اس میں اعمش کی ''تدلیس'' بھی ہے۔

روایت نمبر ⑳ : گزشتہ روایت کی ایک سند یوں ہے:

عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عُثْمَانَ، عَنْ مَّحْمُودِ بْنِ خِدَاشٍ، عَنْ أَبِي مُعَاوِيَةَ . (الموضوعات لابن الجوزي :325/1)

تبصرہ :

یہ روایت بھی من گھڑت ہے، کیونکہ حسن بن عثمان تستری راوی جھوٹی حدیثوں کا کاریگر تھا، جیسا کہ:

❁ امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

كَانَ عِنْدِي يَضَعُ، وَيَسْرِقُ حَدِيثَ النَّاسِ .

''میرے نزدیک یہ حدیثیں گھڑتا تھا اور لوگوں سے احادیث کا سرقہ کرتا تھا۔''

(الكامل في ضعفاء الرجال : 345/2)

❁ عبدان اہوازی رحمہ اللہ نے اسے کذاب قرار دیا ہے۔

(الكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي : 345/2)

روایت نمبر ㉑ : سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منسوب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَنَا مَدِينَةُ الْحِكْمَةِ، وَعَلِيٌّ بَابُهَا، فَمَنْ أَرَادَ الْعِلْمَ؛ فَلْيَأْتِ الْبَابَ».

''میں حکمت کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ،لہٰذا جو علم حاصل کرنا چاہتا ہو، وہ دروازے سے آئے۔''

(تاریخ بغداد للخطیب : 348/4، الموضوعات لابن الجوزي :351,350/1)

تبصرہ :

یہ بھی باطل روایت ہے، کیونکہ :

① رجا بن سلمہ راوی کے بارے میں حافظ ابن الجوزی فرماتے ہیں :

اُتُّهِمَ بِسَرِقَةِ الْحَدِيثِ . ''اس پر حدیث کے سرقہ کا الزام ہے۔''

(الموضوعات لابن الجوزي :351/1)

② ابو معاویہ محمد بن حازم ضریر ''مدلس'' راوی ہے۔

③ اس میں اعمش راوی کی ''تدلیس'' بھی ہے۔

④ احمد بن محمد بن یزید بن سلیم راوی کے حالات نہیں مل سکے۔

روایت نمبر ㉒ : سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَنَا مَدِينَةُ الْحِكْمَةِ، وَعَلِيٌّ بَابُهَا، فَمَنْ أَرَادَ الْعِلْمَ؛ فَلْيَأْتِ بَابَهُ».

''میں حکمت کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔جو علم حاصل کرنے کا خواہاں ہو، وہ دروازے سے آئے۔''

(الكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي : 67/5، المعجم الكبير للطبراني :65/11، ح : 11061، المستدرك على الصحيحين للحاكم : 126/3، تهذيب الآثار للطبري،

ص105، تاريخ بغداد للخطيب: 48/11، الموضوعات لابن الجوزي: 351/1، المناقب للخوارزمي: 69)

تبصرہ:

یہ جھوٹی اور من گھڑت روایت ہے، کیونکہ:

① اس کا راوی ابوصلت عبدالسلام بن صالح ''ضعیف'' اور ''متروک'' ہے۔

② اس میں اعمش راوی کی ''تدلیس'' ہے۔

③ اعمش یہ روایت مجاہد سے بیان کرتے ہیں۔

❁ امام یحییٰ بن سعید قطان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

كَتَبْتُ عَنِ الْأَعْمَشِ أَحَادِيثَ عَنْ مُّجَاهِدٍ، كُلُّهَا مُلْزَقَةٌ، لَمْ يَسْمَعْهَا.

''میں نے اعمش کی مجاہد سے بیان کردہ روایات لکھی ہیں۔وہ تمام امام مجاہد کی طرف منسوب ہیں۔انہیں اعمش نے مجاہد سے سنا نہیں ہے۔''

(مقدّمة الجرح والتعديل لابن أبي حاتم، ص: 241، وسنده صحيح)

❁ امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اَلْأَعْمَشُ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ مُّجَاهِدٍ، وَكُلُّ شَيْءٍ يَّرْوِيهِ عَنْهُ؛ لَمْ يَسْمَعْ، إِنَّمَا مُرْسَلَةٌ مُّدَلَّسَةٌ.

''اعمش کا مجاہد سے سماع نہیں۔اعمش نے جو بھی روایت مجاہد سے بیان کی ہے، وہ مرسل اور مدلس ہے۔''(رواية ابن طهمان: 59)

❁ امام ابوحاتم رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اَلْأَعْمَشُ قَلِيلُ السَّمَاعِ مِنْ مُّجَاهِدٍ، وَعَامَّةُ مَا يَرْوِيهِ عَنْ مُّجَاهِدٍ مُّدَلَّسٌ .

''اعمش کا مجاہد سے سماع نہ ہونے کے برابر ہے۔اکثر یہ مجاہد سے مدلّس روایات بیان کرتے ہیں۔''(العلل لابن أبي حاتم : 210/2)

④ ابو معاویہ بھی ''مدلس'' ہیں اور لفظِ عن سے بیان کر رہے ہیں۔

نوٹ : بعض راویوں نے اس روایت میں ابوصلت عبدالسلام بن صالح کی متابعت کر رکھی ہے۔ان کا حال بھی ملاحظہ فرماتے جائیں ؛

روایت نمبر ㉓ : ابن محرز (معرفة الرجال : 242/2، مناقب عليّ لابن المغازلي : 128) نے متابعت کی ہے اور سند یوں بیان کی ہے :

عَنْ مُّحَمَدِ بْنِ جَعْفَرٍ الْعَلَّافِ، قال : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الطُّفَيْلِ، قَالَ : حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ مُّجَاهِدٍ .

تبصرہ :

یہ روایت بھی معلول ہے، کیونکہ :

① ابن محرز کی توثیق مطلوب ہے۔

② محمد بن طفیل بن مالک حنفی کو صرف امام ابن حبان رحمہ اللہ نے ثقات (63/9) میں ذکر کیا ہے۔لہٰذا یہ ''مجہول الحال'' ہے۔

روایت نمبر ㉔ : محمد بن جعفر فیدی نے متابعت کی ہے :

(المستدرك على الصحيحين للحاكم : 127/3)

تبصرہ :

اس کی سند میں حسین بن فہم راوی غیر قوی ہے۔اگرچہ امام حاکم رحمہ اللہ نے اسے ''ثقہ، مامون، حافظ'' کہا ہے، لیکن یہ امام صاحب کا تساہل ہے۔انہوں نے خود امام دارقطنی رحمہ اللہ سے اسے ليس بالقوي کہنا نقل کیا ہے۔(سؤالات الحاكم للدارقطني : 85)

نیز اس سند میں ابوحسین محمد بن احمد بن تمیم قنطری کی توثیق کا مسئلہ بھی ہے۔

روایت نمبر ۲۵ : امام ابوعبید قاسم بن سلام نے (كتاب المجروحين لابن حبّان : 1/130، 131، الموضوعات لابن الجوزي : 1/352) میں متابعت کی ہے۔

تبصرہ :

یہ سند بھی مختلف وجوہات کی بنا پر باطل ہے؛

① اسماعیل بن محمد بن یوسف الجبرینی ابو ہارون کے بارے میں :

❁ امام ابن ابوحاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

كَتَبَ إِلَيَّ بِجُزْءٍ، فَنَظَرْتُ فِي حَدِيثِهِ، فَلَمْ أَجِدْ حَدِيثَهٗ حَدِيثَ أَهْلِ الصِّدْقِ .

''اس نے میری طرف کچھ احادیث لکھ کر بھیجیں۔میں نے ان کو دیکھا، تو مجھے ان میں کوئی حدیث بھی ایسی نہیں ملی جو سچے راویوں کے بیان سے ملتی ہو۔''

(الجرح والتعديل لابن أبي حاتم : 2/196)

❁ امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

يُقَلِّبُ الْأَسَانِيدَ، وَيَسْرِقُ الْحَدِيثَ، لَا يَجُوزُ الِاحْتِجَاجُ بِهٖ .

''یہ سندوں کو الٹ پلٹ کرتا ہے اور احادیث کا سرقہ کرتا ہے۔ اس کی بیان کردہ روایات کو دلیل بنانا جائز نہیں۔''(المجروحین :130/1)

❀ امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

رَوٰی عَنْ سُنَیْدٍ وَّأَبِي عُبَیْدٍ وَّعَمْرِو بْنِ أَبِي سَلَمَةَ أَحَادِیثَ مَوْضُوعَةً .

''یہ سنید، ابوعبید اور عمرو بن سلمہ سے منسوب کر کے من گھڑت روایات بیان کرتا ہے۔''(لسان المیزان لابن حجر :433/1)

روایت نمبر ۲۶ : عمر بن اسماعیل بن مجالد نے (الضعفاء الکبیر للعقیلي :150/3، تاریخ بغداد للخطیب :204/11، 353) میں متابعت کی ہے۔

تبصرہ :

عمر بن اسماعیل کے بارے میں:

❀ امام ابوحاتم رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ضَعِیفُ الْحَدِیثِ . ''اس کی بیان کردہ روایت ضعیف ہوتی ہے۔''

(الجرح والتعدیل لابن أبي حاتم :99/6)

❀ امام ابن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

کَذَّابٌ، یُحَدِّثُ أَیْضًا بِحَدِیثِ أَبِي مُعَاوِیَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ مُّجَاهِدٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ : «أَنَا مَدِینَةُ الْعِلْمِ، وَعَلِيٌّ بَابُهَا»، وَهٰذَا حَدِیثٌ کَذِبٌ، لَیْسَ لَهٗ أَصْلٌ .

’’یہ جھوٹا راوی ہے۔اس نے أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ مُّجَاهِدٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی سند سے یہ حدیث بیان کی ہے: میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔ یہ جھوٹی روایت ہے۔اس کی کوئی اصل نہیں۔‘‘

(سؤالات ابن الجنید :51، الضعفاء الکبیر للعقیلي : 150/3، وسندهٗ صحیح)

❁ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے ’’متروک‘‘ کہا ہے۔

(تقریب التهذیب : 4866)

روایت نمبر ㉗ : ابراہیم بن موسیٰ رازی نے (تهذیب الآثار [مسند علی] لأبي جعفر الطبري، ص : 105) میں متابعت کی ہے۔

تبصرہ :

اس ابراہیم کے بارے میں امام طبری رحمہ اللہ خود فرماتے ہیں:

هٰذَا الشَّيْخُ لَا أَعْرِفُهٗ، وَلَا سَمِعْتُ مِنْهُ غَيْرَ هٰذَا الْحَدِيثِ.

’’میں اس راوی کو نہیں جانتا، نہ ہی میں نے اس روایت کے علاوہ اس سے کوئی روایت سنی ہے۔‘‘

روایت نمبر ㉘ : احمد بن سلمہ، ابوعمرو جرجانی نے (الکامل في ضعفاء الرجال لابن عدي : 190,189/1، تاریخ جرجان للسهمي، ص : 65، الموضوعات لابن الجوزي : 353,352/1) میں متابعت کی ہے۔

تبصرہ :

یہ بھی جھوٹی روایت ہے، کیونکہ احمد بن سلمہ کے بارے میں :

۞ امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

حَدَّثَ عَنِ الثِّقَاتِ بِالْبَوَاطِيلِ، وَيَسْرِقُ الْحَدِيثَ .

''یہ ثقہ راویوں سے منسوب کر کے جھوٹی روایات بیان کرتا ہے اور احادیث کا سرقہ کرتا ہے۔''(الكامل في ضعفاء الرجال :189/1)

۞ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اسے کذاب قرار دیا ہے۔(ديوان الضعفاء :41)

روایت نمبر ㉙ : حسن بن راشد نے (الكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي : 65/5) میں متابعت کی ہے۔

تبصرہ :

یہ سند سخت ''ضعیف'' ہے، کیونکہ اس کا راوی حسن بن علی عدوی کذاب ہے۔

۞ امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

وَهٰذَا حَدِيثُ أَبِي الصَّلْتِ الْهَرَوِيُّ عَنْ أَبِي مُعَاوِيَةَ، عَلٰى أَنَّهٗ قَدْ حَدَّثَ بِهٖ غَيْرُهٗ وَسَرَقَ مِنْهُ، مِنَ الضُّعَفَاءِ، وَلَيْسَ أَحَدٌ مِّمَّنْ رَّوَاهُ عَنْ أَبِي مُعَاوِيَةَ خَيْرٌ وَّأَصْدَقُ مِنَ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيِّ ابْنِ رَاشِدٍ .

''یہ ابو صلت ہروی کی ابو معاویہ سے بیان کردہ حدیث ہے۔اس حدیث کو ابو صلت سے سرقہ کر کے اور ضعیف راویوں نے بھی بیان کیا ہے۔ابو معاویہ سے بیان کرنے والوں میں سے حسن بن علی بن راشد سے بڑھ کر اچھا اور سچا

کوئی نہیں۔'' (الكامل في ضعفاء الرجال : 341/2)

روایت نمبر ③⓪ : موسیٰ بن محمد انصاری نے (ميزان الاعتدال للذهبي : 444/3) میں متابعت کی ہے۔

تبصرہ :

یہ بھی جھوٹی سند ہے، کیونکہ اس کے راوی محفوظ بن بحر انطا کی کے بارے میں امام ابوعروبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

كَانَ مَحْفُوظٌ يَكْذِبُ . ''محفوظ بن بحر جھوٹی روایتیں بیان کرتا تھا۔''

(الكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي : 441/6)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اس روایت کو محفوظ بن بحر کی جھوٹی روایات میں شمار کیا ہے۔

(ميزان الاعتدال : 444/3)

ابن العجمی فرماتے ہیں: مِنْ وَّضْعِهٖ وَأَكَاذِيبِهٖ .

''یہ اس کی اپنی وضع کردہ روایت اور اس کا ایک جھوٹ ہے۔''

(الكشف الحثيث : 601)

روایت نمبر ③① : رجل من اہل الشام (شام کے ایک مرد) نے (تعليقات الدارقطني على المجروحين لابن حبّان، ص : 179) میں متابعت کر رکھی ہے۔

تبصرہ :

یہ بھی سفید جھوٹ ہے، کیونکہ :

- امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

إِنَّ أَبَا الصَّلْتِ وَضَعَهُ عَلٰى أَبِي مُعَاوِيَةَ، وَسَرَقَهُ مِنْهُ جَمَاعَةٌ، فَحَدَّثُوا بِهٖ عَنْ أَبِي مُعَاوِيَةَ، مِنْهُمْ : عُمَرُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ بْنِ مُجَالِدٍ، ومُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، وَرَجُلٌ كَذَّابٌ مِّنْ أَهْلِ الشَّامِ، حَدَّثَ بِهٖ عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِى مُعَاوِيَةَ .

''ابوصلت نے یہ روایت ابومعاویہ کی طرف جھوٹی منسوب کی۔اس سے ضعیف راویوں کی ایک جماعت نے سرقہ کیا۔ان میں عمر بن اسماعیل بن مجالد، محمد بن جعفراوراہل شام میں سے ایک جھوٹا آدمی شامل ہے۔شامی کذاب نے اسے عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِي مُعَاوِيَةَ کی سند سے بیان کیا ہے۔''

(تعليقات الدارقطني على المجروحين لابن حبّان، ص : 179)

امام دارقطنی رحمہ اللہ نے اس کی مکمل سند ذکر نہیں کی۔البتہ رجل مبہم کو کذاب ضرور قرار دیا ہے۔اس کے باطل ہونے کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔

روایت نمبر ۳۲ : جعفر بن محمد بغدادی نے (تاريخ بغداد للخطيب : 172/7، الموضوعات لابن الجوزي : 350/1) میں متابعت کی ہے۔

تبصرہ :

یہ بھی جھوٹی روایت ہے، کیونکہ اس کے راوی جعفر بن محمد بغدادی کے بارے میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: فِيهِ جَهَالَةٌ .

''یہ مجہول راوی ہے۔''(ميزان الاعتدال : 415/1)

نیز اس روایت کے بارے میں فرماتے ہیں: هٰذَا مَوْضُوعٌ .

''یہ من گھڑت روایت ہے۔'' (میزان الاعتدال : 415/1)

اس کے بارے میں ابوجعفر مطین رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

لَمْ يَرْوِ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ أَبِي مُعَاوِيَةَ مِنَ الثِّقَاتِ أَحَدٌ، رَوَاهُ أَبُو الصَّلْتِ، فَكَذَّبُوهُ.

''اس روایت کو ابومعاویہ سے کسی ثقہ راوی نے بیان نہیں کیا۔صرف ابوصلت ہروی نے بیان کیا ہے،جس کو محدثین کرام نے جھوٹا قرار دیا ہے۔''

(تاریخ بغداد للخطیب : 172/7)

الحاصل :

ثابت ہوا کہ ابوصلت کا کوئی ثقہ متابع نہیں اور اس سند کا دارومدار ہی ابوصلت ''متروک'' پر ہے۔

❀ امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

وَهٰذَا حَدِيثُ أَبِي الصَّلْتِ الْهَرَوِيُّ عَنْ أَبِي مُعَاوِيَةَ، عَلٰى أَنَّهٗ قَدْ حَدَّثَ بِهٖ غَيْرُهٗ وَسَرَقَ مِنْهُ، مِنَ الضُّعَفَاءِ.

''یہ ابوصلت ہروی کی ابومعاویہ سے بیان کردہ حدیث ہے۔اس حدیث کو ابوصلت سے سرقہ کر کے کئی ضعیف راویوں نے بھی بیان کیا ہے۔''

(الکامل في ضعفاء الرجال : 341/2)

روایت نمبر ۳۳ : سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَنَا مَدِينَةُ الْعِلْمِ، وَأَبُو بَكْرٍ وَّعُمَرُ وَعُثْمَانُ سُورُهَا، وَعَلِيٌّ بَابُهَا، فَمَنْ أَرَادَ الْعِلْمَ، فَلْيَأْتِ الْبَابَ .

''میں علم کا شہر ہوں، ابوبکر، عمر اور عثمان اس کی دیواریں ہیں، علی اس کا دروازہ ہیں۔اب جو علم حاصل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، وہ دروازے سے آئے۔''

(تاريخ دمشق لابن عساكر : 321/45، اللّآلي المصنوعة للسيوطي : 308، 307/1)

تبصره :

یہ باطل (جھوٹی) روایت ہے، کیونکہ :

① اس کا راوی حسن بن تمیم بن تمام مجہول ہے، نیز اس کا سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے سماع بھی مطلوب ہے۔

② دوسرے راوی ابوالقاسم عمر بن محمد بن حسین کرخی کی بھی توثیق درکار ہے۔

اس روایت کے بارے میں حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

مُنْكَرٌ جِدًّا إِسْنَادًا وَّمَتْنًا .

''اس روایت کی سند اور متن دونوں سخت منکر ہیں۔''

(تاريخ دمشق لابن عساكر : 321/45)

روایت نمبر ㉞ : نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یہ روایت بھی منسوب ہے :

«أَنَا مَدِينَةُ الْعِلْمِ، وَأَبُو بَكْرٍ أَسَاسُهَا، وَعُمَرُ حِيطَانُهَا، وَعُثْمَانُ سَقْفُهَا، وَعَلِيٌّ بَابُهَا» .

''میں علم کا شہر ہوں، ابوبکر اس کی بنیاد، عمر اس کی چار دیواری، عثمان اس کی چھت اور علی اس کا دروازہ ہیں۔'' (تاريخ دمشق لابن عساكر : 20/9)

تبصرہ :

یہ سفید جھوٹ ہے۔اس کو گھڑنے والا اسماعیل بن علی بن مثنی استرابازی ہے۔

ائمہ دین کی رائے

اب اس روایت کے بارے میں ائمہ متقدمین کے اقوال ملاحظہ فرمائیں :

① امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

وَهُوَ حَدِيثٌ لَّيْسَ لَهُ أَصْلٌ . ''اس حدیث کی کوئی اصل نہیں۔''

(الجرح والتعديل لابن أبي حاتم : 6/99، وسندهٗ صحيحٌ)

نوٹ : امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ سے اس حدیث کو صحیح کہنا بھی ثابت ہے۔

(تاريخ بغداد للخطيب : 12/315، طبعة بشّار، وسندهٗ صحيحٌ)

ہوسکتا ہے کہ یہ فیصلہ پہلے کا ہو اور کسی راوی کی صحیح حالت ظاہر ہوجانے کے بعد یہ رائے بدل گئی ہو۔ واللہ أعلم بالصواب!

② امام ابوزرعہ رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

وَحَدِيثُ أَبِي مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ مُّجَاهِدٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ : «أَنَا مَدِينَةُ الْحِكْمَةِ، وَعَلِيٌّ بَابُهَا»، كَمْ مِّنْ خَلْقٍ قَدِ افْتَضَحُوا فِيهِ .

''ابو معاویہ سے بیان کی گئی عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ مُّجَاهِدٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ کی سند سے یہ حدیث کہ میں حکمت کا شہر ہوں، علی اس کا دروازہ ہے۔ کتنے ہی اہل علم ہیں، جو اس میں عیب لگاتے ہیں۔''

(سؤالات البرذعي : 753/2)

③ امام ابو حاتم رازی رحمہ اللہ نے اسے ''منکر'' قرار دیا ہے۔

(الجرح والتعدیل لابن أبي حاتم : 22/8)

④ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ مُّنْكَرٌ .

''یہ حدیث غریب و منکر ہے۔''(سنن الترمذي : 3723)

⑤ امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا خَبَرٌ لَّا أَصْلَ لَهٗ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .

''یہ روایت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے۔''(المجروحين : 94/2)

⑥ امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اَلْحَدِيثُ مُضْطَرَبٌ، غَيْرُ ثَابِتٍ .

''یہ حدیث مضطرب اور غیر ثابت ہے۔''(العلل : 247/3، ح : 386)

⑦ امام عقیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَلَا يَصِحُّ فِي هٰذَا الْمَتْنِ حَدِيثٌ .

''اس مفہوم کی کوئی حدیث ثابت نہیں ہے۔''(الضعفاء الكبير : 150/3)

⑧ امام ابو جعفر مطین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَمْ يَرْوِ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ أَبِي مُعَاوِيَةَ مِنَ الثِّقَاتِ أَحَدٌ، رَوَاهُ أَبُو الصَّلْتِ، فَكَذَّبُوهُ .

''اس روایت کو ابو معاویہ سے کسی ایک ثقہ راوی نے بھی بیان نہیں کیا۔ صرف ابو صلت ہروی نے بیان کیا ہے اور اسے محدثین کرام نے جھوٹا قرار دیا ہے۔''

(تاریخ بغداد للخطیب : 172/7)

⑨ امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا حَدِيثٌ مُّنْكَرٌ مَّوْضُوعٌ .

''یہ حدیث منکر ومن گھڑت ہے۔''(الکامل في ضعفاء الرجال :192/1)

⑩ حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَكُلُّ هٰذِهِ الرِّوَايَاتِ غَيْرُ مَحْفُوظَةٍ .

''اس مفہوم کی تمام روایات منکر ہیں۔''(تاریخ دمشق : 380/42)

⑪ حافظ ابن الجوزی نے اسے من گھڑت قرار دیا ہے۔

(الموضوعات :533/1)

⑫ حافظ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: فَحَدِيثٌ بَاطِلٌ .

''یہ جھوٹی حدیث ہے۔''(تہذیب الأسماء واللغات :490/1)

⑬ حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَالْحَدِيثُ مَوْضُوعٌ، رَوَاهُ الْأَعْمَشُ .

''یہ حدیث من گھڑت ہے، اسے اعمش نے بیان کیا ہے۔''

(تاریخ الإسلام للذهبي : 1191/5، بتحقيق بشّار عوّاد معروف)

⑭ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی اسے خودساختہ قرار دیا ہے۔

(منهاج السنة : 515/7، أحاديث القصاص، ص :62، مجموع الفتاوٰی : 123/18)

⑮ علامہ ابن طاہر رحمہ اللہ نے بھی اسے من گھڑت قرار دیا ہے۔

(تخریج أحاديث الإحياء للعراقي : 1830)

⑯ علامہ عبدالرحمٰن معلّمی رحمہ اللہ نے بھی موضوع کہا ہے۔

(حاشية الفوائد المجموعة للشوكاني، ص : 349)

صرف امام حاکم رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح الاسناد'' کہا ہے۔ان جمہور ائمہ متقدمین و متأخرین کی ''تضعیف'' کے مقابلے میں امام حاکم رحمہ اللہ کی تصحیح ناقابل التفات ہے، کیونکہ وہ متساہل تھے۔یہ بات اہل علم پر بخوبی عیاں ہے۔

بعض متأخرین اہل علم ،مثلاً؛ حافظ علائی(النقد الصحيح بما اعترض من أحاديث المصابيح، ص : 55)،حافظ ابن حجر(اللآلي المصنوعة للسيوطي :334/1)،حافظ سخاوی (المقاصد الحسنة : 189)اور علامہ شوکانی(الفوائد المجموعة، ص : 349) کا اسے ''حسن'' قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

الحاصل :

یہ حدیث اپنی تمام سندوں کے ساتھ ''ضعیف و منکر'' ہے۔حدیث ابن عباس کے تمام طرق أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ مُّجَاهِدٍ سے مروی ہیں،لہٰذا یہ بھی ''ضعیف و مدلَّس'' ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت و منقبت ہمارے سر آنکھوں پر،لیکن جھوٹی ، ''منکر'' اور ''ضعیف'' سندوں سے مروی روایات کو فضیلت قرار دینا قطعاً صحیح نہیں۔

صحیح و ثابت فضائل و مناقب کی روشنی میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شخصیت اتنی واضح ہے کہ اسے ایسی روایات کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی،جن کو محدثین کرام نے قبول نہیں کیا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں حق کو قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

سیدنا علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کے لیے سورج کے پلٹ جانے کے متعلق روایات کا علمی اور تحقیقی جائزہ پیشِ خدمت ہے:

روایت نمبر ① : سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے منسوب ہے:

كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوحٰى إِلَيْهِ، وَرَأْسُهُ فِي حِجْرِ عَلِيٍّ، فَلَمْ يُصَلِّ الْعَصْرَ حَتّٰى غَرَبَتِ الشَّمْسُ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «صَلَّيْتَ يَا عَلِيُّ؟» قَالَ: لَا، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «اَللّٰهُمَّ، إِنَّهُ كَانَ فِي طَاعَتِكَ وَطَاعَةِ رَسُولِكَ، فَارْدُدْ عَلَيْهِ الشَّمْسَ»، قَالَتْ أَسْمَاءُ: فَرَأَيْتُهَا غَرَبَتْ، ثُمَّ رَأَيْتُهَا طَلَعَتْ بَعْدَ مَا غَرَبَتْ.

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا نزول ہو رہا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی گود میں تھا۔ وہ عصر کی نماز نہ پڑھ سکے، یہاں تک کہ سورج غروب ہوگیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علی! کیا آپ نے نماز پڑھی ہے؟ انہوں نے عرض کیا: نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ! علی تیری اور تیرے رسول کی فرمانبرداری میں مشغول تھے، ان کے لیے سورج کو لوٹا دے۔ سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کا بیان ہے؛ میں نے سورج کو غروب ہوتے بھی دیکھا، پھر سورج کے غروب

ہو جانے کے بعد اسے طلوع ہوتے بھی دیکھا۔''

(السنّة لابن أبي عاصم : 1323، مختصراً، مشكل الآثار للطحاوي : 9/2، المعجم الكبير للطبراني : 152,147/24، تاريخ دمشق لابن عساكر : 314/42)

تبصرہ :

اس کی سند ''ضعیف'' ہے، کیونکہ ابراہیم بن حسن بن حسن بن علی بن ابو طالب راوی ''مجہول الحال'' ہے۔سوائے امام ابن حبان (الثقات : 3/6) کے کسی نے اسے ثقہ نہیں کہا۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لَيْسَ بِذٰلِكَ الْمَشْهُورِ فِي حَالِهِ .

''اس کا حال مجہول ہے۔''(البداية والنهاية : 89/6)

حافظ ہیثمی رحمہ اللہ اس کی بیان کردہ ایک روایت کے بارے میں فرماتے ہیں :

فِيْهِ مَنْ لَّمْ اَعْرِفْهُمْ . ''اس روایت میں ایسے راوی ہیں، جن کو میں نہیں پہچانتا۔''(مجمع الزوائد : 185/9)

لیکن ایک مقام پر امام ابن حبان کی توثیق پر اعتماد کرتے ہوئے ان کو ثقہ کہا ہے۔

(مجمع الزوائد : 297/8)

یہ تساہل پر مبنی فیصلہ ہے، جیسا کہ اہل علم جانتے ہیں۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس میں دوسری وجہ ضعف یہ بیان کرتے ہیں کہ فاطمہ بنت حسین بن علی بن ابی طالب جو کہ امام زین العابدین رحمہ اللہ کی ہمشیرہ ہیں وہ ہیں تو ثقہ،لیکن یہ معلوم نہیں کہ انہوں نے یہ روایت سیدہ اسما رضی اللہ عنہا سے سنی ہے یا نہیں؟

(البداية والنهاية : 89/6)

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

وَلَا سَمَاعُ إِبْرَاهِيمَ مِنْ فَاطِمَةَ، وَلَا سَمَاعُ فَاطِمَةَ مِنْ أَسْمَاءَ، وَلَا بُدَّ فِي ثُبُوتِ هٰذَا الْحَدِيثِ مِنْ أَنْ يُعْلَمَ أَنَّ كُلًّا مِّنْ هٰؤُلَاءِ عَدْلٌ ضَابِطٌ، وَأَنَّهُ سَمِعَ مِنَ الْآخَرِ، وَلَيْسَ هٰذَا مَعْلُومًا.

''نہ ابراہیم کا فاطمہ سے اور نہ فاطمہ کا سیدہ اسما رضی اللہ عنہا سے سماع ثابت ہے۔اس حدیث کے ثبوت کے لیے اس بات کا جاننا ضروری ہے کہ اس کے تمام راوی عادل وضابط ہیں یا نہیں، نیز انہوں نے ایک دوسرے سے سنا ہے یا نہیں۔مگر اس روایت کے راویوں کے متعلق یہ بات معلوم نہیں ہو سکی۔''

(منهاج السنّة النبويّة : 189/4)

تنبیه :

بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ امام طحاوی رحمہ اللہ نے اس روایت کو صحیح کہا ہے، بے حقیقت بات ہے۔

روایت نمبر ۲ : سیدہ اسما بنت عمیس رضی اللہ عنہا ہی سے مروی ہے :

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الظُّهْرَ بِالصَّهْبَاءِ، ثُمَّ أَرْسَلَ عَلِيًّا عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي حَاجَةٍ فَرَجَعَ، وَقَدْ صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَصْرَ، فَوَضَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأْسَهُ فِي حِجْرِ عَلِيٍّ، فَلَمْ يُحَرِّكْهُ حَتّٰى غَابَتِ الشَّمْسُ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : «اَللّٰهُمَّ، إِنَّ عَبْدَكَ عَلِيًّا احْتَبَسَ بِنَفْسِهِ عَلٰى نَبِيِّكَ، فَرُدَّ عَلَيْهِ شَرْقَهَا»، قَالَتْ أَسْمَاءُ :

فَطَلَعَتِ الشَّمْسُ حَتّٰى وَقَعَتْ عَلَى الْجِبَالِ وَعَلَى الْأَرْضِ، ثُمَّ قَامَ عَلِيٌّ، فَتَوَضَّأَ وَصَلَّى الْعَصْرَ، ثُمَّ غَابَتْ، وَذٰلِكَ فِي الصَّهْبَاءِ، فِي غَزْوَةِ خَيْبَرَ .

''نبی کریم ﷺ نے صہبا نامی جگہ پر نماز ظہر ادا کی۔ پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اپنے کسی کام بھیجا۔ جب وہ واپس آئے، تو نبی کریم ﷺ عصر کی نماز ادا فرما چکے تھے۔ آپ ﷺ نے اپنا سر مبارک ان کی گود میں رکھا۔ انہوں نے حرکت نہ کی، (کہیں آپ ﷺ کی نیند میں خلل نہ آ جائے)، یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ نبی کریم ﷺ نے یہ دعا کی: اے اللہ! تیرے بندے علی نے اپنے آپ کو تیرے نبی کے لئے روکا ہوا تھا، لہٰذا ان پر سورج کو لوٹا دے۔ سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ سورج اوپر آ گیا، یہاں تک کہ اس کی روشنی پہاڑوں اور زمین پر پڑنے لگی۔ پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے، وضو کیا اور عصر کی نماز پڑھی۔ پھر سورج غروب ہو گیا۔ یہ واقعہ غزوۂ خیبر کے موقع پر صہبا نامی جگہ پر پیش آیا۔''

(مشكل الآثار للطحاوي : 1068، المعجم الكبير للطبراني : 145,144/24)

تبصرہ :

اس کی سند بھی ''ضعیف'' ہے، جیسا کہ:

❀ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس کا ضعف وسقم یوں بیان کرتے ہیں:

وَهٰذَا الْإِسْنَادُ فِيهِ مَنْ يَّجْهَلُ حَالُهٗ، فَإِنَّ عَوْنًا هٰذَا وَأُمَّهٗ لَا يُعْرَفُ أَمْرُهُمَا بِعَدَالَةٍ وَّضَبْطٍ، يُقْبَلُ بِسَبَبِهِمَا خَبَرُهُمَا، فِيْمَا هُوَ دُوْنَ

هٰذَا الْمَقَامِ، فَكَيْفَ يَثْبُتُ بِخَبَرِهِمَا هٰذَا الْأَمْرُ الْعَظِيمُ الَّذِي لَمْ يَرْوِهِ أَحَدٌ مِّنْ أَصْحَابِ الصِّحَاحِ، وَلَا السُّنَنِ، وَلَا الْمَسَانِيدِ الْمَشْهُورَةِ، فَاللّٰهُ أَعْلَمُ، وَلَا نَدْرِي أَسَمِعَتْ أُمُّ هٰذَا مِنْ جَدَّتِهَا أَسْمَاءَ بِنْتِ عُمَيْسٍ أَوْ لَا .

''اس سند میں عون اور اس کی والدہ کے حافظے اور عدالت کے متعلق کچھ معلوم نہیں۔یہی دو امور ہیں جن کی بنا پر ان کی روایت قبول کی جا سکتی تھی اور ان میں وہ قابل قبول مقام تک نہیں پہنچ پائے۔ان کے بیان کی بنیاد پر ایک ایسا اہم مسئلہ کیسے ثابت ہوسکتا ہے،جس کو نہ مشہور اصحابِ صحاح وسنن و مسانید میں سے کسی نے بیان نہیں کیا۔پھر یہ بھی معلوم نہیں کہ ام عون کا سیدہ اسما بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے سماع بھی ہے یا نہیں۔''(البداية والنهاية : 88/6)

❀ حافظ ہیثمی عون بن محمد کے بارے میں فرماتے ہیں:

وَلَمْ أَجِدْ مَنْ تَرَجَّمَهٗ . ''مجھے اس کے حالات زندگی نہیں مل سکے۔''

(مجمع الزوائد : 237/3، 50/4)

❀ ایک روایت،جس کی سند میں عون بن محمد اور اس کی ماں ام عون موجود ہیں، کے بارے میں ابن ترکمانی حنفی لکھتے ہیں:

وَفِي إِسْنَادِهٖ مَنْ يُّحْتَاجُ إِلٰى كَشْفِ حَالِهٖ .

''اس سند میں ایسے راوی ہیں،جن کے حالات کا واضح ہونا ضروری ہے۔''

(الجوهر النقي في الردّ على البيهقي : 396/3)

لہٰذا عون بن محمد کی ایک دوسری روایت کی سند کو حافظ منذری(الترغيب والترهيب :

89/3)اور حافظ ابن حجر کا ''حسن'' کہنا، نیز حافظ عراقی (فيض القدير للمناوي : 327/4) کا ''جید'' کہنا قطعاً صحیح نہیں۔

❁ اس کی سند میں ام عون بھی ''مجہولہ'' ہیں۔

اسے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی ''مقبولہ'' کہا ہے۔

(تقريب التهذيب لابن حجر : 8750)

❁ حافظ بوصیری (مصباح الزجاجة : 52/2) اور سندھی حنفی (حاشية السندي على ابن ماجة : 1611) نے بھی یہی فیصلہ دیا ہے۔

❁ حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

هٰذَا الْحَدِيثُ مُنْكَرٌ، وَفِيهِ غَيْرُ وَاحِدٍ مِّنَ الْمَجَاهِيلِ .

''یہ حدیث منکر ہے اس میں کئی ایک مجہول راوی ہیں۔''

(تاريخ دمشق : 314/42)

روایت نمبر ③ : سیدہ اسما بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے منسوب ہے :

إِنَّ النَّبِيَّ أُوحِيَ إِلَيْهِ، فَسَتَرَهُ عَلِيٌّ بِثَوْبِهٖ، حَتّٰى غَابَتِ الشَّمْسُ، فَلَمَّا سُرِّيَ عَنِ النَّبِيِّ، قَالَ : «يَا عَلِيُّ، صَلَّيْتَ الْعَصْرَ ؟»، قَالَ : لَا قَالَ : «اللّٰهُمَّ ارْدُدِ الشَّمْسَ عَلٰى عَلِيٍّ»، قَالَتْ : فَرَجَعَتِ الشَّمْسُ حَتّٰى رَأَيْتُهَا فِي نِصْفِ الْحُجُرِ، أَوْ قَالَتْ : نِصْفِ حُجْرَتِي .

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا نزول ہو رہا تھا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے کپڑے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈھانپ رکھا تھا، یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ جب نبی

کریم ﷺ وحی سے فارغ ہوئے، تو پوچھا: علی! کیا آپ نے عصر کی نماز پڑھی ہے؟ انہوں نے عرض کیا: نہیں۔ آپ ﷺ نے دعا کی: اے اللہ! علی کے لئے سورج کو لوٹا دے۔ سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: سورج واپس پلٹا یہاں تک کہ اس کی روشنی میرے حجرے کے صحن کے درمیان میں آن پہنچی۔''

(تاریخ دمشق لابن عساکر : 314/42، الموضوعات لابن الجوزي : 356/1، اللآلي المصنوعة للسيوطي :338/1)

تبصرہ :

یہ باطل سند ہے، کیونکہ :

① اس کا راوی ابو العباس ابن عقدہ ''ضعیف'' ہے۔

❀ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے اسے ''ضعیف'' کہا ہے۔(السنن : 264/2)

❀ حمزہ بن یوسف سہمی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

سَمِعْتُ أَبَا عُمَرَ بْنِ حَيْوَيْهِ يَقُولُ : كَانَ أَحْمَدُ بْنُ عُقْدَةَ فِي جَامِعِ بَرَاثَا يُمْلِي مَثَالِبَ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَوْ قَالَ : الشَّيْخَيْنِ، يَعْنِي أَبَا بَكْرٍ وَّعُمَرَ، فَتَرَكْتُ حَدِيثَهٗ، وَلَا أُحَدِّثُ عَنْهُ بَعْدَ ذٰلِكَ شَيْئًا .

''میں نے ابو عمر بن حیویہ کو یہ کہتے سنا کہ احمد بن عقدہ براثا کی جامع میں صحابہ کرام یا ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے عیوب لکھواتا تھا۔ اس پر میں نے اس کی روایت چھوڑ دی۔ اس کے بعد میں اس سے کوئی چیز بیان نہیں کرتا۔''

(سؤالات السهمي : 166)

امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

كَانَ صَاحِبَ مَعْرِفَةٍ وَّحِفْظٍ، وَمُقَدَّمًا فِي هٰذِهِ الصَّنَاعَةِ؛ إِلَّا أَنِّي رَأَيْتُ مَشَايِخَ بَغْدَادَ مُسِيئِينَ الثَّنَاءَ عَلَيْهِ .

''یہ بڑا عالم، حافظ اور اس فن میں مقدم تھا،مگر میں نے بغداد کے مشائخ کو دیکھا کہ وہ اس پر جرح کرتے ہیں۔''(الكامل في ضعفاء الرجال :206/1)

امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: كَانَ رَجُلَ سَوْءٍ .

''یہ برا آدمی تھا۔''(تاريخ بغداد للخطيب : 22/5، وسندهٗ صحيحٌ)

امام دارقطنی رحمہ اللہ سے اس کے بارے میں پوچھا گیا:

أَيْش أَكْبَرُ مَا فِي نَفْسِكَ عَلَيْهِ ؟

''کیا آپ کے ذہن میں اس کی کوئی اچھائی ہے؟''

تو وہ تھوڑی دیر کے لیے خاموش ہو گئے، پھر فرمایا:

اَلْأَكْثَرُ مِنَ الْمَنَاكِيرِ .

''اس کی اکثر روایات منکر ہیں۔''(تاريخ بغداد : 22/5، وسندهٗ صحيحٌ)

ابن عقدہ نے عبدالغفار بن القاسم ابو مریم کی تعریف میں مبالغہ کیا،تو امام ابن عدی رحمہ اللہ نے فرمایا:

وَابْنُ سَعِيدِ (ابْنِ عُقْدَةَ) حَيْثُ قَالَ، هٰذَا الْمَيْلُ الشَّدِيدُ إِنَّمَا كَانَ لِإِفْرَاطِهٖ فِي التَّشَيُّعِ .

''ابن سعید (ابن عقدہ) نے یہ انتہا کا میلان اس لیے ظاہر کیا ہے کہ وہ خود غالی شیعہ ہے۔''(الكامل في ضعفاء الرجال : 327/5)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: فِيهِ ضُعْفٌ.

''اس میں کمزوری ہے۔''(سیر أعلام النبلاء: 5/341، 342)

نیز ابن خراش اور ابن عقدہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

وَفِيهِمَا رَفْضٌ وَّبِدْعَةٌ.

''ان دونوں میں دشمنی صحابہ اور بدعت موجود ہے۔''(میزان الاعتدال: 1/128)

مزید فرماتے ہیں: شِيعِيٌّ، وَضَعَّفَهُ غَيْرُ وَاحِدٍ.

''یہ (رافضی) شیعہ ہے اور اس کو کئی ایک محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔''

(المغني في الضعفاء: 1/55)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فَابْنُ عُقْدَةَ مُتَّهَمٌ، فَإِنَّهُ رَافِضِيٌّ خَبِيثٌ.

''ابن عقدہ متہم راوی ہے، کیونکہ یہ خبیث رافضی ہے۔''

(جامع المسانید والسنن: 5/524)

اگر کوئی کہے کہ ابن عقدہ اس سند میں منفرد نہیں، بلکہ شاذان فضلی کے استاذ ابوالحسن علی بن ابراہیم بن اسماعیل بن کعب دقاق نے اس کی متابعت کی ہے۔

(اللآلي المصنوعة للسيوطي: 1/338)

تو اس سے پوچھا جائے کہ شاذان فضلی کس مصیبت کا نام ہے؟ اس کے استاذ ابوالحسن علی بن ابراہیم کے بھی حالات زندگی نہیں مل سکے۔

بعض لوگ اسے علی بن اسماعیل بن کعب، جس کا ترجمہ (حالاتِ زندگی) تاریخ بغداد للخطیب (11/345) میں ہے، سمجھتے ہیں جو کہ صحیح نہیں ہے۔ اگر یہی مراد لیا جائے، تو یہ بھی

''مجہول'' ہے۔

اسے ازدی نے ثقہ کہا ہے۔(تاریخ بغداد للخطیب : 258/13، طبعة بشّار)

لیکن ابوالفتح محمد بن الحسین ازدی بے چارہ خود ''ضعیف'' ہے۔کوئی ''ضعیف'' کسی کو کیسے ثقہ کہہ سکتا ہے؟ یوں یہ متابعت سرے سے ثابت ہی نہیں ہے۔

شاذان فضلی نامعلوم کی سند میں علی بن جابر اودی بھی ''مجہول'' ہے۔

② اس روایت کا دوسرا راوی عبدالرحمٰن بن شریک ہے۔

۞ امام ابوحاتم الرازی رحمہ اللہ نے اسے وَاهِي الْحَدِيثِ (کمزور) کہا ہے۔

(الجرح والتعديل لابن أبي حاتم : 244/5)

امام ابن حبان رحمہ اللہ اسے اپنی کتاب (الثقات : 375/8) میں ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں : رُبَمَا أَخْطَأَ . ''کبھی کبھی غلطی کر جاتا ہے۔''

لہٰذا امام حاکم (33/2) کا اس کی ایک روایت کو ''صحیح علی شرط مسلم'' کہنا، حافظ ہیثمی (مجمع الزوائد : 68/8) کا اسے ثقہ قرار دینا اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (تقریب التہذیب : 3893) کا اسے ''صدوق'' کہنا امام ابوحاتم رازی رحمہ اللہ جیسے جمہور ائمہ کی جرح کے مقابلہ میں بالکل ہیچ ہے۔اس پر ضعف ہی غالب ہے۔

③ عبدالرحمٰن یہ روایت اپنے باپ شریک بن عبداللہ القاضی سے بیان کر رہا ہے۔شریک القاضی راوی جب کوفہ میں عہدۂ قضا پر فائز ہوئے، تو ان کا حافظہ جواب دے گیا تھا۔یہ معلوم نہیں کہ ان کے بیٹے عبدالرحمٰن بن شریک نے یہ روایت اپنے والد سے ان کا حافظہ بگڑنے سے پہلے سنی تھی یا بعد میں۔

اسی لیے حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

وَهٰذَا حَدِيثٌ بَاطِلٌ، أَمَّا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ شَرِيكٍ عَنْ أَبِيهِ؛ فَقَالَ أَبُو حَاتِمٍ الرَّازِيُّ : هُوَ وَاهِي الْحَدِيثِ، قُلْتُ : وَ (أَمَّا) أَنَا؛ فَلَا أَتَّهِمُ بِهٰذَا إِلَّا ابْنَ عُقْدَةَ، فَإِنَّهُ كَانَ رَافِضِيًّا، يُحَدِّثُ بِمَثَالِبِ الصَّحَابَةِ .

''یہ حدیث باطل ہے۔عبدالرحمٰن بن شریک اپنے باپ سے بیان کرتا ہے۔اس کے بارے میں امام ابو حاتم رازی فرماتے ہیں:وہ کمزور روایات بیان کرتا ہے۔میں کہتا ہوں:میرے خیال میں صرف ابن عقدہ ہی اس روایت کو گھڑنے والا ہے،کیونکہ وہ رافضی ہے اور صحابہ کرام کے عیوب بیان کرتا ہے۔''(الموضوعات :356/1)

روایت نمبر ④ : سیدہ اسما بنت عمیس رضی اللہ عنہا ہی سے منسوب ہے:

لَمَّا كَانَ يَوْمُ خَيْبَرَ شُغِلَ عَلِيٌّ بِمَا كَانَ مِنْ قِسْمَةِ الْغَنَائِمِ، حَتّٰى غَابَتِ الشَّمْسُ، فَسَأَلَ النَّبِيُّ عَلِيًّا؛ «هَلْ صَلَّيْتَ الْعَصْرَ؟» قَالَ : لَا، فَدَعَا اللّٰهَ، فَارْتَفَعَتْ حَتّٰى تَوَسَّطَتِ الْمَسْجِدَ، فَصَلّٰى عَلِيٌّ، فَلَمَّا صَلّٰى؛ غَابَتِ الشَّمْسُ، قَالَ : فَسَمِعْتُ لَهَا صَرِيرًا كَصَرِيرِ الْمِنْشَارِ فِي الْخَشَبَةِ .

''خیبر کے دن سیدنا علی رضی اللہ عنہ مالِ غنیمت کی تقسیم میں مشغول رہے،حتی کہ سورج غروب ہو گیا۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا:کیا آپ نے عصر کی نماز پڑھ لی ہے؟ انہوں نے عرض کیا:نہیں۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اور

سورج بلند ہوتا ہوا مسجد کے درمیان میں آ گیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھی، تو سورج کے غروب ہونے کی آواز میں نے سنی جیسا کہ کسی لکڑی میں آرا چلایا جاتا ہے۔''

(أخرجه أبو الحسن شاذان الفضلي، [كما في اللآلي المصنوعة للسيوطي : 340/1]، وأبو القاسم عبيدالله بن عبدالله الحسكاني [كما في منهاج السنّة النبويّة لابن تيمية : 191/4]، البداية والنهاية لابن كثير : 90/6)

تبصرہ :

یہ بھی جھوٹی روایت ہے، کیونکہ :

① صاحب کتاب ابوالحسن شاذان فضلی کے حالات نہیں مل سکے۔

② اس کے راوی صباح بن یحییٰ کے بارے میں :

❀ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

فِيهِ نَظَرٌ . ''یہ مجہول راوی ہے۔''(التاريخ الكبير : 315/4)

❀ امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

وَهُوَ شِيعِيٌّ، مِنْ جُمْلَةِ شِيعَةِ الْكُوفَةِ .

''یہ کوفہ کے شیعوں میں سے ہے۔''(الكامل في ضعفاء الرجال : 84/4)

❀ حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : مَتْرُوكٌ، بَلْ مُتَّهَمٌ .

''یہ متروک بلکہ متہم بالکذب راوی ہے۔''(ميزان الاعتدال : 306/2)

❀ ابن عراق رحمہ اللہ کہتے ہیں : شِيعِيٌّ، مَتْرُوكٌ، مُتَّهَمٌ .

''یہ شیعہ، متروک اور متہم بالکذب راوی ہے۔''(تنزيه الشريعة : 67/1)

اس کے بارے میں توثیق کا ادنیٰ کلمہ بھی ثابت نہیں۔

③ اس کے استاذ محمد بن صبیح دمشقی کی توثیق بھی مطلوب ہے۔

④ عبداللہ بن الحسین بن جعفر

⑤ حسین مقتول

⑥ فاطمہ بنت علی

⑦ ام الحسن بنت علی

ان سب راویوں کا تعارف اور ان کی توثیق بھی مطلوب ہے۔

روایت نمبر ⑤ : ایک روایت یوں ہے:

أَخْرَجَهُ أَبُو الْقَاسِمِ الْحَسْكَانِيُّ (كَمَا فِي مِنْهَاجِ السُّنَّةِ النَّبَوِيَّةِ لِابْنِ تَيْمِيَةِ : 190/4) عَنْ أَبِي حَفْصٍ، ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُمَرَ الْقَاضِي الْجِعَابِي، ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ جَعْفَرٍ الْعَسْكَرِيُّ مِنْ أَصْلِ كِتَابِهِ ----.

تبصرہ :

اس کی سند بھی جھوٹی اور من گھڑت ہے، کیونکہ:

① ام اشعث راویہ ''مجہولہ'' ہے۔

② احمد بن محمد بن یزید بن سلیم کے حالاتِ زندگی نہیں مل سکے۔

③ امام سفیان ثوری کی ''تدلیس'' ہے۔

❀ اس روایت کے بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَهٰذَا مِمَّا لَا يُقْبَلُ نَقْلُهُ إِلَّا مِمَّنْ عُرِفَ عَدَالَتُهُ وَضَبْطُهُ؛ لَا مِنْ مَّجْهُولِ الْحَالِ، فَكَيْفَ إِذَا كَانَ مِمَّا يَعْلَمُ أَهْلُ الْحَدِيثِ أَنَّ الثَّوْرِيَّ لَمْ يُحَدِّثْ بِهٖ، وَلَا حَدَّثَ بِهٖ عَبْدُ الرَّزَّاقِ؟ وَأَحَادِيثُ الثَّوْرِيِّ وَعَبْدِ الرَّزَّاقِ يَعْرِفُهَا أَهْلُ الْعِلْمِ بِالْحَدِيثِ، وَلَهُمْ أَصْحَابٌ يَّعْرِفُونَهَا، وَرَوَاهُ خَلَفُ بْنُ سَالِمٍ، وَلَوْ قُدِّرَ أَنَّهُمْ رَوَوْهُ؛ فَأُمُّ أَشْعَثَ مَجْهُولَةٌ، لَا يَقُومُ بِرِوَايَتِهَا شَيْءٌ .

''ایسی روایات صرف ان لوگوں سے روایت کرنا جائز ہے،جن کی عدالت اور حافظہ معروف ہو۔مجھول الحال راویوں سے ایسے بیانات لینا جائز نہیں۔پھر یہ ایسی روایت ہے،جس کے بارے میں محدثین جانتے ہیں کہ اس کو امام سفیان ثوری رحمہ اللہ اور امام عبدالرزاق رحمہ اللہ نے بیان ہی نہیں کیا۔امام سفیان ثوری رحمہ اللہ اور امام عبدالرزاق رحمہ اللہ کی تمام روایات کو محدثین جانتے ہیں۔محدثین کے تمام شاگرد بھی ان روایات سے واقف ہیں،لیکن اس روایت کو صرف خلف بن سالم نے بیان کیا ہے۔اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ محدثین نے اسے بیان کیا ہے،تو بھی اس میں ام اشعث مجہولہ راویہ ہے۔ اس کی کوئی روایت کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتی۔''

(منهاج السنّة النبويّة في نقض كلام الشيعة والقدريّة : 190/4)

❀ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَهٰذَا إِسْنَادٌ غَرِيبٌ جِدًّا، وَحَدِيثُ عَبْدِ الرَّزاق وَشَيْخِهِ الثَّوْرِيِّ مَحْفُوظٌ عِنْدَ الْأَئِمَّةِ، لَا يَكَادُ يُتْرَكُ مِنْهُ شَيْءٌ مِّنَ الْمُهِمَّاتِ،

فَكَيْفَ لَمْ يَرْوِ عَنْ عَبْدِ الرَّزَّاقِ مِثْلَ هٰذَا الْحَدِيثِ الْعَظِيمِ؛ إِلَّا خَلَفُ بْنُ سَالِمٍ، بِمَا قَبْلَهُ مِنَ الرِّجَالِ الَّذِينَ لَا يُعْرَفُ حَالُهُمْ فِي الضَّبط وَالْعَدَالَةِ كَغَيْرِهِمْ؟ ثُمَّ إِنَّ أُمَّ أَشْعَثَ مَجْهُولَةٌ .

''یہ سند انتہا درجے کی منکر ہے۔امام عبدالرزاق رحمہ اللہ اور ان کے استاذ سفیان ثوری رحمہ اللہ کی احادیث محدثین کے ہاں محفوظ ہیں، کوئی اہم روایت ان سے اوجھل نہیں رہ سکتی۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ امام عبدالرزاق رحمہ اللہ سے اس طرح کی عظیم معجزہ کی حامل حدیث صرف خلف بن سالم ہی بیان کریں۔دوسری بات یہ ہے کہ سالم سے اوپر والے راوی اپنے حافظے اور عدالت کے اعتبار سے دوسرے راویوں کی طرح مجہول الحال ہیں۔تیسرے یہ کہ ام اشعث مجہولہ ہے۔''(البداية والنهاية : 89/6)

روایت نمبر ⑥ : اس روایت کی ایک سند یوں ہے:

عَنْ حُسَيْنٍ الْأَشْقَرِ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ عَاصِمٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ، عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ عَلِيٍّ، عَنْ أَسْمَاءَ .

(أخرجه القاسم الحسكاني، كما في منهاج السنّة لابن تيمية : 191/4، 192)

تبصره :

یہ باطل سند ہے۔اس کے بارے میں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَهٰذَا إِسْنَادٌ لَّا يَثْبُتُ . ''یہ سند صحیح نہیں۔''(البداية والنهاية : 89/6)

① اس کا راوی حسین بن حسن اشقر جمہور کے نزدیک ''ضعیف'' ہے۔

۞ حافظ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وَضَعَّفَهُ الْجُمْهُورُ .

''جمہور محدثین کرام نے اسے ضعیف کہا ہے۔''(مجمع الزوائد : 102/9)

۞ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: فِيهِ نَظَرٌ .

''یہ منکر الحدیث راوی ہے۔''(التاريخ الكبير : 385/2)

نیز فرماتے ہیں: عِنْدَهُ مَنَاكِيرُ .

''اس کے پاس منکر روایات ہیں۔''(التاريخ الصغير : 291/2)

۞ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مُنْكَرُ الْحَدِيثِ، وَكَانَ صَدُوقًا .

''اس کی بیان کردہ حدیث منکر ہوتی ہے، اگرچہ وہ خود سچا تھا۔''

(سؤالات ابن هاني : 2358)

۞ امام ابوزرعہ رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هُوَ شَيْخٌ مُّنْكَرُ الْحَدِيثِ .

''یہ منکر احادیث بیان کرنے والا راوی ہے۔''

(الجرح والتعديل لابن أبي حاتم : 50/3)

۞ امام ابوحاتم رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَيْسَ بِقَوِيٍّ فِي الْحَدِيثِ . ''حدیث بیان کرنے میں بہت کمزور تھا۔''

(الجرح والتعديل : 49/3)

۞ امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

جَمَاعَةٌ مِّنْ ضُعَفَاءِ الْكُوفِيِّينَ يُحِيلُونَ بِالرِّوَايَاتِ عَلٰى حُسَيْنٍ الْأَشْقَرِ، عَلٰى أَنَّ حُسَيْنًا هٰذَا فِي حَدِيثِهٖ بَعْضُ مَا فِيهِ.

''ضعیف کوفی راویوں کی ایک جماعت حسین اشقر کی طرف روایات منسوب کرتی تھی، حالانکہ خود اس حسین کی حدیث میں بھی ضعف موجود ہے۔''

(الكامل في ضعفاء الرجال: 362/2)

❀ **امام دارقطنی** (كتاب الضعفاء والمتروكين: 195) **اور امام نسائی** رحمہما اللہ (الضعفاء والمتروكون: 146) نے بھی اسے ''غیر قوی'' قرار دیا ہے۔

❀ **حافظ ابن کثیر** رحمہ اللہ **فرماتے ہیں:** وَهُوَ شِيعِيٌّ مَّتْرُوكٌ.

''یہ شیعہ اور متروک راوی ہے۔'' (تفسير ابن كثير: 570/3)

❀ **حافظ ذہبی** رحمہ اللہ **فرماتے ہیں:** وَحُسَيْنٌ مُّتَّهَمٌ.

''حسین اشقر متہم بالکذب راوی ہے۔'' (تلخيص كتاب الموضوعات: 151/1)

❀ **حافظ ابن حجر** رحمہ اللہ **نے اسے ''ضعیف'' قرار دیا ہے۔**

(فتح الباري شرح صحيح البخاري: 28/6)

② **علی بن حسین اگر زین العابدین ہیں، تو عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن دینار نے ان کا زمانہ نہیں پایا اور اگر کوئی اور ہے، تو اسے ہم نہیں جانتے۔**

روایت نمبر ⑦ : ایک اور سند ملاحظہ ہو:

يَرْوِيهِ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْحَسَنِ، عَنْ أُمِّهٖ فَاطِمَةَ بِنْتِ حُسَيْنٍ، عَنْ أَسْمَاءَ ------.

(أخرجه أبو الحسن شاذان الفضلى، كما في اللآلي المصنوعة للسيوطي: 339/1)

تبصرہ :

یہ انتہائی جھوٹی سند ہے، کیونکہ:

① صاحبِ کتاب شاذان فضلی کون ہے؟ کوئی پتہ نہیں۔

② امام طبرانی کا استاذ اسماعیل بن الحسن خفاف ''مجہول'' ہے۔

③ یحییٰ بن سالم کے حالات زندگی نہیں مل سکے۔

④ صباح مروزی (مزنی) اگر صباح بن یحییٰ ہے، تو متہم ہے۔ اگر کوئی اور ہے تو وہ ''مجہول'' ہے۔

⑤ اسماعیل بن اسحاق راشدی کی توثیق درکار ہے۔

⑥ فاطمہ بنت حسین کا سیدہ اسما رضی اللہ عنہا سے سماع ثابت نہیں۔

روایت نمبر ⑧ : سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے:

لَمَّا كُنَّا بِخَيْبَرَ شَهِدَ رَسُولُ اللّٰهِ فِي قِتَالِ الْمُشْرِكِينَ، فَلَمَّا كَانَ مِنَ الْغَدِ، وَكَانَ مَعَ صَلَاةِ الْعَصْرِ؛ جِئْتُهُ، وَلَمْ أُصَلِّ صَلاةَ الْعَصْرِ، فَوَضَعَ رَأْسَهُ فِي حِجْرِي، فَنَامَ، فَاسْتَثْقَلَ، فَلَمْ يَسْتَيْقِظْ حَتّٰى غَرَبَتِ الشَّمْسُ، فَقُلْتُ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ، مَا صَلَّيْتُ صَلاةَ الْعَصْرِ، كَرَاهِيَةً أَنْ أُوقِظَكَ مِنْ نَّوْمِكَ، فَرَفَعَ يَدَهُ، ثُمَّ قَالَ : «اللَّهُمَّ، إِنَّ عَبْدَكَ تَصَدَّقَ بِنَفْسِهِ عَلٰى نَبِيِّكَ، فَارْدُدْ عَلَيْهِ شَرْقَهَا»، قَالَ : فَرَأَيْتُهَا عَلَى الْحَالِ فِي وَقْتِ الْعَصْرِ بَيْضَاءَ نَقِيَّةً، حَتّٰى قُمْتُ، ثُمَّ تَوَضَّأْتُ، ثُمَّ صَلَّيْتُ، ثُمَّ غَابَتْ .

''جب ہم غزوۂ خیبر میں تھے ، تو رسول اللہ ﷺ مشرکین سے لڑائی میں شریک ہوئے۔اگلے دن عصر کے وقت میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے ابھی تک عصر کی نماز نہیں پڑھی تھی۔آپ ﷺ میری گود میں سر مبارک رکھ کر سو گئے۔آپ ﷺ بیدار نہ ہوئے، یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔میں نے عرض کیا:اللہ کے رسول! میں نے عصر کی نماز نہیں پڑھی ،کیونکہ آپ کو نیند سے بیدار کرنا مجھے اچھا نہیں لگا۔آپ ﷺ نے اپنے ہاتھوں کو اٹھا کر یہ دعا کی:اللہ ! تیرے بندے نے اپنی جان کو تیرے نبی پر قربان کر رکھا تھا۔اس پر سورج کو واپس لوٹا دے۔میں نے دیکھا کہ سورج عصر کے وقت کی طرح بالکل صاف سفید روشن ہو گیا۔میں اٹھا، وضو کیا اور نماز پڑھی۔پھر سورج غروب ہو گیا۔''

(أخرجه أبو الحسن شاذان الفضلي، كما في اللآلي المصنوعة للسيوطي :341،340/1)

تبصرہ :

یہ سفید جھوٹ ہے، کیونکہ:

① شاذان کا کوئی اتہ پتہ نہیں۔یہ کوئی جھوٹ کا کاریگر لگتا ہے۔

② یحییٰ بن عبداللہ بن حسن بن علی کے حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

③ ابواسحاق ابراہیم بن رشید کون ہے؟ تعارف درکار ہے۔

④ عبداللہ بن فضل طائی کی توثیق درکار ہے۔

البتہ مالینی کہتے ہیں کہ عبداللہ بن منذر نے کہا:

كَانَ ثِقَةً؛ إِلَّا أَنَّهُ كَانَ يَغْلُو فِي التَّشَيُّعِ .

''یہ ثقہ راوی تھا، البتہ غالی شیعہ بھی تھا۔''(لسان المیزان لابن حجر : 326/3)

عبداللہ بن منذر ائمہ جرح ونقد میں سے نہیں۔ لہٰذا ان کی توثیق معتبر نہیں۔

⑤ عبیداللہ بن سعید بن کثیر بن عفیر سخت مجروح ہے۔

۞ امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَكِلَا الْحَدِيثَيْنِ يَرْوِيهِمَا عَنْهُ ابْنُهُ عُبَيْدُ اللّٰهِ، وَلَعَلَّ الْبَلَاءُ مِنْ عُبَيْدِ اللّٰه.

''ان دونوں حدیثوں کو سعید سے اس کے بیٹے عبیداللہ نے بیان کیا ہے۔ لگتا ہے کہ یہ عبیداللہ ہی کی گھڑنتل ہے۔''(الكامل في ضعفاء الرجال : 412/3)

۞ امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

يَرْوِي عَنْ أَبِيهِ عَنِ الثِّقَاتِ الْأَشْيَاءَ الْمَقْلُوبَاتِ، لَا يُشْبِهُ حَدِيثُهُ حَدِيثَ الثِّقَاتِ.

''یہ اپنے باپ سے منسوب کر کے ثقہ راویوں کی سند سے مقلوب روایتیں بیان کرتا ہے۔ اس کی حدیث ثقہ راویوں کی حدیث جیسی نہیں ہوتی۔''

(المجروحين : 67/2)

۞ حسین بن اسحاق اصبہانی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

لَا يَجُوزُ الِاحْتِجَاجُ بِخَبَرِهٖ إِذَا انْفَرَدَ.

''جب یہ کوئی روایت بیان کرنے میں منفرد ہو، تو اس کی روایت کو دلیل بنانا جائز نہیں ہوتا۔''(المجروحين : 67/2)

لہٰذا امام ابوعوانہ رحمہ اللہ کا اپنی کتاب میں اس کا ذکر کرنا مفید نہیں۔

روایت نمبر ⑨ : سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے:

قَالَ عَلِيٌّ يَوْمَ الشُّورٰى : أَنْشُدُكُمْ بِاللّٰهِ، هَلْ فِيكُمْ مَّنْ رُدَّتْ لَهُ الشَّمْسُ غَيْرِي، حِين نَام رَسُولُ اللّٰهِ، وَجَعَلَ رَأْسَهٗ فِي حِجْرِي، حَتّٰى غَابَتِ الشَّمْسُ، فَانْتَبَهَ، فَقَالَ : «يَا عَلِيُّ، صَلَّيْتَ الْعَصْرَ؟»، قُلْتُ : اللّٰهُمَّ لَا، فَقَالَ : «اللّٰهُمَّ ارْدُدْها عَلَيْهِ، فَإِنَّهٗ كَانَ فِي طَاعَتِكَ وَطَاعَةِ رَسُولِكَ» .

''سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے شوریٰ کے دن فرمایا: میں تم کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں: کیا میرے علاوہ کوئی ہے، جس کیلئے سورج واپس پلٹ آیا تھا۔ اس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری گود میں سر مبارک رکھے سو رہے تھے، یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے، تو فرمایا: علی! کیا آپ نے عصر کی نماز پڑھی ہے؟ میں نے عرض کیا: نہیں۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی: اے اللہ! ان کے لئے سورج کو واپس پلٹا دے، کیونکہ یہ تیری اور تیرے رسول کی اطاعت میں تھے۔''

(أخرجه شاذان الفضلي، كما في اللآلي المصنوعة للسيوطي :1/341)

تبصرہ :

یہ روایت صریح جھوٹ ہے اور خالص ابلیسی کارروائی ہے، کیونکہ:

① شاذان فضلی کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔

② اس کا استاذ ابوالحسن بن صفوہ بھی ''مجہول'' ہے۔

③ حسن بن علی بن محمد عدوی، طبری کی بھی توثیق درکار ہے۔

④ احمد بن علا رازی کا پتہ نہیں چل سکا۔

⑤ اسحاق بن ابراہیم تیمی کے حالاتِ زندگی نہیں مل سکے۔

⑥ ابراہیم بن یزید نخعی ''مدلس'' ہیں۔

⑦ علقمہ کا سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے سماع درکار ہے۔

روایت نمبر ⑩ : جویریہ بنتِ مسہر سے منسوب ہے:

خَرَجْتُ مَعَ عَلِيٍّ، فَقَالَ : يَا جُوَيْرِيَةُ، إِنَّ النَّبِيَّ كَانَ يُوحٰى إِلَيْهِ، وَرَأْسُهُ فِي حِجْرِي ----- .

(أخرجه أبو القاسم الحسكاني، كما في منهاج السنّة لابن تيمية : 4/194)

تبصرہ :

یہ صریح جھوٹ ہے، جیسا کہ:

❁ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَهٰذَا الْإِسْنَادُ أَضْعَفُ مِمَّا تَقَدَّمَ، وَفِيهِ مِنَ الرِّجَالِ الْمَجَاهِيلِ الَّذِينَ لَا يُعْرَفُ أَحَدُهُمْ بِعَدَالَةٍ وَّلَا ضَبْطٍ، وَانْفِرَادُهُمْ بِمِثْلِ هٰذَا الَّذِي، لَوْ كَانَ عَلِيٌّ قَالَهٗ، لَرَوَاهُ عَنْهُ الْمَعْرُوفُونَ مِنْ أَصْحَابِهٖ، وَبِمِثْلِ هٰذَا الْإِسْنَادِ عَنْ هٰذِهِ الْمَرْأَةِ، وَلَا يُعْرَفُ حَالُ هٰذِهِ الْمَرْأَةِ، وَلَا حَالُ هَؤُلَاءِ الَّذِينَ رَوَوْا عَنْهَا، بَلْ وَلَا تُعْرَفُ أَعْيَانُهُمْ، فَضْلًا عَنْ صِفَاتِهِمْ، لَا يَثْبُتُ فِيهِ شَيْءٌ، وَفِيهِ مَا

يُنَاقِضُ الرِّوَايَةَ الَّتِي هِيَ أَرْجَحُ مِنْهُ، مَعَ أَنَّ الْجَمِيعَ كَذِبٌ، فَإِنَّ الْمُسْلِمِينَ رَوَوْا مِنْ فَضَائِلِ عَلِيٍّ، وَّمُعْجِزَاتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا هُوَ دُونَ هٰذَا، وَهٰذَا لَمْ يَرْوِهِ (أَحَدٌ) مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ بِالْحَدِيثِ .

''یہ روایت گزشتہ روایت سے زیادہ سخت ضعیف ہے۔اس میں ایسے مجہول راوی ہیں جن میں سے کسی کی عدالت و ضبط معروف نہیں۔وہ اس روایت کو بیان کرنے میں منفرد ہیں۔اگر واقعی ایسا ہوتا،تو ضرور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مشہور رفقا ان سے بیان کرتے۔اس جیسی روایت کو بیان صرف ایک عورت جویریہ بنت ِمسہر نے کیا، جو خود مجہولہ ہے! پھر اس سے بیان کرنے والے راویوں کے حالات بھی معلوم نہیں، بلکہ ان کی شخصیتوں ہی کا کوئی اتہ پتہ نہیں۔یہ روایت جھوٹی ہونے کے ساتھ ساتھ ان روایات کے بھی مخالف ہے، جو اس کی نسبت راجح ہیں۔مسلمانوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے فضائل اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کو بیان کیا ہے،مگر یہ ان سب سے بڑھ کر ہے، پھر بھی کسی محدث نے اسے نقل نہیں کیا۔''(منهاج السنّة :4/194)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَهٰذَا الْإِسْنَادُ مُظْلِمٌ، وَأَكْثَرُ رِجَالِهِ لَا يُعْرَفُونَ، وَالَّذِي يَظْهَرُ، ـ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ ـ أَنَّهٗ مُرَكَّبٌ مَّصْنُوعٌ، مِمَّا عَمِلَتْهُ أَيْدِي الرَّوَافِضِ، قَبَّحَهُمُ اللّٰهُ .

''یہ سند جھوٹی ہے۔اس کے اکثر راوی مجہول ہیں جیسا کہ ظاہر ہے۔ظاہر یہی

ہو رہا ہے کہ یہ من گھڑت کہانی ہے، جو کہ رافضیوں کی گھڑنت ہے۔ اللہ ان کو تباہ و برباد کرے۔'' (البداية والنهاية : 92/6)

روایت نمبر ⑪ : سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے:

نَام رَسُولُ اللّٰهِ، وَرَأْسُهُ فِي حِجْرِ عَلِيٍّ، وَلَمْ يَكُنْ صَلَّى الْعَصْرَ حَتّٰى غَرَبَتِ الشَّمْسُ، فَلَمَّا قَامَ النَّبِيُّ؛ دَعَا لَهُ، فَرُدَّتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ حَتّٰى صَلّٰى، ثُمَّ غَابَتْ ثَانِيَةً .

''رسول اللہ ﷺ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی گود میں سر مبارک رکھے ہوئے سو گئے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ابھی تک عصر کی نماز نہیں پڑھی تھی کہ سورج غروب ہو گیا۔ جب نبی کریم ﷺ بیدار ہوئے، تو ان کے لئے دعا کی۔ سورج ان کے لیے پلٹ آیا، حتی کہ انہوں نے نماز ادا کر لی۔ پھر سورج دوبارہ غروب ہو گیا۔''

(أخرجه شاذان الفضلي، كما في اللآلي المصنوعة للسيوطي : 338/1، وأبو القاسم الحسكاني، كما في منهاج السنّة لابن تيمية : 194/4)

تبصرہ :

یہ روایت سخت ترین ''ضعیف'' ہے، کیونکہ:

① داؤد بن فراہیج کے بارے میں امام شعبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَكَانَ كَبِرَ، وَافْتَقَرَ . ''یہ زیادہ بوڑھا اور مختلط ہو گیا تھا۔''

(التاريخ الكبير للبخاري : 230/3، وسندهٗ صحيحٌ)

معلوم نہیں کہ اس نے یہ روایت کب بیان کی؟

② داؤد بن فراہیج سے نیچے ابن مردویہ تک سند بھی غائب ہے۔

اللآلي المصنوعة للسيوطی (309/3) میں مذکور اس کی دوسری باطل سند بھی ہے، کیونکہ:

① اس میں داوَد کا متابع عمارہ بن فیروز ''مجہول'' ہے۔

۞ امام عقیلی رحمہ اللہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

لَا يُتَابَعُ عَلٰی حَدِيثِهٖ . ''اس کی حدیث پر متابعت نہیں کی گئی۔''

(الضعفاء الکبیر: 316/3)

۞ حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لَا يُعْرَفُ مَنْ هُوَ .

''کوئی پتہ نہیں کہ یہ کون ہے؟'' (میزان الاعتدال: 178/3)

② یزید بن عبدالملک نوفلی جمہور محدثین کے نزدیک سخت ترین ''ضعیف'' اور ''منکر الحدیث'' ہے۔

۞ امام بخاری، امام یحییٰ بن معین، امام ابو حاتم رازی، امام ابو زرعہ رازی، امام دارقطنی، امام نسائی، امام ابن عدی اور امام بزار رحمہم اللہ نے اسے ''ضعیف'' اور ''منکر الحدیث'' کہا ہے۔

۞ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (تقریب التہذیب: 7751) نے اسے ''ضعیف'' کہا ہے۔

۞ حافظ ذہبی رحمہ اللہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

مُجْمَعٌ عَلٰی ضُعْفِهٖ .

''محدثین کرام کا اس کے ضعیف ہونے پر اتفاق ہے۔'' (میزان الاعتدال: 141/4)

۞ حافظ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَهُوَ مَتْرُوكٌ، ضَعَّفَهُ جُمْهُورُ الْأَئِمَّةِ .

''وہ متروک راوی ہے، جمہور ائمہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔''

(مجمع الزوائد : 91/4)

③ یحییٰ بن یزید بن عبدالملک راوی ''ضعیف'' اور ''منکر الحدیث'' ہے۔

④ شاذان فضلی کون ہے؟ لگتا ہے یہ اسی کی گھڑنتل ہے۔

❁ اس روایت کے بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

هٰذَا إِسْنَادٌ مُّظْلِمٌ، لَا يَثْبُتُ بِهٖ شَيْءٌ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ، بَلْ يُعْرَفُ كَذِبُهٗ مِنْ وُّجُوهٍ --- .

''یہ سند اندھیری ہے۔اہل علم کے نزدیک اس سے کچھ بھی ثابت نہیں ہوسکتا، بلکہ کئی طرح سے اس کا جھوٹا ہونا واضح ہوتا ہے۔''(منهاج السنّة : 193/4)

روایت نمبر ⑫ : سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے :

دَخَلْتُ عَلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَإِذَا رَأْسُهٗ فِي حِجْرِ عَلِيٍّ، وَقَدْ غَابَتِ الشَّمْسُ ----- .

(أخرجه أبو القاسم عبيد اللّٰه الحسكاني، كما في منهاج السنّة لابن تيمية : 193/4)

تبصرہ :

یہ بھی جھوٹی روایت ہے، جیسا کہ :

❁ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

هٰذَا الْإِسْنَادُ لَا يَثْبُتُ بِمِثْلِهٖ شَيْءٌ، وَكَثِيرٌ مِّنْ رِّجَالِهٖ لَا يُعْرَفُونَ بِعَدَالَةٍ وَّلَا ضَبْطٍ، وَلَا حَمْلٍ لِّلْعِلْمِ، وَلَا لَهُمْ ذِكْرٌ فِي كُتُبِ الْعِلْمِ .

''اس طرح کی ساری روایات غیر ثابت ہیں۔ان کے اکثر راوی عدالت،

حافظے اور علمی اعتبار سے غیر معروف ہیں۔ان کا کسی علمی اور جرح وتعدیل کی کتب میں کوئی تذکرہ نہیں۔''(منهاج السنة : 193/4)

❁ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَهٰذَا إِسْنَادٌ مُّظْلِمٌ أَيْضًا، وَمَتْنُهٗ مُنْكَرٌ، وَمُخَالِفٌ لِّمَا تَقَدَّمَهٗ مِنَ السِّيَاقَاتِ، وَكُلُّ هٰذَا يَدُلُّ عَلٰى أَنَّهٗ مَوْضُوعٌ مَّصْنُوعٌ مُّفْتَعَلٌ، يَسْرِقُهٗ هٰؤُلَاءِ الرَّافِضَةُ بَعْضُهُمْ مِّنْ بَعْضٍ، وَلَوْ كَانَ لَهٗ أَصْلٌ مِّنْ رِّوَايَةِ أَبِي سَعِيدٍ لَتَلَقَّاهُ عَنْهُ كِبَارُ أَصْحَابِهٖ .

''یہ سند بھی اندھیری ہے اور اس کا متن منکر ہے۔یہ اس واقعے کے گزشتہ سیاق کے بھی مخالف ہے۔یہ ساری چیزیں اس کے موضوع، من گھڑت اور خود ساختہ ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔روافض نے ایک دوسرے سے اس روایت کا سرقہ کیا ہے۔اگر یہ واقعی سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ ہوتی، تو اسے ان کے کبار اصحاب ضرور ان سے بیان کرتے۔''

(البداية والنهاية : 92/6)

روایت نمبر ⑬ : سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے:

كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حِجْرِ عَلِيٍّ، وَكَانَ يُوحٰى إِلَيْهِ، فَلَمَّا سُرِّيَ عَنْهُ، قَالَ : «يَا عَلِيُّ، صَلَّيْتَ الْعَصْرَ؟» قَالَ : لَا، قَالَ : «اللّٰهُمَّ، إِنَّكَ تَعْلَمُ أَنَّهٗ كَانَ فِي حَاجَتِكَ وَحَاجَةِ رَسُولِكَ، فَرُدَّ عَلَيْهِ الشَّمْسَ»، فَرَدَّهَا، فَصَلّٰى عَلِيٌّ، فَغَابَتْ .

''رسول اللہ ﷺ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی گود میں اپنا سر مبارک رکھے ہوئے تھے اور آپ ﷺ پر وحی کا نزول ہو رہا تھا۔ جب وحی ختم ہوئی، تو آپ ﷺ نے استفسار فرمایا: علی! کیا آپ نے عصر کی نماز پڑھی ہے؟ انہوں نے عرض کیا: نہیں۔ نبی کریم ﷺ نے یہ دعا کی: اے اللہ! تُو جانتا ہے کہ یہ تیرے اور تیرے رسول کے کام میں مشغول تھے، ان کے لیے سورج کو لوٹا دے۔ اللہ تعالیٰ نے سورج کو پلٹا دیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھی، تو سورج پھر غروب ہو گیا۔''

(تلخيص المتشابة للخطيب :225/1، الذرّية الطاهرة للدولابي : 164)

تبصرہ :

یہ جھوٹی روایت ہے، کیونکہ:

① اس کے راوی ابراہیم بن حیان کے بارے میں امام خطیب بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: إِبْرَاهِيمُ بْنُ حَيَّانَ فِي عِدَادِ الْمَجْهُولِينَ .

''ابراہیم بن حیان کا شمار مجہول راویوں میں ہوتا ہے۔'' (تلخيص المتشابه :225/1)

روایت نمبر ⑭ : سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے منسوب ہے:

إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ الشَّمْسَ، فَتَأَخَّرَتْ سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ .

''رسول اللہ ﷺ نے سورج کو حکم دیا، تو وہ تھوڑی دیر کے لئے لیٹ ہو گیا۔''

(المعجم الأوسط للطبراني : 4039، اللآلي المصنوعة للسيوطي :312/1)

تبصرہ :

یہ سند باطل ہے، کیونکہ:

① ولید بن عبد الواحد تمیمی راوی کے حالاتِ زندگی نہیں مل سکے۔

② ابوالزبیر ''مدلس'' ہیں اور انہوں نے سماع کی تصریح نہیں کی۔

خلاصة التحقيق :

مذکورہ تحقیق سے ثابت ہو چکا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لیے سورج کے واپس آنے کے بارے میں بیان کی جانے والی ساری کی ساری روایات ''ضعیف'' اور باطل ہیں۔ کسی میں مجہول، کسی میں ضعیف اور کسی میں متروک راوی پائے جاتے ہیں۔ لہٰذا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی یہ فضیلت پایۂ ثبوت تک نہیں پہنچتی۔

اس روایت کے بارے میں جمہور ائمہ محدثین کے اقوال ملاحظہ ہوں:

❁ حافظ ابو بکر محمد بن حاتم بن زنجویہ بخاری رحمہ اللہ اپنی کتاب [إثبات إمامة الصديق] میں فرماتے ہیں:

اَلْحَدِيثُ ضَعِيفٌ جِدًّا، لَا أَصْلَ لَهٗ، كَذَا مِمَّا كَسَبَتْ أَيْدِي الرَّوَافِضِ .

''یہ روایت سخت ضعیف اور بے اصل ہے۔ یہ روافض کی کارستانی ہے۔''

(البداية والنهاية لابن كثير : 87/6)

❁ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ امام ابن مدینی رحمہ اللہ سے نقل فرماتے ہیں کہ یہ روایت بے اصل ہے۔ (البداية والنهاية : 93/6)

❁ حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا حَدِيثٌ مُّنْكَرٌ، وَفِيهِ غَيْرُ وَاحِدٍ مِّنَ الْمَجَاهِيلِ .

''یہ حدیث منکر ہے، اس میں کئی ایک مجہول راوی ہیں۔'' (تاريخ دمشق : 314/42)

امام عقیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: فَالرِّوَایَةُ فِیهِ لِینَةٌ .

''اس روایت میں کمزوری ہے۔''(الضعفاء الکبیر : 328/3)

حافظ جورقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا حَدِیثٌ مُّنْکَرٌ مُّضْطَرِبٌ . ''یہ حدیث منکر اور مضطرب ہے۔''

(الأباطیل والمناکیر والصحاح والمشاهیر :308/1)

حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ نے اسے ''موضوع''(من گھڑت) قرار دیا ہے۔

(الموضوعات :356/1)

حافظ محمد بن ناصر بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا الْحَدِیثُ مَوْضُوعٌ . ''یہ حدیث من گھڑت ہے۔''

(البدایة والنهایة لابن کثیر : 87/6)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: صَدَقَ ابْنُ نَاصِرٍ .

''ابن ناصر نے بالکل سچ کہا ہے۔''(البدایة والنهایة لابن کثیر : 87/6)

نیز اس کے بارے میں خود حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لٰکِنَّهَا سَاقِطَةٌ، لَیْسَتْ بِصَحِیحَةٍ .

''یہ روایت جھوٹی ہے، صحیح نہیں۔''(تلخیص الموضوعات : 118)

شیخ الاسلام، امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اسے من گھڑت قرار دیا ہے۔

(منهاج السنة : 185/4، 195)

محمد بن عبید طنافسی اور یعلیٰ بن عبید طنافسی رحمہما اللہ نے بھی اسے من گھڑت ہی قرار دیا ہے۔(البدایة والنهایة لابن کثیر : 93/6)

❁ حافظ ابو الحجاج یوسف مزی رحمہ اللہ نے بھی اسے ''موضوع'' قرار دیا ہے۔

(البداية والنهاية لابن كثير : 93/6)

❁ حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے بھی اسے جھوٹی روایتوں میں ذکر کیا ہے۔

(المنار المنيف :56/1)

❁ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا الْحَدِيثُ ضَعِيفٌ وَّمُنْكَرٌ مِّنْ جَمِيعِ طُرُقِهٖ، فَلَا تَخْلُو وَاحِدَةٌ مِّنْهَا عَنْ شِيعِيٍّ، وَّمَجْهُولِ الْحَالِ، وَشِيعِيٍّ وَّمَتْرُوكٍ .

''یہ روایت اپنے جمیع طرق کے ساتھ ضعیف ومنکر ہے۔اس کی کوئی ایک سند بھی شیعہ، مجہول الحال اور شیعہ ومتروک راویوں سے خالی نہیں ہے۔''

(البداية والنهاية : 87/6)

❁ علامہ معلّمی رحمہ اللہ اس روایت پر یوں تبصرہ کرتے ہیں:

هٰذِهِ الْقِصَّةُ أَنْكَرَهَا أَكْثَرُ أَهْلِ الْعِلْمِ، لِأَوْجُهٍ؛ اَلْأَوَّلُ : أَنَّهَا لَوْ وَقَعَتْ؛ لَنُقِلَتْ نَقْلًا يَّلِيقُ بِمِثْلِهَا، اَلثَّانِي : أَنَّ سُنَّةَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ فِي الْخَوَارِقِ أَنْ تَكُونَ لِمَصْلِحَةٍ عَظِيمَةٍ، وَلَا يَظْهَرُ هُنَا مَصْلِحَةٌ، فَإِنَّهٗ إِنْ فُرِضَ أَنَّ عَلِيًّا فَاتَتْهُ صَلَاةُ الْعَصْرِ، كَمَا تَقُولُ الْحِكَايَةُ، فَإِنْ كَانَ ذٰلِكَ لِعُذْرٍ؛ فَقَدْ فَاتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةُ الْعَصْرِ يَوْمَ الْخَنْدَقِ لِعُذْرٍ، وَفَاتَتْهُ وَأَصْحَابَهٗ صَلَاةُ الصُّبْحِ فِي سَفَرٍ، فَصَلَّاهُمَا بَعْدَ الْوَقْتِ، وَبَيَّنَ أَنَّ مَا وَقَعَ لِعُذْرٍ؛ فَلَيْسَ فِيهِ تَفْرِيطٌ، وَجَائَتْ عِدَّةُ أَحَادِيثَ فِي أَنَّ مَنْ

كَانَ يُحَافِظُ عَلٰى عِبَادَةٍ، ثُمَّ فَاتَتْهُ لِعُذْرٍ؛ يَكْتُبُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ لَهُ أَجْرَهَا كَمَا كَانَ يُؤَدِّيهَا، وَإِنْ كَانَ لِغَيْرِ عُذْرٍ؛ فَتِلْكَ خَطِيئَةٌ إِذَا أَرَادَ اللّٰهُ تَعَالٰى مَغْفِرَتَهَا؛ لَمْ يَتَوَقَّفْ ذٰلِكَ عَلٰى إِطْلَاعِ الشَّمْسِ مِنْ مَّغْرِبِهَا، وَلَا يَظْهَرُ لِإِطْلَاعِهَا مَعْنًى، كَمَا أَنَّهُ لَوْ قَتَلَ رَجُلٌ آخَرَ ظُلْمًا، ثُمَّ أَحْيَا اللّٰهُ الْمَقْتُولَ؛ لَمْ يَكُنْ فِي ذٰلِكَ مَا يُكَفِّرُ ذَنْبَ الْقَاتِلِ، اَلثَّالِثُ : إِنَّ طُلُوعَ الشَّمْسِ مِنْ مَّغْرِبِهَا آيَةٌ قَاهِرَةٌ، إِذَا رَآهَا النَّاسُ آمَنُوا جَمِيعًا، كَمَا ثَبَتَ فِي الْأَحَادِيثِ الصَّحِيحَةِ، وَبِذٰلِكَ فُسِّرَ قَوْلُ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ ﴿**يَوْمَ يَأْتِي بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ**﴾(الأنعام 6 : 158)، فَكَيْفَ يَقَعُ مِثْلُ هٰذَا فِي حَيَاةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَا يُنْقَلُ أَنَّهُ تَرَتَّبَ عَلَيْهِ إِيمَانُ رَجُلٍ وَّاحِدٍ.

''کئی وجوہ کی بنا پر اہل علم نے اس قصے کو منکر قرار دیا ہے؛① اگر ایسا واقعی رونما ہوا ہوتا، تو اسے اہم واقعات کی طرح (کثرت سے) نقل کیا جاتا۔ ② خارقِ عادت کاموں کے بارے میں اللہ عزوجل کی سنت یہ ہے کہ وہ کسی عظیم مصلحت کے پیش نظر رونما ہوتے ہیں، لیکن اس واقعہ میں ایسی کوئی مصلحت نظر نہیں آ رہی۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ واقعی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی نمازِ عصر رہ گئی تھی، تو وہ یا کسی عذر کی وجہ سے رہی ہو گی، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ عصر بھی غزوۂ خندق کے موقع پر رہ گئی تھی۔ اسی طرح صحابہ کرام کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں نمازِ فجر بھی لیٹ ہو گئی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام

نے نماز کا وقت گزر جانے کے بعد نماز ادا کی تھی۔ پھر آپ ﷺ نے یہ وضاحت بھی فرمائی کہ اگر کسی عذر کی وجہ سے ایسا ہو جائے، تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا۔ بے شمار احادیث میں یہ بات بھی بیان ہوئی ہے کہ جو شخص پابندی کے ساتھ کسی عبادت کو سرانجام دیتا ہے، اگر کسی عذر کی وجہ سے کبھی وہ عبادت رہ جائے، تو اس کو اسی طرح اجر ملتا ہے، جس طرح ادا کرنے پر ملتا تھا۔ اور اگر یہ مانا جائے کہ (معاذ اللہ) سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بغیر کسی عذر کے نمازِ عصر کو لیٹ کیا تھا، تو یہ ایک گناہ تھا، جسے اللہ چاہتا تو معاف فرما دیتا اور اس معافی کے لیے سورج کو مغرب سے طلوع کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی، نہ اس کا کوئی فائدہ۔ اگر کوئی آدمی کسی کو ناجائز قتل کر دے، پھر اللہ رب العزت مقتول کو دوبارہ زندہ کر دیں، تو اس سے قاتل کا گناہ کسی صورت معاف نہیں ہو گا۔ یہ صورت بھی ایسی ہی ہے۔ ③ مغرب کی طرف سے سورج کا طلوع ہونا بڑی سخت نشانی ہے اور جب لوگ اس کو دیکھیں گے، تو سب ایمان لے آئیں گے، جیسا کہ صحیح احادیث سے ثابت ہے اور اللہ رب العزت کے اس فرمان کی تفسیر بھی یہی کی گئی ہے: ﴿يَوْمَ يَأْتِي بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ﴾(الأنعام 6 : 158)﴾ (جس روز آپ کے رب کی کوئی بڑی نشانی آ پہنچے گی، کسی ایسے شخص کا ایمان اس کے کام نہیں آئے گا، جو اس سے پہلے مؤمن نہیں ہو گا)۔ اب کیسے ممکن ہے کہ ایسی نشانی نبی کریم ﷺ کی حیاتِ طیبہ ہی میں رونما ہو جائے اور پھر اس کے نتیجے میں کسی ایک بھی شخص کے ایمان لانے کے بارے میں کوئی بات نقل نہیں کی گئی۔"(حاشية الفوائد المجموعة للشوكاني : 358، 357)

نبی کریم ﷺ کو کائنات میں سب سے زیادہ محبوب ہستی سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تھی۔اس مضمون کے آخر میں صحیح وصریح احادیثِ نبویہ کی روشنی میں تفصیلاً یہ بات بیان کر دی گئی ہے۔

بعض لوگ ان صحیح وصریح احادیث کے خلاف حدیث الطیر پیش کرتے ہیں۔ آیئے اس روایت پر اصولِ محدثین کے مطابق تحقیق ملاحظہ فرمائیں :

① حدیث انس رضی اللہ عنہ :

① سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے :

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ عِنْدَهٗ طَائِرٌ، فَقَالَ : «اللّٰهُمَّ ائْتِنِي بِأَحَبِّ خَلْقِكَ إِلَيْكَ يَأْكُلُ مَعِي مِنْ هٰذَا الطَّيْرِ»، فَجَاءَ أَبُو بَكْرٍ، فَرَدَّهٗ، وَجَاءَ عُمَرُ، فَرَدَّهٗ، وَجَاءَ عَلِيٌّ، فَأَذِنَ لَهٗ .

''نبی کریم ﷺ کے پاس ایک (پکا ہوا) پرندہ تھا۔آپ ﷺ نے دعا کی : اے اللہ! اپنے اس بندے کو بھیج دے، جو تجھے تیری مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب ہے، وہ میرے ساتھ اس پرندے کا گوشت کھائے۔پھر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے،لیکن آپ ﷺ نے ان کو واپس بھیج دیا۔اس کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ آئے،تو انہیں بھی واپس بھیج دیا۔پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے،تو

آپ ﷺ نے ان کو اجازت دے دی۔'' (السنن الكبرٰى للنسائي : 107/5، ح : 8398، خصائص علي بن أبي طالب للنسائي : 10)

تبصرہ :

یہ ''ضعیف'' اور ''منکر'' روایت ہے، کیونکہ :

① اس کا ایک راوی مسہر بن عبد الملک کمزور راوی ہے۔

(تقريب التهذيب لابن حجر : 6667)

❀ اس کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

فِيهِ بَعْضُ النَّظَرِ . ''اس پر بعض محدثین نے کلام کی ہے۔''

(التاريخ الصغير : 250/2)

❀ امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

وَلِمُسْهِرٍ غَيْرُ مَا ذَكَرْتُ، وَ لَيْسَ بِالْكَثِيرِ .

''مسہر نے اس کے علاوہ بھی روایات بیان کی ہیں، مگر یہ کثیر الروایہ نہیں ہے۔'' (الكامل في ضعفاء الرجال : 458/6)

❀ امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اسے الثقات (197/9) میں ذکر کر کے لکھا ہے :

يُخْطِئُ وَيَهِمُ . ''یہ راوی غلطیوں اور اوہام کا شکار تھا۔''

❀ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اسے ''لین'' (کمزور راوی) کہا ہے۔

(المقتنٰى في سرد الكنٰى : 5419)

نیز انہوں نے اسے ليس بالقوى (قوی نہیں ہے) بھی کہا ہے۔

(المغني في الضعفاء : 658/2)

واضح طور پر اسے صرف حسن بن حماد نصیبی وراق نے ثقہ کہا ہے۔

(مسند أبي يعلى : 4052، الكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي : 457/6، وسندهٗ صحيحٌ)

جمہور محدثین نے اس روایت کو ''ضعیف'' کہا ہے۔اس روایت کی بہت ساری سندیں ہیں۔ وہ ساری کی ساری ''ضعیف'' ہیں۔ ذیل میں ہر ایک سند کے ضعف کو واضح کیا جاتا ہے۔

② طريق السدّي عن أنس ----.

(سنن الترمذي :3721، مسند أبي يعلى : 4052، العلل المتناهية لابن الجوزي :229/1)

تبصرہ :

یہ ''منکر'' روایت ہے، کیونکہ اس کا راوی عبیداللہ بن موسیٰ عبسی اگرچہ صحاح ستہ کا راوی ہے اور ثقہ ہے، لیکن محدثین کرام نے اس کی اس خاص روایت پر کلام کر رکھی ہے۔

❀ امام ابن سعد رحمہ اللہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں :

كَانَ ثِقَةً صَدُوقًا، إِنْ شَاءَ اللّٰهُ، كَثِيرَ الْحَدِيثِ، حَسَنَ الْهَيْئَةِ، وَكَانَ يَتَشَيَّعُ، وَيَرْوِي أَحَادِيثَ فِي التَّشَيُّعِ مُنْكَرَةً، فَضُعِّفَ بِذٰلِكَ عِنْدَ كَثِيرٍ مِّنَ النَّاسِ.

''یہ ان شاء اللہ ثقہ وصدوق اور کثیر الحدیث راوی ہے۔ یہ خوش شکل اور شیعہ بھی ہے۔ تشیع میں منکر روایتیں بیان کرتا ہے، اسی بنا پر بہت سے محدثین نے اس کو ضعیف قرار دے دیا ہے۔'' (الطبقات الكبرى : 368/6)

یوں یہ روایت ''منکر'' ہی ہے۔

③ طريق الحارث بن نبهان عن السدي عن أنس ----.

(تاريخ دمشق لابن عساكر : 356/42)

تبصرہ :

یہ من گھڑت سند ہے، کیونکہ اس میں حارث بن نبہان ''منکر الحدیث''اور''متروک الحدیث'' راوی ہے۔

④ طریق حمّاد بن المختار عن عبد الملك بن عمير ----.

(المعجم الكبير للطبراني : 253/1، تاريخ دمشق لابن عساكر : 254/42، العلل المتناهية لابن الجوزي : 228/1)

تبصرہ :

یہ سند ''ضعیف'' ہے، کیونکہ اس کا راوی حماد بن مختار ''مجہول'' ہے۔

❁ اس کے بارے میں امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

وَلَيْسَ بِالْمَعْرُوفِ. ''یہ غیر معروف راوی ہے۔''

(الكامل في ضعفاء الرجال : 252/2)

❁ حافظ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : وَلَمْ أَعْرِفْهُ.

''میں اسے نہیں جانتا۔''(مجمع الزوائد : 125/9)

❁ حافظ ذہبی رحمہ اللہ کہتے ہیں : لَا يُعْرَفُ.

''یہ غیر معروف راوی ہے۔''(ميزان الاعتدال : 599/1)

اس میں ایک اور علتِ قادحہ بھی ہے۔

⑤ قطن بن نسير، ثنا جعفر بن سليمان : ثنا عبد اللّٰه بن

المثنّٰی عن عبد اللّٰه بن أنس ----.

(الكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي : 2/147، 148، ت : 383، تاريخ دمشق لابن عساكر : 42/247)

تبصره :

یہ ''منکر'' روایت ہے، کیونکہ اس کا راوی جعفر بن سلیمان ضبعی ثقہ اور حسن الحدیث ہے۔ یہ صحیح مسلم کا راوی ہے اور اجماعِ امت کی بنا پر صحیح مسلم میں مذکور اس کی ساری روایات صحیح ہیں۔ صحیح مسلم کے علاوہ اس کی بعض روایات منکر بھی ہیں۔جن روایات پر جمہور محدثین نے کلام کر دی ہے ان میں یہ روایت بھی ہے۔

❀ اس کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

يُخَالَفُ فِي بَعْضِ حَدِيثِهٖ .

''بعض احادیث میں ثقہ راوی اس کی مخالفت کرتے ہیں۔''

(التاريخ الكبير : 2/192)

❀ حافظ جوزجانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

رَوٰى أَحَادِيثَ مُنْكَرَةً، وَهُوَ ثِقَةٌ مُّتَمَاسِكٌ، كَانَ لَا يَكْتُبُ .

''اس نے کچھ منکر روایات بیان کی ہیں، اگرچہ یہ ثقہ و ضابط ہے، یہ اپنے حافظے سے بیان کرتا تھا، اپنی روایات کو لکھتا نہیں تھا۔''(أحوال الرجال : 173)

❀ حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

وَهُوَ صَدُوقٌ فِي نَفْسِهٖ، وَيَنْفَرِدُ بِأَحَادِيثَ عِدَّةٍ، مِمَّا يُنْكَرُ .

''یہ ذاتی طور پر ثقہ راوی ہے، مگر اس نے کئی منکر روایات منفرد بیان کی ہیں۔''

(میزان الاعتدال :410/1)

فائدہ جلیلہ :

✿ شیخ الاسلام ثانی، عالم ربانی، علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے کیا خوب کہا ہے :

وَلَا عَيْبَ عَلٰى مُسْلِمٍ فِي إِخْرَاجِ حَدِيثِهٖ، لِأَنَّهٗ يَنْتَقِي مِنْ أَحَادِيثِ هٰذَا الضَّرْبِ مَا يَعْلَمُ أَنَّهٗ حَفِظَهٗ، كَمَا يَطْرَحُ مِنْ أَحَادِيثِ الثِّقَةِ مَا يَعْلَمُ أَنَّهٗ غَلِطَ فِيهِ، فَغَلِطَ فِي هٰذَا الْمَقَامِ مَنِ اسْتَدْرَكَ عَلَيْهِ إِخْرَاجَ جَمِيعِ حَدِيثِ الثِّقَةِ، وَمَنْ ضَعَّفَ جَمِيعَ حَدِيثِ سَيِّءِ الْحِفْظِ، فَالْأُولٰى طَرِيقَةُ الْحَاكِمِ وَأَمْثَالِهٖ، وَالثَّانِيَةُ طَرِيقَةُ أَبِي مُحَمَّدِ ابْنِ حَزْمٍ وَّأَشْكَالِهٖ، وَطَرِيقَةُ مُسْلِمٍ هِيَ طَرِيقَةُ أَئِمَّةِ هٰذَا الشَّأْنِ .

''جعفر بن سلیمان کی احادیث بیان کرنا امام مسلم رحمہ اللہ کے لیے کوئی عیب والی بات نہیں، کیونکہ وہ اس قسم کے راویوں کی ان روایات کا انتخاب کرتے ہیں، جن کے بارے میں وہ جانتے ہوتے ہیں کہ وہ انہیں یاد ہیں۔ جس طرح کہ وہ ثقہ راویوں سے منقول ایسی روایات کو چھانٹ دیتے ہیں، جن کے متعلق ان کو علم ہوتا ہے کہ ان میں غلطی ہے۔ اس مقام پر ان لوگوں نے غلطی کی ہے، جنہوں نے کسی ثقہ راوی کی بیان کردہ تمام روایات کو استدراکاً ذکر کر دیا ہے، یا خراب حافظے والے راویوں کی تمام روایات کو ضعیف قرار دے دیا ہے۔ پہلے گروہ کی مثال امام حاکم رحمہ اللہ اور ان کی مثل دوسرے لوگ ہیں، (جو

صحیحین کے راویوں کی تمام روایات کو صحیح قرار دیتے ہیں) اور دوسرے گروہ کی مثال علامہ ابن حزم رحمہ اللہ اور ان جیسے دوسرے لوگ ہیں، (جو خراب حافظے والے راویوں کی تمام روایات کو ضعیف کہتے ہیں)۔ امام مسلم رحمہ اللہ کا طریقہ کار وہی ہے، جو اس فن کے لائق ائمہ کرام کا ہے۔'' (زاد المعاد: 136/1)

⑥ أبو الهندي عن أنس ----.

(مشيخة ابن شاذان: 5، تاريخ بغداد للخطيب: 171/3، العلل المتناهية لابن الجوزي: 227/1، تاريخ دمشق لابن عساكر: 253/42)

تبصرہ:

یہ سند بھی ''ضعیف'' ہے، کیونکہ ابوالہندی راوی ''مجہول'' ہے۔

❁ امام خطیب بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مَجْهُولٌ، وَاسْمُهُ لَا يُعْرَفُ.

''یہ مجہول ہے۔ اس کا تو نام بھی معلوم نہیں۔''

❁ حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لَا يُعْرَفُ.

''یہ غیر معروف راوی ہے۔'' (میزان الاعتدال: 583/4)

⑦ عن إسماعيل بن سلمان الأزرق عنه ----.

(التاريخ الكبير للبخاري: 358/1، مسند البزّار: 7547)

تبصرہ:

یہ سند سخت ترین ''ضعیف'' ہے، کیونکہ اس کا راوی اسماعیل بن سلمان ازرق سخت ''ضعیف'' ہے۔

اسے امام یحییٰ بن معین، امام ابو زرعہ رازی، امام ابو حاتم رازی، امام نسائی، امام ابن نمیر، امام دارقطنی، امام یعقوب بن سفیان فسوی، امام ابن حبان اور جمہور محدثین کرام رحمہم اللہ نے ''ضعیف'' اور ''متروک'' قرار دیا ہے۔

⑧ عثمان الطويل عن أنس ----.

(التاريخ الكبير للبخاري : 3/2، تاريخ دمشق لابن عساكر : 250/42)

تبصرہ :

یہ سند بھی ''ضعیف'' ہے، کیونکہ :

① اس کا راوی عثمان الطّویل ''متکلم فیہ'' ہے۔

❁ امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اسے الثقات (157/5) میں ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں : رُبَّمَا أَخْطَأَ . ''کبھی غلطی کر جاتا ہے۔''

❁ امام ابو حاتم رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : هُوَ شَيْخٌ .

(الجرح والتعديل لابن أبي حاتم : 173/6)

❁ امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

عُثْمَانُ الطَّوِيلُ عَزِيزُ السَّنَدِ، إِنَّمَا لَهُ هٰذَا وَآخَرُ عَنْ أَنَسٍ .

''عثمان الطّویل کی سند عزیز (دو واسطوں والی) ہے۔اس کی ایک یہ روایت ہے، دوسری ایک روایت سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے ہے۔''

(الكامل في ضعفاء الرجال : 166/3، وفي نسخة : 1026/3، ترجمة رفيع أبي العالية)

❁ امام شعبہ رحمہ اللہ نے اس سے روایت لی ہے، لیکن امام بزار رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

عَنْ أَنَسٍ مِّنْ وُّجُوهٍ، وَكُلُّ مَنْ رَوَاهُ عَنْ أَنَسٍ، فَلَيْسَ بِالْقَوِيِّ .

''اس روایت کو سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے کئی سندوں کے ساتھ روایت کیا گیا ہے، البتہ جو بھی سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بیان کرتا ہے، وہ قوی نہیں۔''

(مسند البزّار : 7548)

❁ امام خلیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : وَمَا رَوٰی حَدِيثَ الطَّيْرِ ثِقَةٌ .

''حدیث الطیر کسی بھی ثقہ راوی نے بیان نہیں کی۔''(الإرشاد : 420/1)

لہٰذا اس کا ضعف ہی راجح ہے۔

② امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

وَلَا يُعْرَفُ لِعُثْمَانَ سَمَاعٌ مِّنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ .

''عثمان الطّویل کا سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں۔''

(التاريخ الكبير : 3/2)

لہٰذا یہ سند ''انقطاع'' کی بنا پر بھی ''ضعیف'' ہے۔

⑨ عن محمّد بن عياض، عن يحيى بن حسّان، عن سليمان ابن بلال، عن يحيى بن سعيد عن أنس ---- .

(المستدرك على الصحيحين للحاكم : 130/3)

تبصرہ :

اس کی سند ''ضعیف'' ہے، کیونکہ :

① اس میں ابن عیاض راوی ''مجہول'' ہے۔

❁ حافظ ذہبی رحمہ اللہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں :

فَلَا أَعْرِفُهُ. ''میں اسے نہیں جانتا۔''(میزان الاعتدال: 465/3)

❁ حافظ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وَلَمْ أَعْرِفْهُ.

''میں نہیں جانتا کہ یہ کون ہے۔''(مجمع الزوائد: 125/9)

② محمد بن احمد بن عیاض بن ابوطیبہ راوی بھی ''مجہول الحال'' ہے۔

لہٰذا امام حاکم رحمہ اللہ کا اس روایت کو ''بخاری ومسلم کی شرط پر صحیح'' کہنا تساہل پر مبنی ہے۔

❁ ان کے رد میں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَهٰذَا فِيهِ نَظَرٌ. ''امام حاکم کی یہ بات محل نظر ہے۔''

(البداية والنهاية: 387/7)

⑩ عن إسماعيل بن سليمان الرازي، عن عبد الملك بن أبي سليمان، عن عطاء عن أنس ----.

(المعجم الكبير للطبراني: 7462، تاريخ بغداد للخطيب: 36/9، العلل المتناهية لابن الجوزي: 227/1، ح: 365)

تبصرہ:

یہ سند بھی باطل ہے، کیونکہ:

① اس میں کئی ''مجہول'' راویوں نے ڈیرے ڈالے ہوئے ہیں۔ اس روایت کی صحت کے مدعی پر تمام راویوں کی توثیق پیش کرنا واجب ہے۔

② اسماعیل بن سلیمان رازی کے بارے میں:

❁ امام عقیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اَلْغَالِبُ عَلٰى حَدِيثِهِ الْوَهْمُ. ''اس کی حدیث پر وہم کا غلبہ ہے۔''

(الضعفاء الكبير :82/1)

مذکورہ بالا حدیث اور ایک دوسری حدیث ذکر کرنے کے بعد امام عقیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

كِلَاهُمَا لَا يُتَابَعُ عَلَيْهِ، وَلَيْسَا بِمَحْفُوظَيْنِ .

''ان دونوں روایتوں کی متابعت نہیں ملتی۔ یہ دونوں غیر محفوظ ہیں۔''

(الضعفاء الكبير :82/1)

❀ حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَهٰذَا لَا يَصِحُّ، وَفِيهِ مَجَاهِيلَ، لَا يُعْرَفُونَ .

''یہ روایت صحیح نہیں۔ اس میں ایسے مجہول راوی ہیں، جن کی معرفت نہیں ہو سکتی۔''(العلل المتناهية :227/1، ح :365)

⑪ عن مسلم بن كيسان، عن أنس ---- .

(الموضح للخطيب البغدادي : 398/2، العلل المتناهية لابن الجوزي :236/1، تاريخ دمشق لابن عساكر : 256/42، مناقب علي بن أبي طالب لابن المغازلي : 398)

تبصرہ :

اس کی سند سخت ''ضعیف'' ہے، کیونکہ اس کا راوی مسلم بن کیسان اعور جمہور محدثین کرام کے نزدیک ''ضعیف'' ہے۔

❀ حافظ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وَضَعَّفَهُ جَمَاعَةٌ كَثِيرُونَ .

''محدثین کی ایک کثیر جماعت نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔''

(مجمع الزوائد :29/1)

❀ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: يَتَكَلَّمُونَ فِيهِ .

''محدثین کرام نے اس پر جرح کی ہے۔''(التاریخ الکبیر : 271/7)

۞ امام فلاس رحمہ اللہ فرماتے ہیں: هُوَ مُنْكَرُ الْحَدِيثِ جِدًّا .

''یہ سخت منکر الحدیث راوی ہے۔''(الجرح والتعديل لابن أبي حاتم : 192/8)

۞ امام ابوحاتم رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

يَتَكَلَّمُونَ فِيهِ، وَهُوَ ضَعِيفُ الْحَدِيثِ .

''اس پر محدثین نے جرح کی ہے اور یہ ضعیف الحدیث راوی ہے۔''

(الجرح والتعديل لابن أبي حاتم : 192/8)

۞ امام ابوزرعہ رازی رحمہ اللہ بھی فرماتے ہیں کہ یہ ''ضعیف الحدیث'' ہے۔

(الجرح والتعديل لابن أبي حاتم : 192/8)

۞ امام احمد بن حنبل، امام نسائی، امام جوزجانی، امام یحییٰ بن معین اور جمہور محدثین رحمہم اللہ اسے ''ضعیف''ہی کہتے ہیں۔

۞ امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وَالضَّعْفُ عَلٰى رِوَايَاتِهٖ بَيِّنٌ .

''اس کی روایات میں ضعف واضح نظر آتا ہے۔''

(الكامل في ضعفاء الرجال : 308/6، ت : 1796)

۞ امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اِخْتَلَطَ فِي آخِرِ عُمُرِهٖ، كَانَ لَا يَدْرِي مَا يُحَدِّثُ بِهٖ، فَجَعَلَ يَأْتِي بِمَا لَا أَصْلَ لَهٗ عَنِ الثِّقَاتِ، فَاخْتَلَطَ حَدِيثُهٗ وَلَمْ يَتَمَيَّزْ .

''یہ آخری عمر میں حافظے کے اختلاط کا شکار ہو گیا تھا، اس کو پتہ ہی نہیں چلتا تھا کہ اس نے کیا بیان کیا ہے۔ چنانچہ اس نے ثقہ راویوں سے منسوب کر کے

بے اصل روایات بیان کر دیں۔ یوں اس کی بیان کردہ روایات خلط ملط ہو گئیں اور صحیح وضعیف میں تمیز نہیں ہوسکی۔''(المجروحين : 8/3)

⑫ عن إبراهيم بن ثابت البنانيّ، عن أنس ---- .

(الضعفاء الكبير للعقيلي :46/1، المستدرك للحاكم : 131/3)

تبصرہ :

یہ سخت ''ضعیف'' سند ہے، کیونکہ اس کے راوی ابراہیم بن ثابت قصار بصری کے بارے میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ضَعِيفٌ جِدًّا .

''یہ سخت ضعیف راوی ہے۔''(المغني في الضعفاء :10/1)

نیز فرماتے ہیں کہ یہ ''ساقط'' راوی ہے۔(تلخيص المستدرك : 131/3)

⑬ عن بشر بن الحسين، عن الزبير بن عدي عن أنس ---- .

(أخبار أصبهان لأبي نعيم الأصبهاني :232/1، تاريخ دمشق لابن عساكر : 252/42، مناقب علي بن أبي طالب لابن المغازلي : 163)

تبصرہ :

یہ سند بھی باطل ہے۔، کیونکہ اس کے راوی بشر بن حسین اصبہانی کے بارے میں :

❀ امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

بِشْرُ بْنُ حُسَيْنٍ أَصْبَهَانِيٌّ عَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ عَدِيٍّ، وَلَهُ عَنْهُ نُسْخَةٌ مَّوْضُوعَةٌ، وَالزُّبَيْرُ ثِقَةٌ .

''بشر بن حسین اصبہانی زبیر بن عدی سے بیان کرتا ہے، زبیر بن عدی تو ثقہ ہیں،لیکن بشر نے ان سے منسوب کر کے موضوع روایات پر مشتمل ایک نسخہ

بنایا ہوا ہے۔‘‘(الضعفاء والمتروكون : 126)

یہی بات امام ابو حاتم رازی رحمہ اللہ نے بھی کہی ہے۔

(الجرح والتعديل لابن أبي حاتم : 355/2)

❁ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: فِيهِ نَظَرٌ .

’’اس پر محدثین کی جرح موجود ہے۔‘‘(التاريخ الصغير : 26/2)

❁ امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَعَامَّةُ حَدِيثِهِ لَيْسَ بِالْمَحْفُوظِ .

’’اس کی اکثر روایات غیر محفوظ ہیں۔‘‘(الكامل في ضعفاء الرجال : 11/2)

نیز انہوں نے اسے ’’ضعیف‘‘ بھی کہا ہے۔(الكامل : 11/2)

❁ امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

يَرْوِي عَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ عَدِيٍّ بِنُسْخَةٍ مَّوْضُوعَةٍ .

’’یہ زبیر بن عدی سے موضوع روایات پر مشتمل نسخہ سے بیان کرتا ہے۔‘‘

(المجروحين من المحدّثين والضعفاء والمتروكين :190/1)

❁ امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

يَرْوِي عَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ عَدِيٍّ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، وَغَيْرِهٖ كِتَابًا يَّزِيدُ عَدَدُهٗ عَلٰى مِائَةٍ وَّخَمْسِينَ حَدِيثًا، أَكْثَرُهَا مَوْضُوعَةٌ .

’’یہ زبیر بن عدی کے واسطے سے سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ وغیرہ سے روایات بیان کرتا ہے۔اس کے پاس ایک کتاب تھی، جس میں ایک سو پچاس سے زائد روایات تھیں۔ان میں سے اکثر من گھڑت تھیں۔‘‘

(المدخل إلى الصحيح، ص: 123)

یہ روایت بھی بشر نے زبیر بن عدی سے بیان کی ہے، لہٰذا یہ روایت جھوٹی ہے۔

⑭ عن عبد اللّٰہ بن محمّد بن عمارة، عن مالك، عن إسحاق بن عبد اللّٰہ، عن أنس ----.

(حلية الأولياء وطبقات الأصفياء لأبي نعيم الأصبهاني: 339/6، العلل المتناهية لابن الجوزي: 225/1)

تبصرہ:

یہ ''ضعیف'' سند ہے، کیونکہ ابن عمارہ راوی کے بارے میں:

❀ حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مَسْتُورٌ، مَا وُثِّقَ وَلَا ضُعِّفَ.

''یہ مستور راوی ہے۔ اس کی نہ توثیق کی گئی ہے، نہ تضعیف۔''

(ميزان الاعتدال: 489/2)

❀ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

أَوْرَدَ لَهُ الدَّارَقُطْنِيُّ فِي الْغَرَائِبِ عَنْ مَّالِكٍ، عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ أَنَسٍ، حَدِيثَ الطَّيْرِ، وَهُوَ مُنْكَرٌ، وَقَالَ: تَفَرَّدَ ابْنُ عُمَارَةَ عَنْ مَّالِكٍ، وَغَيْرُهُ أَثْبَتُ مِنْهُ.

''امام دارقطنی رحمہ اللہ نے حدیث الطیر کو اپنی کتاب الغرائب میں مالک عن اسحاق بن عبداللہ عن انس کی سند سے نقل کیا ہے۔ یہ منکر روایت ہے۔ امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مالک سے بیان کرنے میں ابن عمارہ منفرد ہے، یہ

ضعیف راوی ہے۔''(لسان المیزان : 336/3)

⑮ عن أبي مكيس دينار، عن أنس ---- .

(تاريخ جرجان للسهمي، ص : 169، تاريخ بغداد للخطيب : 382/8، العلل المتناهية لابن الجوزي :229/1)

تبصرہ :

یہ سند بھی جھوٹی ہے، کیونکہ ابومکیس دینار کے بارے میں :

❀ حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

سَاقِطٌ . ''یہ سخت ضعیف راوی ہے۔''(المغني في الضعفاء :224/1)

نیز فرماتے ہیں : عَنْ أَنَسٍ، ذَاكَ التَّالِفُ الْمُتَّهَمُ .

''یہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایات بیان کرتا ہے۔سخت ضعیف اور متہم بالکذب ہے۔''(میزان الاعتدال : 30/2)

❀ امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

مُنْكَرُ الْحَدِيثِ، ذَاهِبُ الْحَدِيثِ، شِبْهُ الْمَجْهُولِ .

''اس کی بیان کردہ احادیث منکر اور سخت ضعیف ہیں۔یہ مجہول جیسا ہے۔''

(الكامل في ضعفاء الرجال : 109/3، 112)

⑯ عن يغنم بن سالم، عن أنس ---- .

(فضائل الخلفاء الراشدين لأبي نعيم الأصبهاني : 50، مناقب عليّ بن أبي طالب لابن المغازلي : 164، 171)

تبصرہ :

یہ جھوٹی سند ہے، کیونکہ یغنم بن سالم راوی کے بارے میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ سخت جھوٹا راوی تھا۔(المغني في الضعفاء : 760/2)

❀ امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

شَيْخٌ يَّضَعُ الْحَدِيثَ عَلٰى أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ .

''یہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے منسوب کر کے جھوٹی روایات بیان کرتا ہے۔''

(المجروحين : 145/3)

⑰ عن عليّ بن الحسن، حدّثنا خليد بن دعلج، عن قتادة عن أنس ---- .

(تاريخ دمشق لابن عساكر : 250/42، مناقب علي بن أبي طالب لابن المغازلي : 169)

تبصرہ :

یہ بھی جھوٹی سند ہے، کیونکہ:

① اس کے راوی علی بن حسن سامی کے بارے میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وَهُوَ فِي عِدَادِ الْمَتْرُوكِينَ .

''اس کا شمار متروک راویوں میں ہوتا ہے۔''(ميزان الاعتدال : 160/3)

② خلید بن دعلج راوی کو امام احمد بن حنبل ، امام یحییٰ بن معین، امام دارقطنی ، امام ابو حاتم رازی، امام عقیلی ، امام ابن حبان اور جمہور محدثین رحمہم اللہ نے ''ضعیف'' کہا ہے۔

③ قتادہ بن دعامہ تابعی ''مدلس'' ہیں جو کہ لفظِ ''عن'' سے بیان کر رہے ہیں اور ان کے سماع کی تصریح نہیں مل سکی۔

⑱ عن خالد بن عبيد، عن أنس ----.

(مناقب علي بن أبي طالب لابن المغازلي : 173، العلل المتناهية لابن الجوزي :229/1)

تبصره :

یہ سند بھی باطل ہے، کیونکہ اس کے راوی خالد بن عبید عتکی کے بارے میں :

❁ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں : فِيهِ نَظَرٌ .

''اس پر جرح کی گئی ہے۔''(التاريخ الصغير : 162/3)

❁ امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

يَرْوِي عَنْ أَنَسٍ بِنُسْخَةٍ مَّوْضُوعَةٍ، مَا لَهَا أَصْلٌ، يَعْرِفُهَا مَنْ لَيْسَ الْحَدِيثُ صَنَاعَتُهُ أَنَّهَا مَوْضُوعَةٌ، لَا تَحِلُّ كِتَابَةُ حَدِيثِهِ؛ إِلَّا عَلٰى جِهَةِ التَّعَجُّبِ .

''یہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے منسوب کر کے ایک موضوع و من گھڑت روایات پر مشتمل نسخہ روایت کرتا ہے۔اس کی کوئی اصل نہیں۔جو حدیث میں مہارت نہیں رکھتا، وہ بھی جانتا ہے کہ یہ نسخہ موضوعہ (من گھڑت) ہے۔اس کی حدیث کو لکھنا جائز ہی نہیں ہے۔ہاں! مگر برائے تعجب لکھا جا سکتا ہے۔''

(المجروحين :279/1)

❁ امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

حَدَّثَ عَنْ أَنَسٍ بِأَحَادِيثَ مَوْضُوعَةٍ .

''اس نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے جھوٹی روایات منسوب کی ہیں۔''

(المدخل إلى الصحيح، ص : 133، ت : 48)

امام ابونعیم اصبہانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

حَدَّثَ عَنْ أَنَسٍ بِأَحَادِيثَ مَوْضوعَةٍ، لَا شَيْءَ.

''اس نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے جھوٹی روایات منسوب کی ہیں۔اس کی بیان کردہ بات کا کوئی اعتبار نہیں۔''(الضعفاء : 57)

امام عقیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لَا يُتَابَعُ عَلٰى حَدِيثِهٖ.

''اس کی روایات منکر ہیں۔''(الضعفاء الكبير : 10/2)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مَتْرُوكُ الْحَدِيثِ مَعَ جَلَالَتِهٖ.

''اپنے مقام ومرتبے کے باوجود اس کی روایت متروک ہوتی ہے۔''

(تقريب التهذيب : 1654)

⑲ عن عبد الله بن زياد أبي العلاء، عن علي بن زيد، عن سعيد بن المسيّب، عن أنس ---- .(تاريخ دمشق لابن عساكر : 248/42)

تبصرہ :

یہ سخت ''ضعیف'' سند ہے، کیونکہ:

① عبداللہ بن زیاد کو امام بخاری رحمہ اللہ نے ''منکر الحدیث'' قرار دیا ہے۔

(التاريخ الكبير : 95/5)

② علی بن زید بن جدعان راوی جمہور محدثین کے نزدیک ''ضعیف'' ہے۔

اسے حافظ ہیثمی (مجمع الزوائد : 209/8)، علامہ بوصیری،(مصباح الزجاجة :84)،علامہ ابن العراقی (طرح التثریب : 77/2)اور علامہ بقاعی(نظم الدرر في

تناسب الآيات والسور : 524/4) رحمہ اللہ نے جمہور کے نزدیک ''ضعیف'' قرار دیا ہے۔

یہ ضعیف، مختلط اور ناقابل حجت راوی ہے۔ کسی نے اسے واضح طور پر ثقہ نہیں کہا۔

③ صالح بن عبدالکبیر بن شبیب ''مجہول'' ہے۔

لہٰذا امام ابن شاہین رحمہ اللہ (تاریخ دمشق لابن عساکر : 249/42) کا اس حدیث کو ''حسن'' کہنا صحیح نہیں ۔

⑳ عن میمون أبي خلف، عن أنس ----.

(التاريخ الكبير للبخاري : 358/1، الضعفاء الكبير للعقيلي : 189/4، تاريخ دمشق لابن عساكر : 251/42)

تبصرہ :

یہ سخت ''ضعیف'' سند ہے، کیونکہ اس کے راوی میمون بن جابر ابو خلف کے بارے میں:

❀ حافظ ذہبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: لَا شَيْءَ . ''اس کا کوئی اعتبار نہیں۔''

(المغني في الضعفاء : 690/2)

❀ امام عقیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وَلَا يَصِحُّ حَدِيثُهٗ .

''اس کی بیان کردہ روایت صحیح نہیں ہوتی۔''(الضعفاء الكبير : 188/4)

㉑ عن عبد اللّٰه بن ميمون، عن جعفر بن محمّد، عن أبيه، عن أنس ----.

(طبقات المحدّثين لأبي الشيخ : 924، العلل المتناهية لابن الجوزي : 232/1)

تبصرہ :

یہ بھی سخت ''ضعیف'' سند ہے، کیونکہ اس کے راوی عبداللہ بن میمون قداح کے

بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مُنْکَرُ الْحَدِیثِ، مَتْرُوكٌ .

''یہ منکر الحدیث اور متروک راوی ہے۔''(تقریب التھذیب : 3653)

22 عن محمّد بن زكريا بن ذويد، عن حميد الطويل، عن أنس ---- . (مناقب عليّ بن أبي طالب لابن المغازلي : 156)

تبصرہ :

یہ باطل سند ہے، کیونکہ اس کے راوی محمد بن زکریا کے بارے میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

رَوٰی عَنْ حُمَیْدٍ الطَّوِیلِ خَبَرًا بَاطِلًا، وَالرَّاوِي عَنْهُ؛ هُوَ عَلِيُّ بْنُ صَدَقَةَ الْجَوْهَرِيُّ، لَا أَعْرِفُهٗ .

''اس نے حمید طویل سے منسوب کر کے جھوٹی روایت بیان کی ہے۔اس سے علی بن صدقہ جوہری بیان کرتا ہے۔میں اُسے نہیں جانتا۔''

(میزان الاعتدال : 549/3)

٢٣ عن الحسن بن عبد اللّٰه الثقفي، عن نافع، عن أنس ---- .
(مناقب عليّ بن أبي طالب لابن المغازلي : 167)

تبصرہ :

یہ بھی باطل سند ہے، کیونکہ:

① اس کے راوی حسن بن عبداللہ ثقفی کے بارے میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ''منکر الحدیث'' ہے۔(میزان الاعتدال :501/1)

نیز انہوں نے اسے ''متروک'' بھی کہا ہے۔(المغني في الضعفاء : 2/693)

② نافع بن ہرمز بھی ''ضعیف ومتروک'' راوی ہے۔

❀ اسے امام دارقطنی رحمہ اللہ نے (الضعفاء : 549) میں ذکر کیا ہے۔

❀ حافظ ذہبی رحمہ اللہ کہتے ہیں :

ضَعَّفَهُ أَحْمَدُ وَجَمَاعَةٌ، وَكَذَّبَهُ ابْنُ مَعِينٍ مَرَّةً، وَقَالَ أَبُو حَاتِمٍ : مَتْرُوكٌ، ذَاهِبُ الْحَدِيثِ، وَقَالَ النَّسَائِيُّ : لَيْسَ بِثِقَةٍ .

''امام احمد رحمہ اللہ اور محدثین کی ایک جماعت نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے ایک مرتبہ اس کو جھوٹا کہا ہے۔امام ابو حاتم رازی رحمہ اللہ نے متروک اور ذاہب الحدیث کہا ہے۔نیز امام نسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ثقہ نہیں ہے۔''(میزان الاعتدال : 4/243)

㉔ عن محمّد بن سليم، عن أنس ---- .

(تاريخ دمشق لابن عساكر : 4/253)

تبصرہ :

یہ ''ضعیف'' سند ہے، کیونکہ محمد بن سلیم راوی ''مجہول'' ہے۔

❀ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے ''مجہول'' قرار دیا ہے۔

(لسان الميزان : 5/192)

㉕ عن عبد اللّٰه بن المثنّٰى، عن ثمامة، عن أنس ---- .

(تاريخ دمشق لابن عساكر : 42/253، العلل المتناهية لابن الجوزي : 1/231)

تبصرہ :

یہ سند باطل ہے، کیونکہ:

① ابن عساکر کی سند میں عبدالسلام بن راشد ہے، جس کے بارے میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لَا يُدْرٰى مَنْ ذَا ؟ ''کوئی پتہ نہیں کہ یہ کون ہے۔''

(المغني في الضعفاء :394/1)

العلل المتناهية لابن الجوزي والی سند میں عباس بن بکار ہے، جس کے بارے میں امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بَصَرِيٌّ كَذَّابٌ .

''یہ بصری کذاب ہے۔''(الضعفاء والمتروكون : 424)

㉖ عن سالم مولى عمر بن عبيد الله، عن أنس ---- .

(العلل المتناهية لابن الجوزي :230/1)

تبصرہ :

یہ جھوٹی سند ہے، کیونکہ اس کی سند میں احمد بن سعید بن فرقد راوی ہے، جس کے بارے میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

رَوٰى حَدِيثَ الطَّيْرِ بِإِسْنَادِ الصَّحِيحَيْنِ، فَهُوَ مُتَّهَمٌ بِوَضْعِهٖ .

''اس نے حدیث الطیر کو بخاری ومسلم کی سندوں سے روایت کیا ہے، مگر وہ خود اس پر اس حدیث کو گھڑنے کا الزام ہے۔''(میزان الاعتدال :100/1)

㉗ عن مفضّل بن صالح، عن الحسن بن الحكم، عن أنس---- . (العلل المتناهية لابن الجوزي :231/1)

تبصرہ :

یہ باطل سند ہے، کیونکہ مفضل بن صالح اسدی کو امام بخاری(التاريخ الكبير : 264/2)

اور امام ابوحاتم رازی (الجرح والتعدیل لابن أبي حاتم : 317/8) نے ”منکرالحدیث“ قرار دیا ہے۔

❁ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَيْسَ عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيثِ بِذَاكَ الْحَافِظِ .

”محدثین کرام کے نزدیک اس کا حافظہ مضبوط نہیں۔“ (سنن الترمذي : 2592)

❁ امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مُنْكَرُ الْحَدِيثِ، كَانَ مِمَّنْ يَّرْوِي الْمَقْلُوبَاتِ عَنِ الثِّقَاتِ، حَتّٰى يَسْبِقُ إِلَى الْقَلْبِ أَنَّهٗ كَانَ الْمُتَعَمِّدُ لَهَا مِنْ كَثْرَتِهٖ، فَوَجَبَ تَرْكُ الِاحْتِجَاجُ بِهٖ .

”یہ منکر الحدیث راوی ہے، ثقہ راویوں سے مقلوب روایتیں بیان کرتا ہے، اس کی کثرتِ روایات سے یہ گمان ہوتا ہے کہ جان بوجھ کر ایسا کرتا ہے۔ اس کی بیان کردہ روایت کو ترک کر دینا واجب ہے۔“ (المجروحين : 32/3)

❁ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے ”ضعیف“ کہا ہے۔

(تقريب التهذيب : 6854)

۲۸ عن حمّاد، عن إبراهيم النخعي، عن أنس ---- .

(أسد الغابة لابن الأثير : 30/4)

تبصرہ :

یہ موضوع (من گھڑت) سند ہے، کیونکہ:

① اس میں محمد بن اسحاق بن ابراہیم اہوازی ”متہم بالوضع“ راوی ہے۔

(دیکھیں: میزان الاعتدال للذهبي : 478/3)

② اس میں کئی اور علل قادحہ بھی موجود ہیں۔

㉙ عن عبد الملك بن أبي سليمان، عن أنس ----.

(التاريخ الكبير للبخاري : 3/2، مناقب عليّ بن أبي طالب لابن المغازلي : 157)

تبصرہ :

یہ روایت ''انقطاع'' کی وجہ سے ''ضعیف'' ہے، جیسا کہ:

امام ابو حاتم رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ أَبِي سُلَيْمَانَ عَنْ أَنَسٍ مُّرْسَلٌ.

''عبدالملک بن ابی سلیمان کی سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت مرسل ہوتی ہے۔''

(المراسيل لابن أبي حاتم : 132)

㉚ عن يحيى بن أبي كثير، عن أنس ----.

(المعجم الكبير للطبراني : 206/2، 207، ح : 1744)

تبصرہ :

اس کی سند ''ضعیف'' ہے، کیونکہ:

① یحییٰ بن ابی کثیر ''مدلس'' ہیں اور لفظ ''عن'' سے بیان کر رہے ہیں، ان کے سماع کی تصریح نہیں مل سکی۔

یاد رہے کہ صحیح بخاری و مسلم کے علاوہ ''مدلس'' کا ''عنعنہ'' نامقبول ہوتا ہے، تاوقتیکہ کسی اور جگہ اس کے سماع کی تصریح یا کوئی ثقہ متابع مل جائے۔

② یحییٰ بن ابی کثیر کا سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں ہے۔

(تحفة التحصيل في ذكر رواة المراسيل للعراقي : 346، 347)

٣١ عن خالد بن عبيد أبي عصام، عن أنس ---- .

(الكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي : 25/3)

تبصرہ :

اس کی سند باطل ہے، کیونکہ اس میں خالد بن عبید عتکی ''متروک'' راوی موجود ہے۔ اس کے بارے میں گزشتہ صفحات میں بیان کیا جا چکا ہے۔

٣٢ عن عمر بن عبد اللّٰه بن يعلى بن مرّة، عن أبيه، عن جدّه، وعن أنس ---- .

(تاريخ بغداد للخطيب :376/11، العلل المتناهية لابن الجوزي :230/1)

تبصرہ :

یہ سخت ''ضعیف'' سند ہے، کیونکہ اس کے راوی عمر بن عبداللہ بن یعلیٰ کو نقاد محدثین امام احمد بن حنبل، امام یحییٰ بن معین، امام ابو حاتم رازی، امام ابو زرعہ رازی، امام بخاری، امام نسائی، امام یعقوب بن سفیان فسوی رحمہم اللہ نے ''ضعیف و مجروح'' قرار دیا ہے۔

❀ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے اسے ''متروک'' کہا ہے۔

(الضعفاء والمتروكون : 376)

❀ امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں : مُنْكَرُ الرِّوَايَةِ عَنْ أَبِيهِ .

''اس کی اپنے باپ سے بیان کردہ روایات منکر ہیں۔'' (المجروحين : 91/2)

یہ روایت بھی وہ اپنے باپ ہی سے بیان کر رہا ہے۔

٣٣ عن عبد اللّٰه بن المثنّى، عن أبان، عن أنس ---- .

(تاريخ دمشق لابن عساكر : 406/37)

تبصره :

یہ باطل سند ہے، کیونکہ :

① ابان بن ابو عیاش راوی بالاتفاق ''متروک الحدیث'' ہے۔

② ابو الولید ہاشم بن احمد بن مسرور راوی کے حالاتِ زندگی نہیں مل سکے۔

③ عبید اللہ بن اسحاق بن سہل سنجاری کی توثیق درکار ہے۔

④ اس سند میں اور بھی خرابیاں ہیں۔

٣٤ عن الحسن، عن أنس بن مالك ---- .

(المعجم الأوسط للطبراني : 146/8، ح : 9372)

تبصره :

یہ باطل سند ہے، کیونکہ :

① امام طبرانی رحمہ اللہ کا استاذ ہارون بن محمد بن مخلد واسطی ''مجہول'' ہے۔

② موسیٰ بن سعد بصری راوی بھی ''مجہول'' ہے۔

③ حفص بن عمر عدنی راوی جمہور محدثین کے نزدیک سخت ''ضعیف'' ہے۔

❀ حافظ عراقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : ضَعَّفَهُ الْجُمْهُورُ .

''جمہور محدثین کرام نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔''

(تخريج أحاديث الإحياء : 4272)

❀ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے اسے ''متروک'' کہا ہے۔

(العلل للدارقطني :245/1)

④ امام حسن بصری ''مدلس'' ہیں اور انہوں نے سماع کی تصریح نہیں کی۔

یہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے منسوب حدیث کی تمام سندیں ہیں، جن کی حقیقت ہم نے واضح کر دی ہے۔

❀ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فَهٰذِهٖ طُرُقٌ مُّتَعَدِّدَةٌ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، وَكُلٌّ مِّنْهَا فِيهِ ضَعْفٌ وَّمَقَالٌ .

''سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کی یہ مختلف سندیں ہیں۔ان میں سے ہر ایک میں ضعف اور مقال ہے۔''(البداية والنهاية : 353/7)

❀ امام حاکم رحمہ اللہ نے جب اس روایت کے دفاع میں یہ کہا کہ:

وَقَدْ رَوَاهُ عَنْ أَنَسٍ أَكْثَرُ مِنْ ثَلَاثِينَ نَفْسًا .

''اس روایت کو سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے تیس سے زائد راویوں نے بیان کیا ہے۔''

تو ان کے ردّ و جواب میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے کیا خوب کہا:

فَصِلْهُمْ بِثِقَةٍ يَّصِحُّ الْإِسْنَادُ إِلَيْهِ .

''ان میں سے کوئی ایک ثقہ راوی ایسا بتا دیں، جس تک صحیح سند پہنچ رہی ہو۔''

(البداية والنهاية لابن كثير : 351/7)

حدیث سفینہ :

اس حدیث کی تین سندیں ہیں۔ان میں سے ہر ایک کا حال پیش خدمت ہے:

① عن مطير، عن ثابت البجليّ، عن سفينة ---- .

(مسند أبي يعلٰى، كما في المطالب العالية : 3936، فضائل الصحابة لأحمد بن

حنبل : 945، تاریخ دمشق لابن عساکر : 258/42)

تبصرہ :

یہ باطل سند ہے، کیونکہ اس کا راوی مطیر بن ابو خالد ''متروک'' ہے۔

❀ امام بخاری رحمہ اللہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں :

وَلَا يَصِحُّ حَدِيثُهٗ . ''اس کی روایت صحیح نہیں ہے۔''

(الضعفاء الكبير للعقيلي : 252/4، وسندهٗ صحيحٌ)

❀ امام ابوحاتم رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

مَتْرُوكُ الْحَدِيثِ . ''یہ متروک الحدیث راوی ہے۔''

(الجرح والتعديل لابن أبي حاتم : 394/8)

❀ امام ابوزرعہ رازی رحمہ اللہ نے اسے ''ضعیف الحدیث'' کہا ہے۔

(الجرح والتعديل لابن أبي حاتم : 394/8)

❀ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے الضعفاء والمتروکون (503) میں ذکر کیا ہے۔

❀ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے بھی اسے ''متروک'' کہا ہے۔

(ميزان الاعتدال : 129/4، ت : 8597)

② عن بريدة بن سفيان، عن سفينة ---- .

(مسند البزّار : 3841، تاريخ دمشق لابن عساكر : 258/42، مناقب علي بن أبي طالب لابن المغازلي : 175)

تبصرہ :

اس کی سند باطل ہے، کیونکہ بریدہ بن سفیان جمہور محدثین کے نزدیک ''ضعیف'' ہے۔

❀ اس کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فِيهِ نَظَرٌ . ''اس میں کلام ہے۔''(التاريخ الكبير : 141/2)

❀ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لَهٗ بَلِيَّةٌ تُحْكٰى عَنْهُ .

''اس سے ایک جھوٹی روایت نقل کی جاتی ہے۔''(العلل : 1500)

❀ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے اسے ''متروک'' کہا ہے۔

(الضعفاء والمتروكون : 134)

❀ امام ابوحاتم رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ضَعِيفُ الْحَدِيثِ .

''یہ ضعیف الحدیث راوی ہے۔''(الجرح والتعديل لابن أبي حاتم : 424/3)

❀ امام نسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: هٰذَا لَيْسَ بِالْقَوِيِّ فِي الْحَدِيثِ .

''یہ حدیث میں قوی نہیں ہے۔''(السنن الكبرىٰ : 877)

❀ حافظ جوزجانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: رَدِيءُ الْمَذْهَبِ .

''یہ غلط مذہب کا پیروکار ہے۔''(أحوال الرجال : 205)

③ عن سليمان بن قرم، عن فطر بن خليفة، عن عبد الرحمٰن بن أبي نعم، عن سفينة ---- .

(المعجم الكبير للطبراني : 82/7، ح : 6437)

تبصرہ :

یہ سند باطل ہے، کیونکہ اس کا راوی سلیمان بن قرم جمہور محدثین کے نزدیک سخت ''ضعیف'' ہے۔

❀ امام علی بن مدینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَمْ يَكُنْ بِالْقَوِيِّ، وَهُوَ صَالِحٌ .

''یہ نیک آدمی ہے، مگر حدیث میں قوی نہیں ہے۔''(سؤالات ابن أبي شيبة:2471)

❁ امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَيْسَ بِشَيْءٍ، وَهُوَ ضَعِيفٌ .

''یہ کچھ بھی نہیں، ضعیف راوی ہے۔''

(الجرح والتعديل لابن أبي حاتم : 137/4، وسندهٗ صحيحٌ)

❁ امام ابو حاتم رازی رحمہ اللہ نے اسے لَيْسَ بِالْمَتِينِ اور امام ابو زرعہ رازی رحمہ اللہ نے لَيْسَ بِذَاكَ کہا ہے۔(الجرح والتعديل لابن أبي حاتم : 137/4)

❁ امام نسائی رحمہ اللہ نے اسے لَيْسَ بِالْقَوِيِّ کہا ہے۔

(الضعفاء والمتروكون :251)

❁ امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

كَانَ رَافِضِيًّا غَالِيًا فِي الرَّفْضِ، وَيُقَلِّبُ الْأَخْبَارَ .

''یہ غالی رافضی تھا اور روایات کو الٹ پلٹ کر دیتا تھا۔''(المجروحين :332/1)

❁ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَا أَرٰى بِهٖ بَأْسًا، وَلٰكِنَّهٗ كَانَ يَفْرِطُ فِي التَّشَيُّعِ .

''میں اس میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتا، لیکن وہ تشیع میں افراط سے کام لیتا تھا۔''(الضعفاء الكبير للعقيلي : 136/2، وسندهٗ صحيحٌ)

❁ امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

إِنَّهٗ مُفْرِطٌ فِي التَّشَيُّعِ، وَلِسُلَيْمَانَ أَحَادِيثُ حِسَانٌ أَفَرَادَاتٌ،

وَهُوَ خَيْرٌ مِّنْ سُلَيْمَانَ بْنِ أَرْقَمَ بِكَثِيرٍ .

''یہ غالی شیعہ تھا، سلیمان کی منفرد روایتیں اچھی ہیں، وہ سلیمان بن ارقم سے بہت بہتر ہے۔''(الكامل في ضعفاء الرجال : 257/3)

❀ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سے تعلیقاً اور امام مسلم رحمہ اللہ نے متابعت میں روایت لی ہے۔

❀ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اسے ''ضعیف'' کہا ہے۔

(ميزان الاعتدال : 580/3، ت : 7671)

❀ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں : سَيِّءُ الْحِفْظِ، يَتَشَيَّعُ .

''اس کا حافظہ خراب تھا اور یہ شیعہ تھا۔''(تقريب التهذيب : 2600)

لہٰذا یہ راوی ''ضعیف'' ہی ہے۔

حدیث ابن عباس :

(الضعفاء الكبير للعقيلي : 82/4، 83، المعجم الكبير للطبراني : 282/10، مناقب عليّ بن أبي طالب لابن المغازلي :164، تاريخ دمشق لابن عساكر : 246/42، المناقب للخوارزمي : 50)

تبصرہ :

یہ سند باطل ہے، کیونکہ :

① اس میں سلیمان بن قرم ''ضعیف'' راوی موجود ہے۔

② محمد بن شعیب راوی کے بارے میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

لَا يُعْرَفُ . ''یہ مجہول راوی ہے۔''(ميزان الاعتدال : 580/3)

۞ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے ''مجہول'' کہا ہے۔

(لسان المیزان : 199/5)

طبرانی میں محمد بن سعید ہے یہ تصحیف (کتاب کی غلطی) ہے۔ صحیح عبارت محمد بن شعیب ہی ہے۔

۞ حافظ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وَلَمْ أَعْرِفْهُ .

''میں اسے نہیں جان پایا۔''(مجمع الزوائد : 126/9)

۞ حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا حَدِيثٌ لَّا يَصِحُّ، مُحَمَّدُ بْنُ شُعَيْبٍ (سَعِيدٍ) مَّجْهُولٌ .

''یہ حدیث صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس کی سند میں محمد بن شعیب (سعید) مجہول ہے۔''(العلل المتناهية :229/1)

۞ امام عقیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حَدِيثُهٗ غَيْرُ مَحْفُوظٍ .

''اس کی حدیث غیر محفوظ ہے۔''(الضعفاء الكبير : 82/4)

اس روایت کے بارے میں فرماتے ہیں: اَلرِّوَايَةُ فِي هٰذَا؛ فِيهَا لِينٌ .

''اس روایت میں کمزوری ہے۔''(الضعفاء الكبير : 83/4)

حديث علي :

عن عيسى بن عبد الله بن محمد بن عمر بن علي بن أبي طالب، حدّثني أبي، عن أبيه، عن جدّه، عن عليّ ---- .

(تاريخ دمشق لابن عساكر : 245/42)

تبصره :

یہ جھوٹی روایت ہے، کیونکہ اس کے راوی عیسیٰ بن عبداللہ بن عمر کو:

۞ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے ''متروک الحدیث'' کہا ہے۔

(سنن الدارقطني : 263/2)

۞ امام ابوحاتم رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَمْ يَكُنْ بِقَوِيِّ الْحَدِيثِ . ''یہ حدیث میں قوی نہیں ہے۔''

(الجرح والتعديل لابن أبي حاتم : 280/6)

۞ امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

يَرْوِي عَنْ أَبِيهِ، عَنْ آبَائِهِ أَشْيَاءَ مَوْضُوعَةً، لَا يَحِلُّ الِاحْتِجَاجُ بِهِ، كَأَنَّهُ كَانَ يَهِمُ وَيُخْطِئُ، حَتّٰى كَانَ يَجِيءُ بِالْأَشْيَاءِ الْمَوْضُوعَةِ عَنْ أَسْلَافِهِ، فَبَطَلَ الِاحْتِجَاجُ بِمَا يَرْوِيهِ لِمَا وَصَفْتُ .

''یہ اپنے آباواجداد سے من گھڑت روایتیں بیان کرتا ہے۔اس کی بیان کردہ روایت کو دلیل بنانا جائز نہیں، کیونکہ یہ وہم اور خطا کا شکار تھا، یہاں تک کہ اس نے اپنے اسلاف سے موضوع روایتیں بیان کر ڈالیں۔ چنانچہ اس بنا پر اس کی روایات سے دلیل لینا باطل ہے۔''(المجروحين : 122/2)

نیز اسے (الثقات : 492/8) میں ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

فِي حَدِيثِهِ بَعْضُ الْمَنَاكِيرُ . ''اس کی بعض روایتیں منکر ہیں۔''

۞ امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

رَوٰى عَنْ أَبِيهِ، عَنْ آبَائِهِ أَحَادِيثَ مَوْضُوعَةً .

''یہ اپنے والد کے واسطے سے اپنے اجداد سے من گھڑت روایتیں بیان کرتا

ہے۔''(المدخل إلى الصحيح، ص: 170)

❀ امام ابونعیم اصبہانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

رَوٰی عَنْ أَبِيهِ، عَنْ آبَائِهِ أَحَادِيثَ مَنَاكِيرَ، لَا يُكْتَبُ حَدِيثُهٗ، لَا شَيْءَ.

''یہ اپنے والد کے واسطے سے اپنے اجداد سے منکر روایتیں بیان کرتا ہے، اس کی حدیث کو نہ لکھا جائے، اس کا کوئی اعتبار نہیں۔''(الضعفاء: 175)

❀ امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَعَامَّةُ مَا يَرْوِيهِ لَا يُتَابَعُ عَلَيْهِ.

''اس کی اکثر روایات منکر ہیں۔''(الكامل في ضعفاء الرجال: 245/5)

❀ جب امام حاکم رحمہ اللہ نے اس روایت کے بارے میں لکھا کہ:

صَحَّتِ الرِّوَايَةُ عَنْ عَلِيٍّ.

''سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ثابت ہے۔''(المستدرك: 131/3)

تو حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان الفاظ میں ان کا ردّ کیا کہ:

لَا، وَاللّٰهِ، مَا صَحَّ شَيْءٌ مِّنْ ذٰلِكَ.

''اللہ کی قسم! اس بارے میں کوئی روایت بھی صحیح نہیں ہے۔''

(البداية والنهاية لابن كثير: 351/7)

حديث يعلٰي بن مرّة:

❀ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَقَدْ رُوِيَ مِنْ حَدِيثِ يَعْلَى بْنِ مُرَّةَ، وَالْإِسْنَادُ إِلَيْهِ مُظْلِمٌ،

وَرُوِيَ مِنْ حَدِيثِ حَبْشِيِّ بْنِ جُنَادَةَ، وَلَا يَصِحُّ أَيْضًا، وَمِنْ حَدِيثِ أَبِي رَافِعٍ نَّحْوُهُ، وَلَيْسَ بِصَحِيحٍ .

''اس بارے میں یعلیٰ بن مرہ کی حدیث بھی مروی ہے،لیکن اس کی سند سخت ضعیف ہے۔اسی طرح حبشی بن جنادہ کی حدیث بھی ہے،وہ بھی ثابت نہیں۔ ابورافع کی حدیث بھی مروی ہے اور وہ بھی صحیح نہیں۔''

(البداية والنهاية : 354/7)

متن کا اضطراب :

اس حدیث کی سند کا حال تو آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ اس کی کوئی ایک بھی سند اصولِ محدثین کے مطابق پایۂ صحت کو نہیں پہنچتی۔صرف سند کا ہی مسئلہ نہیں، اس کے متن میں بھی اضطراب واختلاف پایا جاتا ہے۔

① پہلا اختلاف یہ ہے کہ یہ کون سا پرندہ تھا؟ مسند ابویعلیٰ اور ابن عدی کی روایت میں حجل، ابن عساکر کی روایت، جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے،اس میں حباریٰ، ابن المغازلی کی روایت، جو سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے،اس میں یعاقیب اور ابن المغازلی ہی کی ایک روایت میں نحامہ، جبکہ ابن عساکر کی ایک روایت میں دجاجۃ کا ذکر ہے۔

② پرندے کی تعداد میں بھی اختلاف ہے۔بعض روایات میں اطیار بعض میں طوائر اور بعض میں نحامات کا ذکر ہے۔

③ اس میں بھی اختلاف ہے کہ پرندہ کس نے ہدیہ کیا تھا؟ عقیلی اور طبرانی کی روایت میں سیدہ ام ایمن رضی اللہ عنہا کا ذکر ہے،ابن عساکر اور ابن المغازلی کی روایت میں انصار کی ایک عورت کا ذکر ہے۔یہ بات تو طے ہے کہ سیدہ ام ایمن رضی اللہ عنہا انصاریہ نہیں تھیں۔

اس پر سہاگہ یہ کہ اس روایت کو بلحاظِ سند بہت سے ائمہ محدثین نے ''ضعیف'' قرار دیا ہے۔

محدثین کرام اور حدیث طیر :

① امام عقیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

وَهٰذَا الْبَابُ؛ الرِّوَايَةُ فِيهَا لَيِّنٌ وَّضَعِيفٌ، وَلَا نَعْلَمُ فِيهِ شَيْئًا ثَابِتًا .

''اس بارے میں منقول تمام روایات میں کمزوری اور ضعف ہے۔ہمارے علم کے مطابق اس سلسلے میں کچھ بھی ثابت نہیں۔''(الضعفاء الکبیر :46/1)

نیز فرماتے ہیں : طُرُقُ هٰذَا الْحَدِيثِ؛ فِيهَا لِينٌ .

''اس حدیث کی سندوں میں کمزوری ہے۔''(الضعفاء الکبیر : 189/4)

② امام بزار رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

رَوٰى عَنْ أَنَسٍ مِّنْ وُّجُوهٍ، وَكُلُّ مَنْ رَوَاهُ عَنْهُ؛ فَلَيْسَ بِالْقَوِيِّ .

''اس روایت کو سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے کئی سندوں کے ساتھ روایت کیا گیا ہے، البتہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے اسے بیان کرنے والے راویوں میں سے کوئی بھی قوی نہیں۔''(مسند البزّار : 7848)

③ امام خلیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

وَمَا رَوٰى فِي حَدِيثِ الطَّيْرِ ثِقَةٌ، رَوَاهُ الضُّعَفَاءُ، مِثْلُ : إِسْمَاعِيلِ ابْنِ سُلَيْمَانَ الْأَزْرَقِ وَأَشْبَاهِهٖ، وَيَرُدُّهٗ جَمِيعُ أَئِمَّةِ الْحَدِيثِ .

''حدیثِ طیر کو کسی ایک بھی ثقہ راوی نے بیان نہیں کیا۔اسے صرف ضعیف راوی بیان کرتے ہیں،جیسا کہ اسماعیل بن سلیمان ازرق اور اس سے ملتے

جلتے دوسرے راوی ہیں۔تمام محدثین نے اسے ردّ کیا ہے۔''

(الإرشاد في معرفة علماء الحديث :420/1)

④ حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ، حافظ محمد بن طاہر مقدسی رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں:

كُلُّ طُرُقِهِ، أَيْ حَدِيثِ الطَّيْرِ، بَاطِلَةٌ مَّعْلُولَةٌ.

''حدیث طیر کی تمام سندیں باطل اور معلول ہیں۔''(العلل المتناهية :223/1)

⑤ حافظ محمد بن ناصر سلامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

حَدِيثٌ مَّوْضُوعٌ، وَإِنَّمَا جَاءَ مِنْ سُقَّاطِ أَهْلِ الْكُوفَةِ، عَنِ الْمَشَاهِيرِ وَالْمَجَاهِيلِ، عَنْ أَنَسٍ وَّغَيْرِهِ.

''یہ روایت من گھڑت ہے، کیونکہ اس کو ضعیف کوفی راویوں نے مشہور اور مجہول راویوں کے واسطے سے سیدنا انس رضی اللہ عنہ وغیرہ سے بیان کیا ہے۔''

(المنتظم لابن الجوزي : 275/7)

⑥ خود حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ نے اس کی سولہ سندوں میں سے ہر ایک کی علت بیان کی اور فرمایا:

قَدْ ذَكَرَهُ ابْنُ مَرْدَوَيْهِ مِنْ نَّحْوِ عِشْرِينَ طَرِيقًا؛ كُلُّهَا مُظْلِمٌ، وَفِيهَا مَطْعَنٌ.

''ابن مردویہ نے اس روایت کو تقریباً بیس سندوں سے ذکر کیا ہے، مگر وہ تمام کی تمام سخت ضعیف ہیں اور ان میں خرابی موجود ہے۔''

(العلل المتناهية :233/1)

⑦ حافظ عراقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَلَهُ طُرُقٌ؛ كُلُّهَا ضَعِيفَةٌ .

''اس کی کئی سندیں ہیں، لیکن سب کی سب ضعیف ہیں۔''

(تخريج أحاديث الإحياء، ص : 855)

⑧ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

إِنَّ حَدِيثَ الطَّائِرِ مِنَ الْمَكْذُوبَاتِ الْمَوْضُوعَاتِ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ وَالْمَعْرِفَةِ بِحَقَائِقِ النَّقْلِ .

''حدیثِ طیر محققین علما اور اہل فن محدثین کے نزدیک من گھڑت اور جھوٹی ہے۔''(منهاج السنّة : 99/4، وفي نسخة : 371/7)

⑨ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَهٰذَا الْحَدِيثُ قَدْ صَنَّفَ النَّاسُ فِيهِ، وَلَهُ طُرُقٌ مُّتَعَدِّدَةٌ، وَفِي كُلٍّ مِّنْهَا نَظَرٌ .

''اس حدیث پر لوگوں نے متعدد کتابیں لکھیں ہیں۔اس کی بہت سی سندیں ہیں، لیکن ان میں سے ہر ایک میں خرابی ہے۔''

(البداية والنهاية : 351/7، 352)

نیز مذکورہ روایت کی بعض سندوں کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں :

وَفِي جُمْلَةٍ؛ فَفِي الْقَلْبِ مِنْ صِحَّةِ هٰذَا الْحَدِيثِ نَظَرٌ، وَإِنْ كَثُرَتْ طُرُقُهُ .

''خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگرچہ اس حدیث کے طرق بکثرت ہیں، مگر دل میں اس کی صحت محل نظر ہے۔''(البداية والنهاية : 351/7، 354)

⑩ علامہ دمیری رحمہ اللہ کہتے ہیں:

حَدِيثُ الطَّيْرِ؛ رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ وَأَبُو يَعْلٰى وَالْبَزَّارُ مِنْ عِدَّةِ طُرُقٍ، كُلُّهَا ضَعِيفَةٌ.

''حدیثِ طیر کو امام طبرانی، ابو یعلیٰ اور بزار رحمہم اللہ نے متعدد سندوں سے بیان کیا ہے، لیکن وہ تمام ضعیف ہیں۔'' (حياة الحيوان: 240/2)

⑪ علامہ شوکانی رحمہ اللہ، امام حاکم رحمہ اللہ کی تصحیح کے بارے میں فرماتے ہیں:

وَاعْتَرَضَ عَلَيْهِ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْعِلْمِ.

''اکثر اہل علم نے امام حاکم رحمہ اللہ کے اسے صحیح کہنے پر اعتراض کیا ہے۔''

(الفوائد المجموعة، ص: 382)

⑫ علامہ محمد بن یعقوب فیروز آبادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَهُ طُرُقٌ كَثِيرَةٌ؛ كُلُّهَا ضَعِيفَةٌ.

''اس کی بہت سی سندیں ہیں، مگر وہ تمام کی تمام ضعیف ہیں۔''

(الفوائد المجموعة للشوكاني، ص: 382)

⑬ اس حدیث کو ''ضعیف'' ثابت کرنے کے لیے علامہ ابو بکر برقانی رحمہ اللہ نے ایک ضخیم کتاب لکھی ہے۔ (البداية والنهاية لابن كثير: 354/7)

صحیح حدیث کي مخالفت:

حدیثِ طیر ''ضعیف'' ہونے کے ساتھ ساتھ اس متفق علیہ صحیح حدیث کے خلاف بھی ہے، ملاحظہ فرمائیں:

❀ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

فَقُلْتُ : أَيُّ النَّاسِ أَحَبُّ إِلَيْكَ؟ قَالَ : «عَائِشَةُ»، قُلْتُ : مِنَ الرِّجَالِ؟ قَالَ : «أَبُوهَا»، قُلْتُ : ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ : «عُمَرُ»، فَعَدَّ رِجَالًا، فَسَكَتُّ مَخَافَةَ أَنْ يَّجْعَلَنِي فِي آخِرِهِمْ.

''میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا : لوگوں میں سے آپ کو سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: عائشہ، پھر میں نے پوچھا: مردوں میں سے کون ہیں؟ فرمایا: ان کے والد (سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ)۔ میں نے عرض کیا: اس کے بعد۔ آپ ﷺ نے فرمایا: عمر۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے کئی اور آدمیوں کو شمار کیا۔ میں اس ڈر سے خاموش ہو گیا کہ آپ ﷺ مجھے سب سے آخر میں ذکر کریں گے۔''

(صحيح البخاري : 4358، صحيح مسلم : 2384)

ایک اور روایت :

اس میں کوئی شک نہیں کہ سیدنا علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو محبوب رکھتے تھے اور اللہ و رسول کے ہاں بھی محبوب تھے۔

(صحيح البخاري : 4210، صحيح مسلم : 2406)

البتہ یہ کہنا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کو بالعموم سب سے زیادہ محبوب تھے، صحیح نہیں، بلکہ حقائق کا چہرہ مسخ کرنے کے مترادف ہے۔

حدیثِ طیر کی حالت تو آپ جان چکے ہیں کہ وہ سرے سے ثابت ہی نہیں، لیکن بعض لوگ اس سلسلے میں ایک اور حدیث بھی پیش کرتے ہیں، چنانچہ ملاحظہ فرمائیں :

❁ سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے :

اِسْتَأْذَنَ أَبُو بَكْرٍ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَسَمِعَ صَوْتَ عَائِشَةَ عَالِيًا، وَهِيَ تَقُولُ : وَاللّٰهِ، قَدْ عَلِمْتُ أَنَّ عَلِيًّا أَحَبُّ إِلَيْكَ مِنْ أَبِي، فَأَهْوٰى إِلَيْهَا أَبُو بَكْرٍ لِيَلْطِمَهَا، وَقَالَ : يَا ابْنَةَ فُلَانَةَ، أَرَاكِ تَرْفَعِينَ صَوْتَكِ عَلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَمْسَكَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَخَرَجَ أَبُو بَكْرٍ مُغْضَبًا، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : يَا عَائِشَةُ، كَيْفَ رَأَيْتِنِي أَنْقَذْتُكِ مِنَ الرَّجُلِ؟ ثُمَّ اسْتَأْذَنَ أَبُو بَكْرٍ بَعْدَ ذٰلِكَ، وَقَدِ اصْطَلَحَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَائِشَةُ، فَقَالَ : أَدْخِلَانِي فِي السِّلْمِ، كَمَا أَدْخَلْتُمَانِي فِي الْحَرْبِ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : قَدْ فَعَلْنَا .

''سیدنا ابوبکرصدیق رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اندر آنے کی اجازت طلب کی، تو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بلند آواز سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہتے ہوئے سنا۔اللہ کی قسم! مجھے معلوم ہے کہ آپ،علی (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ میرے باپ کی نسبت زیادہ محبت کرتے ہیں۔سیدنا ابوبکرصدیق رضی اللہ عنہ،سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو طمانچہ رسید کرنے کے لیے بڑھے اور فرمایا: میں تیری آواز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے بلند ہوتے ہوئے سن رہا ہوں۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کو روک دیا۔سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ غصے کی حالت میں

وہاں سے چلے گئے۔ نبی کریم ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: دیکھا، میں نے کیسے تمہیں تمہارے والد سے بچا لیا۔ بعد میں سیدنا ابوبکرصدیق رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے گھر آنے کی اجازت طلب کی، تو اس وقت تک آپ ﷺ اورسیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی صلح ہوچکی تھی۔سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: آپ دونوں مجھے بھی اپنی صلح میں بھی شریک کر لیجیے، جس طرح اپنی ناراضگی میں شریک کیا تھا۔اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہم نے ایسا کرلیا ہے۔''

(مسند الإمام أحمد : 275/4، فضائل الصحابة لأحمد بن حنبل : 39، مسند البزّار : 3225، شرح مشكل الآثار للطحاوي : 5309)

لیکن اس کی سند ''ضعیف'' ہے۔اس کی سند سے ابواسحاق سبیعی ''مدلس'' کا واسطہ گر گیا ہے، جو کہ سنن ابو داؤد (4999) میں موجود ہے۔بلاشبہ یہ [المزيد في متّصل الأسانيد] ہے۔ایسی صورت میں واسطے سے پہلے والا راوی واسطے کے بعد والے راوی سے سماع کی تصریح کر دے، تو شبہ انقطاع ختم ہو جاتا ہے، ورنہ نہیں۔یونس بن ابواسحاق نے عیزار بن حریث سے سماع کی تصریح نہیں کی، لہٰذا شبہ انقطاع کی وجہ سے یہ سند ''ضعیف'' ہی ہے۔

بالفرض اس روایت کو صحیح تسلیم بھی کر لیا جائے، تو ثابت یہ ہوگا کہ کسی خاص موقعہ پر کسی خاص کام کے لیے رسول اللہ ﷺ کی نظر انتخاب سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر پڑ گئی تھی اور اسی خاص موقعہ کی طرف سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس حدیث میں اشارہ کیا ہے۔سیدہ کے ان الفاظ سے یہ نتیجہ اخذ کرنا درست نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے نزدیک سیدنا علی رضی اللہ عنہ بالعموم سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے زیادہ محبوب تھے۔

شارحِ صحیح بخاری، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ مذکورہ دونوں احادیث میں جمع و تطبیق ان الفاظ

میں فرماتے ہیں:

وَيُمْكِن الْجَمْعُ بِاخْتِلَافِ جِهَةِ الْمَحَبَّةِ؛ فَيَكُونُ فِي حَقِّ أَبِي بَكْرٍ عَلٰی عُمُومِهٖ بِخِلَافِ عَلِيٍّ.

''محبت کے مختلف پہلوؤں کے اعتبار سے ان دونوں حدیثوں میں جمع و تطبیق کی صورت ممکن ہے۔سیدنا ابوبکرصدیق رضی اللہ عنہ عمومی طور پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ محبوب تھے،جبکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کسی خاص موقعہ پر۔''

(فتح الباري شرح صحيح البخاري : 127/7)

الحاصل :

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مردوں میں سب سے زیادہ سیدنا ابوبکرصدیق رضی اللہ عنہ ہی کو محبوب رکھتے تھے، تب ہی تو آپ رضی اللہ عنہ کو پہلا خلیفہ منتخب کیا گیا۔اس حقیقت کا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بھی اعتراف تھا کہ امت کے سب سے بہتر فرد سیدنا ابوبکرصدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے یہ قطعاً ثابت نہیں کہ انہوں نے خود کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے محبوب خیال کر کے اپنے آپ کو خلافت کا اول حقدار قرار دیا ہو۔

دیگر صحابہ کرام بھی یہی سمجھتے تھے کہ سیدنا ابوبکرصدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب تھے۔اس حوالے سے دلائل کا ذکر طوالت کا باعث ہو گا۔

یہاں یہ بھی یاد رہے کہ جملہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے محبت ہمارے ایمان کا جزوِ لازم ہے۔دلائل کے ذریعے صحابہ کرام کے فضائل میں باہمی تقابل کسی کی تنقیص کا سبب نہیں بنتا۔ہم سیدنا ابوبکرصدیق رضی اللہ عنہ سے بھی محبت کرتے ہیں اور سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے بھی۔

سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«أَنْتَ مِنِّي، وَأَنَا مِنْكَ»

آپ مجھ سے اور میں آپ سے ہوں۔''(صحيح البخاري: 4251)

اس حدیث سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی منقبت وفضیلت ثابت ہوتی ہے، مگر اس فضیلت میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ منفرد نہیں ہیں، بلکہ کئی دوسرے صحابہ کرام بھی اس میں شریک ہیں، جیسا کہ:

① سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ الْأَشْعَرِيِّينَ إِذَا أَرْمَلُوا فِي الغَزْوِ، أَوْ قَلَّ طَعَامُ عِيَالِهِمْ بِالْمَدِينَةِ؛ جَمَعُوا مَا كَانَ عِنْدَهُمْ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ، ثُمَّ اقْتَسَمُوهُ بَيْنَهُمْ فِي إِنَاءٍ وَّاحِدٍ بِالسَّوِيَّةِ، فَهُمْ مِنِّي، وَأَنَا مِنْهُمْ».

''جب قبیلہ اشعر کے لوگوں کا جہاد کے موقع پر توشہ کم ہو جاتا ہے، یا مدینہ میں قیام کے دوران ان کے بال بچوں کے لئے کھانے کی کمی ہو جاتی ہے، تو جو بھی توشہ ان کے پاس جمع ہوتا ہے، وہ اس کو ایک کپڑے میں جمع کر لیتے ہیں، پھر آپس میں ایک برتن سے برابر تقسیم کر لیتے ہیں۔ چنانچہ وہ مجھ سے اور میں ان سے ہوں۔''(صحيح البخاري: 2486، صحيح مسلم: 2500)

② سیدنا جُلَیبیب رضی اللہ عنہ جو ایک غزوۂ میں جرأت و بہادری کا مظاہرہ کرتے

ہوئے سات کفار کو واصل جہنم کرنے کے بعد شہید ہو گئے تھے، ان کے متعلق نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«هٰذَا مِنِّي، وَأَنَا مِنْهُ، هٰذَا مِنِّي، وَأَنَا مِنْهُ».

''یہ مجھ سے اور میں ان سے ہوں۔ یہ مجھ سے اور میں ان سے ہوں۔''

(صحيح مسلم: 2472)

③ سیدنا یعلیٰ بن مرہ ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«حُسَيْنٌ مِّنِّي، وَأَنَا مِنْهُ».

''حسین (رضی اللہ عنہ) مجھ سے اور میں ان سے ہوں۔''

(مسند الإمام أحمد: 172/4، الأدب المفرد للبخاري: 364، سنن الترمذي: 3775، وقال: حسنٌ، سنن ابن ماجة: 144، المعجم الكبير للطبراني: 274/22، ح: 702، المستدرك للحاكم: 194/3، ح: 4820، وسندهٗ حسنٌ)

اس حدیث کو امام ابن حبان رحمہ اللہ (6971) نے ''صحیح''اور امام حاکم رحمہ اللہ نے ''صحیح الاسناد'' کہا ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے بھی اسے ''صحیح'' قرار دیا ہے۔

ایک روایت میں «حُسَيْنٌ مِّنِّي، وَأَنَا مِنْ حُسَيْنٍ» کے الفاظ بھی ہیں۔

الحاصل:

رسول اللہ ﷺ کا کسی کو اپنی طرف اور خود کو کسی کی طرف منسوب کرنا بڑی فضیلت کی بات ہے۔ البتہ یہ فضیلت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ کئی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی حاصل تھی۔ اس بنا پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بلافصل قرار دینے کی کوشش کرنا سود مند نہیں۔

❀❀❀❀❀❀❀

سیدنا علی رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی اور اسلام کے چوتھے خلیفہ راشد ہیں۔رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ان کے کئی رشتے تھے۔اسلام کا رشتہ سب رشتوں پر بھاری ہوتا ہے۔دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرح سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا رسول اللہ ﷺ سے اسلامی اخوت کا رشتہ بھی تھا،اس کے ساتھ ساتھ ایک طرف آپ رسولِ اکرم ﷺ کے چچازاد بھائی،تو دوسری طرف داماد بھی تھے۔یہ سارے ثابت شدہ رشتے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لیے باعثِ عزت و اعزاز ہیں اور ان کی فضیلت و منقبت کا باعث بھی ہیں۔

''ضعیف'' و من گھڑت روایات سے کسی کے فضائل کو ثابت کرنا علمی دیانت کے خلاف ہے۔تمام صحابہ کرام کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا اسلامی رشتۂ اخوت موجود تھا،لیکن بعض لوگ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہجرت کے بعد رشتۂ اخوت قائم کیا تھا۔ان لوگوں کے دلائل کا علمی اور تحقیقی جائزہ ملاحظہ ہو؛

دلیل نمبر ① : سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منسوب ہے:

''رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ آئے،اس حال میں کہ ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔عرض کیا:اللہ کے رسول ! آپ نے صحابہ کے درمیان اخوت قائم کی ہے اور مجھے کسی کا بھائی نہیں بنایا؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَنْتَ أَخِي فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ» .

''آپ دنیا اور آخرت میں میرے بھائی ہیں۔''

(سنن الترمذي : 3720، وقال : حسنٌ)

تبصرہ :

اس کی سند سخت ''ضعیف'' ہے، کیونکہ :

① حکیم بن جبیر اسدی راوی ''ضعیف'' اور ''متروک'' ہے۔

۞ اسے امام احمد بن حنبل، امام یحییٰ بن معین، امام نسائی اور جمہور محدثین رحمہم اللہ نے ''ضعیف'' کہا ہے۔

۞ امام دارقطنی رحمہ اللہ اسے ''متروک'' قرار دیتے ہیں۔(السنن : 122/2)

۞ حافظ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

وَهُوَ مَتْرُوكٌ، ضَعَّفَهُ الْجُمْهُورُ .

''یہ متروک راوی ہے، جمہور ائمہ محدثین نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔''

(مجمع الزوائد : 320/5، 299/7)

۞ علامہ عینی حنفی لکھتے ہیں : ضَعَّفَهُ الْجُمْهُورُ .

''جمہور ائمہ محدثین نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔''(عمدة القاري : 95/11)

۞ مستدرک حاکم (14/3) میں حکیم بن جبیر کی متابعت سالم بن ابو حفصہ نے کر رکھی ہے۔لیکن یہ جھوٹی سند ہے، کیونکہ اس میں اسحاق بن بشر کاہلی ''متروک''، کذاب اور ''وضاع'' راوی موجود ہے۔

۞ اس کے بارے میں امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

وَهُوَ فِي عِدَادِ مَنْ يَّضَعُ الْحَدِيثَ .

''اس کا شمار حدیث گھڑنے والوں میں ہوتا ہے۔''

(الكامل في ضعفاء الرجال :342/1)

② جمیع بن عمیر جمہور محدثین کے نزدیک ''ضعیف'' ہے۔

دلیل نمبر ② : سیدنا زید بن ابو اوفی رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مابین یہ مکالمہ ہوا:

فَقَالَ : «وَالَّذِي بَعَثَنِي بِالْحَقِّ، مَا أَخَّرْتُكَ إِلَّا لِنَفْسِي، فَأَنْتَ عِنْدِي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُّوسٰى وَوَارِثِي»، فَقَالَ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ، مَا أَرِثُ مِنْكَ؟ قَالَ : «مَا أَوْرَثَتِ الْأَنْبِيَاءُ»، قَالَ : وَمَا أَوْرَثَتِ الْأَنْبِيَاءُ قَبْلَكَ؟ قَالَ : «كِتَابَ اللّٰهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّهِمْ، وَأَنْتَ مَعِيَ، فِي قَصْرِي، فِي الْجَنَّةِ، مَعَ فَاطِمَةَ ابْنَتِي، وَرَفِيقِي»، ثُمَّ تَلَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْآيَةَ : ﴿**إِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقَابِلِينَ**﴾(الحجر 15 : 47)، اَلْأَخِلَّاءُ فِي اللّٰهِ، يَنْظُرُ بَعْضُهُمْ إِلٰى بَعْضٍ .

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : اس ذات کی قسم، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں نے آپ کو صرف اپنی ذات کے لئے پیچھے رکھا ہے۔ آپ کی میرے نزدیک وہی قدر و منزلت ہے، جو ہارون کی موسیٰ (علیہما السلام) کے نزدیک تھی۔ آپ میرے وارث ہیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا : میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت میں کیا حاصل کروں گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو انبیا کی وراثت میں ہوتا ہے؟

عرض کیا: آپ سے پہلے انبیا کی وراثت میں کیا تھا؟ فرمایا: کتاب اللہ اور انبیاء کرام کی سنت۔ آپ جنت میں میری بیٹی فاطمہ کے ساتھ میرے محل میں ہوں گے۔ آپ میرے رفیق ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿إِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقَابِلِينَ﴾(الحجر 15 : 47)(وہ بھائیوں کی طرح ہوں گے اور ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے ہوں گے)۔اللہ تعالیٰ کے لئے دلی دوستی رکھنے والے ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہوں گے۔‘‘

(تاريخ ابن أبي خيثمة : 673/2، ت : 2824، المعجم الكبير للطبراني : 220/5، تاريخ دمشق لابن عساكر : 52/42)

تبصرہ :

یہ باطل روایت ہے، کیونکہ :

① عبدالمومن بن عباد عبدی راوی کے بارے میں :

❀ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں : لَا يُتَابَعُ عَلَيْهِ .

’’یہ منکر روایات بیان کرتا ہے۔‘‘(التاريخ الكبير : 117/6)

❀ امام ابو حاتم رازی رحمہ اللہ نے اس پر ’’ضعیف‘‘ کا حکم لگایا ہے۔

(الجرح والتعديل لابن أبي حاتم : 66/6)

❀ امام عقیلی رحمہ اللہ نے اس کی ایک روایت کو کمزور کہا ہے۔

(الضعفاء الكبير : 91/3)

❀ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں :

وَذَكَرَهُ السَّاجِي، وَابْنُ الْجَارُودِ فِي الضُّعَفَاءِ .

''اس کو امام ساجی اور امام ابن جارود نے ضعیف راویوں میں شمار کیا ہے۔''

(لسان المیزان : 75/4)

سوائے امام ابن حبان (الثقات : 417/8) کے کسی نے اس کی توثیق نہیں کی۔

② یزید بن معن کے حالات زندگی نہیں مل سکے۔

③ اس میں ''رجل مبہم'' بھی موجود ہے۔

❀ تاریخ کبیر (386/3) کی سند میں ابراہیم بن بشیر ازدی اور یحییٰ بن معین مدنی دونوں ''مجہول'' ہیں۔(الجرح والتعدیل لابن أبي حاتم : 90/2)

نیز سعد بن شرحبیل کی توثیق مطلوب ہے۔

✳ اس روایت کے بارے میں حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

إِنَّ فِي إِسْنَادِهِ ضُعْفًا . ''بلاشبہ اس کی سند میں ضعف ہے۔''

(الاستيعاب في معرفة الأصحاب : 159/1)

✳ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

وَقَالَ ابْنُ السَّكَنِ : رُوِي حَدِيثُهُ مِنْ ثَلَاثِ طُرُقٍ؛ لَيْسَ فِيهَا مَا يَصِحُّ .

''امام ابن سکن رحمہ اللہ فرماتے ہیں : اس حدیث کو تین سندوں سے بیان کیا گیا ہے، مگر ان میں کوئی بھی صحیح نہیں۔''(الإصابة في تمييز الصحابة : 489/2)

✳ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

وَهٰذَا إِسْنَادٌ مَّجْهُولٌ، لَا يُتَابَعُ عَلَيْهِ، وَلَا يُعْرَفُ سَمَاعُ بَعْضِهِمْ مِّنْ بَعْضٍ، رَوَاهُ بَعْضُهُمْ عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ خَالِدٍ، عَنْ عَبْدِ

اللّٰهِ بْنِ أَبِي أَوْفٰی، عَنِ النَّبِيِّ، وَلَا أَصْلَ لَهٗ .

''اس سند کے راوی مجہول ہیں ، نیز یہ روایت منکر ہے۔اس کے راویوں کا ایک دوسرے سے سماع بھی معروف نہیں۔بعض نے اس کوعن اسماعیل بن خالدعن عبداللہ بن ابی اوفی عن النبی ﷺ کی سند سے بیان کیا ہے،مگر یہ بے اصل ہے۔''(التاريخ الصغير :250/1، 251)

* حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

حَدِيثٌ مُّشْتَرِكٌ، وَهُوَ مُنْكَرٌ جِدًّا .

''اس حدیث کا متن مشترک ہے،لیکن یہ سخت منکر ہے۔''

(سير أعلام النبلاء :141/1)

مزید لکھتے ہیں: زَيْدٌ؛ لَا يُعْرَفُ إِلَّا فِي هٰذَا الْحَدِيثِ الْمَوْضُوعِ، وَقَدْ رَوَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ جَرِيرِ الطَّبَرِيُّ، عَنْ حُسَيْنٍ الدَّارِعِ، عَنْ عَبْدِ الْمُؤْمِنِ، فَسَقَطَ مِنْهُ [عَنْ رَّجُلٍ] .

''زید نامی راوی غیر معروف ہے۔صرف اسی من گھڑت روایت میں اس کا ذکر ہے۔اس کو امام طبری رحمہ اللہ نے حسین دارع سے،عبدالمومن کے واسطے کے ساتھ بیان کیا ہے۔اس سے [عن رجل] کے الفاظ گر گئے ہیں۔''

(سير أعلام النبلاء :142/1، 143)

* حافظ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ وَالْبَزَّارُ، وَفِي إِسْنَادِهِمَا مَنْ لَّمْ أَعْرِفْهُمْ .

''اس روایت کو امام طبرانی اور امام بزار نے بیان کیا ہے۔ان دونوں کی سند

میں ایسے راوی موجود ہیں، جن کو میں نہیں پہچانتا۔'' (مجمع الزوائد : 155/9)

دلیل نمبر ③ : سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے **منسوب** ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«أَنْتَ أَخِي وَصَاحِبِي» . ''آپ میرے بھائی اور ساتھی ہیں۔''

(مسند الإمام أحمد : 230/1)

تبصرہ :

اس کی سند ''ضعیف'' ہے، کیونکہ:

① حجاج بن ارطاۃ راوی جمہور محدثین کے نزدیک ''ضعیف'' اور ''مدلس'' ہے۔

❀ تاریخ دمشق (53/42) میں حجاج کی متابعت شعبہ نے کر رکھی ہے۔

② اس میں حکم بن عتیبہ کی ''تدلیس'' بھی موجود ہے۔ حکم نے مقسم سے صرف چار، پانچ حدیثیں سنی ہیں اور یہ روایت ان میں سے نہیں ہے، لہٰذا یہ ''منقطع'' ہے۔

دلیل نمبر ④ : سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے **منسوب** ہے:

بَيْنَمَا أَنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي ظِلٍّ بِالْمَدِينَةِ، وَهُوَ يَطْلُبُ عَلِيًّا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، إِذِ انْتَهَيْنَا إِلٰى حَائِطٍ، فَنَظَرْنَا فِيهِ، فَنَظَرَ إِلٰى عَلِيٍّ، وَهُوَ نَائِمٌ فِي الْأَرْضِ، وَقَدْ أَغْبَرَ، فَقَالَ : «لَا أَلُومُ النَّاسَ يُكَنُّونَكَ أَبَا تُرَابٍ»، فَلَقَدْ رَأَيْتُ عَلِيًّا تَغَيَّرَ وَجْهُهُ، وَاشْتَدَّ ذٰلِكَ عَلَيْهِ، فَقَالَ : «أَلَا أُرْضِيكَ يَا عَلِيُّ ؟» قَالَ : بَلٰى، يَا رَسُولَ اللّٰهِ، قَالَ : «أَنْتَ أَخِي، وَوَزِيرِي، تَقْضِي

دَيْنِي، وَتُنْجِزُ مَوْعِدِي، وَتُبْرِئُ ذِمَّتِي، فَمَنْ أَحَبَّكَ فِي حَيَاةٍ مِّنِّي؛ فَقَدْ قَضٰى نَحْبَهٗ، وَمَنْ أَحَبَّكَ فِي حَيَاةٍ مِّنْكَ بَعْدِي؛ خَتَمَ اللّٰهُ لَهٗ بِالْأَمْنِ وَالْإِيمَانِ، وَمَنْ أَحَبَّكَ بَعْدِي، وَلَمْ يَرَكَ؛ خَتَمَ اللّٰهُ لَهٗ بِالْأَمْنِ وَالْإِيمَانِ، وَأَمَّنَهٗ يَوْمَ الْفَزَعِ الْأَكْبَرِ، وَمَنْ مَّاتَ وَهُوَ يَبْغَضُكَ يَا عَلِيُّ؛ مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً، يُحَاسِبُهُ اللّٰهُ بِمَا عَمِلَ فِي الْإِسْلَامِ» .

''میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ مدینہ منورہ کی ایک سائے والی میں جگہ میں تھا، آپ ﷺ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو تلاش فرما رہے تھے۔اچانک ہم ایک باغ میں رکے،تو وہاں آپ ﷺ نے دیکھا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ زمین پر سوئے ہوئے تھے۔ان کی حالت غبار آلود تھی۔آپ ﷺ نے فرمایا: میں ان لوگوں کو ملامت نہیں کروں گا، جو آپ کو ابو تراب کی کنیت سے پکارتے ہیں۔میں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا، ان کے چہرے کا رنگ بدل چکا تھا۔ان پر نبی کریم ﷺ کی یہ بات بڑی گراں گزری تھی۔آپ ﷺ نے فرمایا:علی! کیا میں تجھ کو خوش نہ کروں؟ کہا: کیوں نہیں اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے فرمایا:علی! آپ میرے بھائی، وزیر، میرے قرض کو ادا کرنے والے، میرے وعدوں کو پورا کرنے والے اور میری ذمہ داری کو نبھانے والے ہیں۔جو شخص میری زندگی میں آپ سے محبت کرے گا،وہ اپنا مقصد پالے گا اور جو شخص میرے بعد آپ کی زندگی میں آپ سے محبت کرے گا،اللہ رب العزت اس کے لیے امن و ایمان کے

فیصلہ فرمائیں گے۔اسی طرح جو شخص میرے بعد آپ سے محبت کرے گا اور آپ کو دیکھ نہیں سکے گا، اللہ رب العزت اس کے لیے امن و ایمان کا فیصلہ فرما دیں گے اور میدان محشر میں بھی اس کو امن عطا فرمائیں گے۔لیکن جس شخص کو اس حال میں موت آئی کہ وہ آپ سے بغض رکھتا ہو، وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔اللہ تعالیٰ اس کے ان اعمال کا حساب لیں گے، جو اس نے حالتِ اسلام میں کیے ہوں گے۔(المعجم الكبير للطبراني : 420/12)

تبصرہ :

سیدنا علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ناراض ہو گئے، یہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر جھوٹا الزام ہے۔
یہ سخت ''ضعیف'' روایت ہے، کیونکہ :

① لیث بن ابو سلیم جمہور محدثین کے نزدیک ''ضعیف'' اور حافظے کی خرابی میں مبتلا تھا۔

② عبداللہ بن محمد طہوی راوی ''مجہول'' ہے۔

✳ حافظ ہیثمی رحمہ اللہ اس روایت کے بارے میں فرماتے ہیں :

وَفِيهِ مَنْ لَّمْ أَعْرِفْهُ .

''اس روایت کی سند میں ایک ایسا راوی ہے جس کو میں نہیں پہچانتا۔''

(مجمع الزوائد : 121/9)

دلیل نمبر ⑤ : سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے :

طَلَبَنِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَوَجَدَنِي فِي جَدْوَلٍ نَائِمًا، فَقَالَ : «قُمْ، مَا أَلُومُ النَّاسَ يُسَمُّونَكَ أَبَا تُرَابٍ» ، قَالَ :

فَرَأٰى كَأَنِّي وَجَدْتُ فِي نَفْسِي مِنْ ذٰلِكَ، فَقَالَ : «قُمْ، فَوَاللّٰهِ لَأُرْضِيَنَّكَ، أَنْتَ أَخِي، وَأَبُو وَلَدَيَّ، تُقَاتِلُ عَنْ سُنَّتِي، وَتُبْرِئُ ذِمَّتِي، مَنْ مَّاتَ فِي عَهْدِي؛ فَهُوَ كَنْزُ اللّٰهِ، وَمَنْ مَّاتَ فِي عَهْدِكَ؛ فَقَدْ قَضٰى نَحْبَهٗ، وَمَنْ مَّاتَ يُحِبُّكَ بَعْدَ مَوْتِكَ؛ خَتَمَ اللّٰهُ لَهٗ بِالْأَمْنِ وَالْإِيمَانِ، مَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ أَوْ غَرَبَتْ، وَمَنْ مَّاتَ يُبْغِضُكَ مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً، وَحُوسِبَ بِمَا عَمِلَ فِي الْإِسْلَامِ» .

''رسول اللہ ﷺ نے مجھے تلاش کیا اور مجھے ایک نالے میں سویا ہوا پایا، آپ ﷺ نے فرمایا: اُٹھیے، میں ان لوگوں کو ملامت نہیں کروں گا، جو آپ کو ابوتراب کے نام سے پکارتے ہیں۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ میں نے اس بات کومحسوس کیا ہے،تو آپ ﷺ نے فرمایا: اُٹھیے، اللہ کی قسم! میں آپ کو ضرور خوش کروں گا۔آپ میرے بھائی ہو، میرے نواسوں کے باپ ہو،میری سنت کیلئے لڑتے ہو،میرے ذمہ کی چیزوں کو ادا کرو گے،جوشخص بھی میری وفاداری پر مرتا ہے،وہ اللہ کےخزانوں میں ہوگا۔ اے علی!جوشخص آپ کی وفاداری میں مرے گا، وہ اپنا مقصد پا لے گااور جو آپ سے محبت کرتے ہوئے مرے گا،اللہ اس کے لیے تاقیامت امن و ایمان کا فیصلہ کرے گا۔جوشخص آپ کے ساتھ بغض کی حالت میں مرگیا،وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔اس کے اسلام میں کیے گئے اعمال کا حساب ہو

گا۔''(مسند أبي يعلىٰ : 528)

تبصرہ :

یہ سند ''ضعیف'' ہے، کیونکہ :

① عبدالمؤمن راوی کون ہے؟ اس کا تعین اور توثیق درکار ہے۔

② سوید بن سعید حدثانی کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

صَدُوقٌ فِي نَفْسِهٖ؛ إِلَّا أَنَّهٗ عَمِيَ، فَصَارَ يَتَلَقَّنُ مَا لَيْسَ مِنْ حَدِيثِهٖ .

''یہ صدوق راوی تھا، مگر جب نابینا ہوا تو تلقین قبول کر لیتا تھا۔''

(تقریب التہذیب : 2690)

دلیل نمبر ⑥ : سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

"يَا عَلِيُّ، أَنْتَ أَخِي، وَصَاحِبِي، وَرَفِيقِي، فِي الْجَنَّةِ» .

''علی! آپ میرے بھائی اور ساتھی ہیں، نیز جنت میں میرے دوست ہیں۔''

(تاریخ بغداد للخطیب : 268/12، تاریخ دمشق لابن عساکر : 61/42)

تبصرہ :

یہ جھوٹی روایت ہے، کیونکہ :

① عثمان بن عبدالرحمٰن وقاصی باتفاق محدثین ''ضعیف'' اور ''متروک'' ہے۔

❀ حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : مُتَّفَقٌ عَلٰى تَرْكِهٖ .

''اس کے متروک الحدیث ہونے پر محدثین کرام کا اتفاق ہے۔''

(سير أعلام النبلاء :167/1، تاريخ الإسلام :594/1)

② عمران بن سوار بغدادی کی توثیق درکار ہے۔

③ علی بن حسین نے اپنے دادا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا۔

دلیل نمبر ⑦ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب ہے کہ آپ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: «أَنْتَ أَخِي، وَأَنَا أَخُوكَ».

''آپ میرے بھائی اور میں آپ کا بھائی ہوں۔''

(تاريخ دمشق لابن عساكر : 18/42)

تبصرہ :

یہ سخت ''ضعیف'' روایت ہے، کیونکہ:

① حفص بن جمیع کوفی راوی ''ضعیف'' ہے۔

(تقريب التهذيب لابن حجر :1401)

② سماک بن حرب راوی کا آخری عمر میں حافظہ بگڑ گیا تھا۔

③ عمر بن عبید اللہ تیمی کی سوائے امام ابن حبان (الثقات : 117/7) کے کسی نے توثیق نہیں کی، لہٰذا یہ ''مجہول الحال'' ہے۔

دلیل نمبر ⑧ : سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے کہ انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے یہ فرماتے ہوئے سنا:

«أَنْتَ أَخِي فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ».

''آپ دنیا وآخرت میں میرے بھائی ہیں۔''

(تاریخ دمشق للحافظ ابن عساکر : 52/42)

تبصرہ :

یہ باطل سند ہے، کیونکہ :

① اس کا راوی عمرو بن ابو مقدام بن ثابت ''ضعیف'' اور ''متروک'' ہے۔

۞ اسے امام عبداللہ بن مبارک، امام یحییٰ بن معین، امام بخاری، امام دارقطنی، امام ابو حاتم رازی، امام ابو زرعہ رازی، امام نسائی اور امام ابن عدی رحمہم اللہ نے ''ضعیف'' اور ''متروک'' قرار دیا ہے۔

② حسن بن حسین عرنی راوی مجروح ہے۔

③ عمر بن حسن قاضی بھی نری مصیبت ہے۔

④ حسن بصری ''مدلس'' ہیں۔

دلیل نمبر ⑨ : سیدنا انس رضی اللہ عنہ ہی سے منسوب ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سیدنا علی سے یہ فرماتے ہوئے سنا:

«أَنْتَ أَخِي، وَأَنَا أَخُوكَ» . ''آپ میرے اور میں آپ کا بھائی ہوں۔'' (تاریخ دمشق لابن عساکر : 52/42)

تبصرہ :

یہ بھی گھڑنتل ہے، کیونکہ مطر بن میمون محاربی ''متروک'' اور ''وضاع'' ہے۔

۞ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے ''متروک'' کہا ہے۔

(تقریب التہذیب : 6703)

۞ امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

يَرْوِي عَنْ أَنَسٍ مَّا لَيْسَ مِنْ حَدِيثِهٖ، فِي فَضْلِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ وَّغَيْرِهٖ، لَا تَحِلُّ الرِّوَايَةُ عَنْهُ.

''یہ راوی سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سیدنا علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ وغیرہ کی فضلیت میں وہ روایتیں بیان کرتا تھا، جو انہوں نے بیان ہی نہیں کیں۔اس سے روایت لینا حرام ہے۔''(المجروحین : 5/3)

✳ اس حدیث کو حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ (الموضوعات : 347/1)اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ (میزان الاعتدال : 127/4)نے ''موضوع''(من گھڑت) کہا ہے۔

دلیل نمبر ⑩ : سیدہ اسما بنتِ عمیس رضی اللہ عنہا سے منسوب ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَقُولُ كَمَا قَالَ أَخِي مُوسٰى : ﴿رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ وَيَسِّرْ لِيْ اَمْرِيْ﴾، ﴿وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ﴾ عَلِيًّا أَخِي اشْدُدْ بِهٖ أَزْرِي».

''میں اسی طرح کہتا ہوں، جیسے میرے بھائی موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا تھا کہ میرے رب، مجھے شرح صدر عطا فرما، میرے لئے میرا کام آسان فرما، میرے گھر والوں میں سے میرا کوئی وزیر بنا، میرے بھائی علی کے ذریعے مجھے قوت عطا فرما۔''

(تاریخ دمشق لابن عساکر : 52/42)

تبصرہ :

یہ ''ضعیف'' روایت ہے، کیونکہ :

① حصین بن یزید تغلبی کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ نے ''فیہ نظر'' کہا ہے۔
(التاریخ الکبیر : 7/3)

سوائے امام ابن حبان رحمہ اللہ (الثقات : 158/4) کے کسی نے اس کی توثیق نہیں کی، لہٰذا یہ ''مجہول الحال'' ہے۔

② احمد بن عبدالملک اودی کی توثیق چاہئے۔

دلیل نمبر ⑪ : محدوج بن زید ذہلی سے مروی ہے:

إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا اٰخٰى بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ؛ أَخَذَ بِيَدِ عَلِيٍّ، فَوَضَعَهَا عَلٰى صَدْرِهٖ، ثُمَّ قَالَ : «يَا عَلِيُّ، أَنْتَ أَخِي» .

''جب رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کے درمیان اخوت قائم کی، تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر اپنے سینے مبارک پر رکھا، پھر فرمایا: علی، آپ میرے بھائی ہیں۔'' (تاریخ دمشق لابن عساکر : 53/42)

تبصرہ :

یہ جھوٹی روایت ہے، کیونکہ:

① سعد بن طریف اسکاف ''متروک'' اور ''وضاع'' راوی ہے۔
② یحییٰ بن عبدالحمید حمانی جمہور محدثین کے نزدیک ''ضعیف'' ہے۔
③ قیس بن ربیع جمہور محدثین کے نزدیک ''ضعیف'' ہے۔
④ عطیہ عوفی جمہور محدثین کے نزدیک ''ضعیف'' ہے۔
⑤ محدوج بن زید کے صحابی ہونے میں بھی اختلاف ہے۔

دلیل نمبر ⑫ : سیدنا ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے:

لَمَّا اٰخٰی رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَیْنَ النَّاسِ؛ اٰخٰی بَیْنَہٗ وَبَیْنَ عَلِیٍّ .

''جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے درمیان اخوت قائم کی، تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اپنا بھائی بنایا۔''(تاریخ دمشق لابن عساکر : 51/42)

تبصرہ :

یہ صریح جھوٹ ہے، کیونکہ :

① ایوب بن مدرک حنفی ''متروک'' اور کذاب راوی ہے۔

✿ امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

رَوٰی أَیُّوبُ بْنُ مُدْرِکٍ عَنْ مَّکْحُولٍ بِنُسْخَۃٍ مَّوْضُوعَۃٍ، وَلَمْ یَرَہٗ .

''ایوب بن مدرک نے امام مکحول سے ایک من گھڑت نسخہ روایت کیا ہے، حالانکہ ان کو دیکھا تک نہیں۔''

(میزان الاعتدال للذھبي :293/1، لسان المیزان لابن حجر :488/1)

اس کے حق میں ادنیٰ کلمہ توثیق ثابت نہیں۔

② علاء بن عمرو حنفی بھی جھوٹی حدیثیں گھڑنے کا ماہر تھا۔

③ مکحول کا سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے سماع بھی نہیں ہے۔

دلیل نمبر ⑬ : سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کہا:

وَاللّٰهِ إِنِّي لَأَخُوهُ وَوَلِيُّهُ وَابْنُ عَمِّهِ .

''اللہ کی قسم، میں آپ کا بھائی، وارث اور چچا زاد ہوں۔''

(تاريخ دمشق لابن عساكر : 56/42)

تبصرہ :

یہ سند ''ضعیف'' ہے، کیونکہ سماک بن حرب اگرچہ محدثین کے نزدیک ''حسن الحدیث'' ہے، لیکن عکرمہ سے اس کی روایت ''مضطرب'' ہوتی ہے۔

❀ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

صَدُوقٌ، وَرِوَايَتُهُ عَنْ عِكْرِمَةَ خَاصَّةً مُّضْطَرِبَةٌ، وَقَدْ تَّغَيَّرَ بِاٰخِرِهٖ، فَكَانَ رُبَّمَا يُلَقَّنُ .

''یہ سچا راوی تھا، البتہ صرف عکرمہ سے اس کی روایت مضطرب ہوتی ہے۔عمر کے آخری حصے میں اس کے حافظے میں بگاڑ آ گیا تھا اور بسا اوقات تلقین قبول کر لیتا تھا۔''(تقريب التهذيب : 2624)

دلیل نمبر ⑭ : سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دس باتیں فرمائیں، ان میں سے ایک یہ ہے :

«يَا عَلِيُّ، أَنْتَ أَخِي فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ» .

''اے علی! آپ دنیا اور آخرت میں میرے بھائی ہیں۔''(أمالي الشجري :141/1)

تبصرہ :

یہ جھوٹی روایت ہے، کیونکہ نصر بن مزاحم کوفی ''متروک'' اور کذاب ہے۔

(دیکھیں: لسان المیزان لابن حجر : 267/8، بتحقیق أبي غدّة)

نیز اس میں بہت سارے راویوں کے حالات زندگی نہیں مل سکے۔

دلیل نمبر ⑮ : سیدنا یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے:

إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اٰخٰى بَيْنَ النَّاسِ وَتَرَكَ عَلِيًّا، فَقَالَ عَلِيٌّ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ، آخَيْتَ بَيْنَ النَّاسِ وَتَرَكْتَنِي؟ قَالَ : «وَلِمَ تَرَانِي تَرَكْتُكَ ؟ إِنَّمَا تَرَكْتُكَ لِنَفْسِي، أَنْتَ أَخِي، وَأَنَا أَخُوكَ، فَإِنْ ذَاكَرَكَ أَحَدٌ، فَقُلْ : أَنَا عَبْدُ اللّٰهِ وَأَخُو رَسُولِهٖ، وَلَا يَدَّعِيهَا أَحَدٌ بَعْدَكَ إِلَّا كَذَّابٌ» .

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے مابین بھائی چارہ قائم کیا، تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دیا۔انہوں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! آپ نے سب لوگوں کے درمیان اخوت قائم کر دی، مگر مجھے چھوڑ دیا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آپ نے ایسا کیوں خیال کیا کہ میں نے آپ کو چھوڑ دیا۔میں نے تو آپ کو اپنی ذات کے لئے چھوڑا تھا، آپ میرے بھائی اور میں آپ کا بھائی ہوں۔اگر کوئی آپ اس بات کا تذکرہ کرے، تو یوں کہا کریں کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کے رسول کا بھائی ہوں۔آپ کے بعد کوئی جھوٹا ہی اس بات کا دعویٰ کرے گا (کہ وہ اللہ کے رسول کا بھائی ہے)۔''

(الكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي : 66/6)

تبصرہ :

یہ سخت ''ضعیف'' سند ہے، کیونکہ اس کا راوی عمر بن عبداللہ بن یعلیٰ ''ضعیف'' ہے۔

❁ نقاد محدثین، جیسے امام احمد بن حنبل، امام یحییٰ بن معین، امام ابوحاتم رازی، امام ابو زرعہ رازی، امام بخاری، امام نسائی، امام یعقوب بن سفیان فسوی رحمہ اللہ نے اسے ''ضعیف'' ومجروح قرار دیا ہے۔

❁ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے اسے ''متروک'' قرار دیا ہے۔

(الضعفاء والمتروکون : 376)

❁ امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں : مُنْكَرُ الرِّوَايَةِ عَنْ أَبِيهِ .

''اس کے باپ سے اس کی روایات منکر ہیں۔'' (المجروحين : 91/2)

یہ روایت بھی اس نے اپنے باپ سے بیان کی ہے۔

نیز امام ابن عدی رحمہ اللہ کے استاذ روح بن عبدالمجیب بلدی کے حالاتِ زندگی بھی نہیں مل سکے۔

دلیل نمبر ⑯ : سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے :

كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ يُوَاخِي بَيْنَ أَصْحَابِهٖ، فَقَالَ : «عَلِيٌّ أَخِي، وَأَنَا أَخُوهُ، وَأُحِبُّهٗ» .

''جب رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کے مابین اخوت قائم کی، تو فرمایا: علی میرے بھائی ہیں اور ان کا بھائی۔ نیز میں ان کے ساتھ محبت کرتا ہوں۔''

(الكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي : 132/7)

تبصرہ :

یہ سخت ترین ''ضعیف'' روایت ہے، کیونکہ اس کا راوی ہیاج بن بسطام ہروی جمہور

محدثین کے نزدیک ''ضعیف'' ہے۔

❁ اس کو امام یحییٰ بن معین، امام نسائی، امام ابو حاتم رازی، امام ابن حبان اور امام ابن عدی رحمہ اللہ وغیرہ نے ''ضعیف'' قرار دیا ہے۔

❁ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

ضَعِيفٌ، رَوٰى عَنْهُ ابْنُهٗ خَالِدٌ مُّنْكَرَاتٍ شَدِيدَةً .

''یہ ضعیف راوی ہے، اس سے اس کے بیٹے خالد نے شدید منکر روایات بیان کی ہیں۔'' (تقریب التهذیب : 7300)

دلیل نمبر ⑰ : سیدنا ابو طفیل رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے:

لَمَّا احْتُضِرَ عُمَرُ؛ جَعَلَهَا شُورٰى بَيْنَ عَلِيٍّ، وَعُثْمَانَ، وَطَلْحَةَ، وَالزُّبَيْرِ، وَعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ، وَسَعْدٍ، فَقَالَ لَهُمْ عَلِيٌّ : أُنْشِدُكُمُ اللّٰهَ، هَلْ فِيكُمْ أَحَدٌ اٰخٰى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَهٗ، إِذْ اٰخٰى بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ، غَيْرِي، قَالُوا : اللّٰهُمَّ، لَا .

''جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات کے قریب خلیفہ نامزد کرنے کے لیے سیدنا علی، سیدنا عثمان، سیدنا طلحہ، سیدنا زبیر، سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف اور سیدنا سعد رضی اللہ عنہم پر مشتمل افراد کی مجلس شوریٰ قائم کی، تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ارکانِ شوریٰ سے فرمایا: میں تم کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا، تو کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا ہے، جس سے رسول اللہ نے اخوت قائم کی ہو؟ ان سب سے

جواب دیا: اللہ گواہ ہے، آپ کے علاوہ کوئی ایسا نہیں۔''

(الاستيعاب في معرفة الأصحاب لابن عبد البرّ :338/1)

تبصره :

یہ جھوٹی کہانی ہے، کیونکہ:

① ابو جارود زیاد بن منذر کذاب، ''متروک'' اور رافضی ہے۔

❁ امام یحیٰی بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

كَذَّابٌ، عَدُوُّ اللّٰهِ، لَيْسَ يُسَاوِي فَلْسًا .

''یہ اللہ کا دشمن جھوٹا ہے، کھوٹے سکّے کے برابر بھی نہیں ہے۔''

(الكامل في ضعفاء الرجال لابن عديّ : 189/3، وسندهٗ حسنٌ)

② سعید بن محمد ازدی کی توثیق درکار ہے۔

③ اسحاق بن ابراہیم ازدی کی محدثین سے توثیق ثابت کی جائے۔

دلیل نمبر ⑱ : سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے یہ فرماتے ہوئے سنا: «أَنْتَ أَخِي» .

''آپ میرے بھائی ہیں۔''(الضعفاء الكبير للعقيلي : 179/2)

تبصره :

یہ باطل روایت ہے، کیونکہ:

① مالک بن عطیہ جہنی کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔

② حسن بن محبوب بن وہب زراد کی محدثین سے توثیق ثابت کی جائے۔

③ امام عقیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَأَبُو جَعْفَرٍ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ؛ لَا يَتَّصِلُ بِأَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ .

''ابوجعفر محمد بن علی کی سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت متصل نہیں ہوتی۔''

(الضعفاء الكبير للعقيلي : 179/2)

اس روایت میں ایک اور خرابی بھی ہے۔

دلیل نمبر ⑲ : سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے کہ وہ کعبہ کے ساتھ ٹیک لگائے فرما رہے تھے :

أَيُّهَا النَّاسُ، اسْتَوُوا، أُحَدِّثُكُمْ مِمَّا سَمِعْتُ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لِعَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ كَلِمَاتٍ؛ لَوْ تَكُونُ لِي إِحْدَاهُنَّ، أَحَبُّ إِلَيَّ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا، سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَهُوَ يَقُولُ : «اللّٰهُمَّ أَعِنْهُ ـــ، فَإِنَّهُ عَبْدُكَ وَأَخُو رَسُولِكَ» .

''لوگو! سیدھے ہو جاؤ، میں تمہیں وہ حدیث بیان کرتا ہوں، جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو چند کلمات فرما رہے تھے، ان میں سے ایک کا بھی میرے حصے میں آ جانا میرے لئے دینا و مافیہا سے بہتر ہوتا۔ میں نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے: اے اللہ! ان کی نصرت فرما۔۔۔، یقیناً یہ تیرے بندے اور تیرے رسول کے بھائی ہیں۔''

(تاريخ دمشق لابن عساكر : 54/42)

تبصرہ :

یہ ضعیف اور غیر ثابت اثر ہے، کیونکہ :

① امام جعفر صادق رحمہ اللہ کا کسی صحابی سے سماع نہیں ہے۔حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان کو طبقہ سادسہ میں ذکر کیا ہے۔اس طبقے کے راویوں کی کسی صحابی سے ملاقات ثابت نہیں ہوتی۔

② جعفر بن ابراہیم جعفری ''مجہول الحال'' راوی کے بارے میں امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

يُعْتَبَرُ بِحَدِيثِهٖ مِنْ غَيْرِ رِوَايَتِهٖ عَنْ أَبِيهِ .

''اس کی اس حدیث کو متابعات وشواہد میں ذکر کیا جائے گا، جو اس نے اپنے والد سے بیان نہ کی ہو۔''

(لسان الميزان لابن حجر : 106/2 ، الثقات لابن حبّان : 160/8)

③ اس سند میں بہت سارے راویوں کی توثیق نہیں مل سکی۔

❁ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

إِنَّ أَحَادِيثَ الْمُوَاخَاةِ بَيْنَ الْمُهَاجِرِينَ بَعْضِهِمْ مَّعَ بَعْضٍ، وَالْأَنْصَارِ بَعْضِهِمْ مَّعَ بَعْضٍ، كُلُّهَا كَذِبٌ، وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يُوَاخِ عَلِيًّا، وَلَا اٰخٰى بَيْنَ أَبِي بَكْرٍ وَّعُمَرَ، وَلَا بَيْنَ مُهَاجِرِيٍّ وَّمُهَاجِرِيٍّ، لٰكِنْ اٰخٰى بَيْنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ، كَمَا اٰخٰى بَيْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ وَّسَعْدِ بْنِ الرَّبِيعِ، وَبَيْنَ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ وَأَبِي الدَّرْدَاءِ، وَبَيْنَ عَلِيٍّ وَّسَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ .

''مہاجرین کی آپس میں اور انصار کی آپس میں مؤاخات کے متعلق تمام احادیث جھوٹی ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے نہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مؤاخات قائم کی، نہ سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ۔آپ ﷺ نے کسی مہاجر کا مہاجر سے بھائی چارہ قائم نہیں کیا۔آپ ﷺ نے تو مہاجرین اور انصار کے مابین مواخات قائم کی تھی، جیسا کہ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف اور سیدنا سعد بن ربیع رضی اللہ عنہما کے مابین،سیدنا سلمان فارسی اورسیدنا ابو دردا رضی اللہ عنہما کے مابین اورسیدنا علی اورسیدنا سہل بن حنیف رضی اللہ عنہما کے مابین بھائی چارہ قائم کیا تھا۔''

(منہاج السنّة النبويّة : 279/7)

خلاصة التحقيق :

رسول اللہ ﷺ کا سیدنا علی رضی اللہ عنہ سمیت تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اسلامی اخوت کا رشتہ تھا۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ خاص اخوت کے بارے میں کچھ بھی ثابت نہیں۔رہیں وہ احادیث جن میں ہجرت کے بعد نبی کریم ﷺ کا سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مؤاخات کرنے کا ذکر ہے،تو وہ ساری کی ساری ''ضعیف''اور نا قابل حجت ہیں۔اگر کسی کے پاس ایسی کوئی ایک روایت بھی ''حسن'' یا ''صحیح'' سند کے ساتھ موجود ہو ،تو وہ پیش کرے، ہم اس کا اصولِ محدثین کے مطابق جائزہ لیں گے۔ہمارے علم کے مطابق اس حوالے سے ایک بھی روایت اصولِ محدثین کی روشنی میں پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی۔

البتہ نبی اکرم ﷺ نے خصوصی طور پر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنا بھائی کہا ہے،جیسا کہ:

❀ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا مِّنْ أُمَّتِي خَلِيلًا، لَاتَّخَذْتُ أَبَا بَكْرٍ، وَلٰكِنْ

أَخِي وَصَاحِبِي» .

''اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو خلیل بناتا، تو ابوبکر کو خلیل بناتا، لیکن وہ میرے بھائی اور دوست ہیں۔''

(صحيح البخاري : 3656، صحيح مسلم : 2383، عن عبد الله بن مسعود)

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ مِنْ أَمَنِّ النَّاسِ عَلَيَّ فِي صُحْبَتِهِ وَمَالِهِ أَبَا بَكْرٍ، وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيلًا غَيْرَ رَبِّي؛ لَاتَّخَذْتُ أَبَا بَكْرٍ، وَلٰكِنْ أُخُوَّةُ الْإِسْلَامِ وَمَوَدَّتُهُ» .

''لوگوں میں سے مجھ پر صحبت اور مال میں سب سے زیادہ احسان کرنے والے شخص ابوبکر ہیں۔ اگر میں اپنے رب کے علاوہ کسی کو خلیل بناتا، تو ابوبکر کو خلیل بناتا، لیکن اسلام کا بھائی چارہ اور محبت ومودّت ہی کافی ہے۔''

(صحيح البخاري : 3654، صحيح مسلم : 2382)

سیدہ خولہ بنت حکیم نے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا رشتہ مانگا، تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ عائشہ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی ابوبکر کی بیٹی ہے۔ رشتہ کیسے ہوگا؟ اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ خولہ سے کہا کہ ابوبکر کو کہیں:

«أَنْتَ أَخِي فِي الْإِسْلَامِ، وَأَنَا أَخُوكَ، وَابْنَتُكَ تَصْلُحُ لِي» .

''آپ میرے اسلامی بھائی ہیں اور میں آپ کا، لیکن آپ کی بیٹی میرے (نکاح کے) لیے جائز ہے۔''

تب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سیدہ عائشہ کا نکاح کر دیا۔

(المعجم الكبير للطبراني : 23/23، ح : 57، وسندهٗ حسنٌ)

❁ حافظ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

وَرِجَالُهٗ رِجَالُ الصَّحِيحِ؛ غَيْرَ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ عَلْقَمَةَ، وَهُوَ حَسَنُ الْحَدِيثِ .

''اس کے سارے راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں، سوائے محمد بن عمرو بن علقمہ کے اور وہ حسن الحدیث ہیں۔'' (مجمع الزوائد : 225/9)

خوشخبری

کچھ عرصہ تک بعض مسائل کی بنا پر ماہنامہ السنۃ چھے ماہ کے مجموعے کی صورت میں شائع ہوتا رہا ہے، لیکن اب قارئین کرام کے لیے یہ خوشخبری ہے کہ ان کا محبوب رسالہ اللہ کے فضل اور اس کی توفیق سے ہر ماہ باقاعدگی سے شائع ہو گا۔

یہ علمی و تحقیقی کاوش محض رضائے الٰہی کے لیے قارئین کرام کی خدمت میں پیش کی جاتی ہے۔ تمام اہل ذوق سے درخواست ہے کہ وہ خود بھی اس سے مستفید ہوں اور جہاں تک ممکن ہو، دوسروں کو بھی اس سے استفادے کی دعوت دیں۔

ہماری دعوت پر اگر کوئی ایک بھی شخص قرآن و سنت کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر راہِ ہدایت پا جاتا ہے، تو یہ ہمارے لیے بہت بڑی خوش نصیبی کی بات ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شجاعت و بسالت کا انکار کوئی کافر ہی کر سکتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے انہیں بہترین قوت بھی عطا فرمائی تھی۔وہ بلاشبہ شیر خدا تھے۔

حقیقی ہیرو کو کسی جھوٹی فضیلت و منقبت کی ضرورت نہیں ہوتی،لیکن ہمیشہ سے لوگوں کا یہ چلن رہا ہے کہ وہ اپنی من پسند شخصیت کے بارے میں جھوٹی باتیں مشہور کر دیتے ہیں، جو اکثر اوقات اس شخصیت کی سیرت کو نکھارنے کی بجائے لوگوں کے ذہنوں میں اس کا غلط تصور بٹھاتی ہیں۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی ایک ایسی ہی بات مشہور ہے۔وہ یہ کہ خیبری دروازہ جسے بہت سارے لوگ مل کر بھی نہیں اٹھا سکتے تھے،انہوں نے اکیلے ہی اٹھا کر پھینک دیا تھا۔یہ واقعہ غیر ثابت اور غیر معتبر ہونے کے ساتھ ساتھ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایک مافوق الفطرت مخلوق ہونے کا تصور بھی پیدا کرتا ہے۔

اس سلسلے میں کل چار روایات آتی ہیں؛ تین اہل سنت کی کتب میں اور ایک روافض کی کتب میں۔آیئے اصولِ محدثین کی روشنی میں ان سب کا تحقیقی جائزہ لیتے ہیں۔

روایت نمبر ① : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام سیدنا ابو رافع رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے:

خَرَجْنَا مَعَ عَلِيٍّ حِينَ بَعَثَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

بِرَأْيَتِهٖ، فَلَمَّا دَنَا مِنَ الْحِصْنِ؛ خَرَجَ إِلَيْهِ أَهْلُهٗ فَقَاتَلَهُمْ، فَضَرَبَهٗ رَجُلٌ مِّنْ يَّهُودَ، فَطَرَحَ تُرْسَهٗ مِنْ يَّدِهٖ، فَتَنَاوَلَ عَلِيٌّ بَابًا كَانَ عِنْدَ الْحِصْنِ، فَتَرَّسَ بِهٖ نَفْسَهٗ، فَلَمْ يَزَلْ فِي يَدِهٖ وَهُوَ يُقَاتِلُ، حَتّٰى فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْهِ، ثُمَّ أَلْقَاهُ مِنْ يَّدِهٖ حِينَ فَرَغَ، فَلَقَدْ رَأَيْتُنِي فِي نَفَرٍ مَّعِيَ سَبْعَةٌ؛ أَنَا ثَامِنُهُمْ، نَجْهَدُ عَلٰى أَنْ نَّقْلِبَ ذٰلِكَ الْبَابَ، فَمَا نَقْلِبُهٗ.

''ہم سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ (خیبر کے قلعہ کی طرف) نکلے، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جھنڈا دے کر بھیجا تھا۔ جب ہم قلعہ کے پاس پہنچے، تو قلعہ والے لوگ باہر آئے، ان کے ساتھ لڑائی شروع ہوئی، ایک یہودی نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر حملہ کیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی ڈھال ہاتھ سے گر گئی۔ انہوں نے قلعہ کا دروازہ اکھیڑ کر اس سے ڈھال کا کام لیا۔ وہ دروازہ دورانِ قتال مستقل طور پر ان کے ہاتھ میں رہا، حتی کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں فتح عطا فرما دی۔ جنگ سے فارغ ہو کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اسے اپنے ہاتھ سے پھینک دیا۔ میں نے دیکھا کہ سات آدمیوں نے، جن کے ساتھ آٹھواں میں تھا، اس دروازے کو ہلانے میں ایڑھی چوٹی کا زور لگا دیا، لیکن ہم اسے ہلا بھی نہیں سکے۔''

(مسند الإمام أحمد :8/6، دلائل النبوّة للبيهقي :212/4، سيرة ابن هشام : 350، 349/6، تاريخ دمشق لابن عساكر : 111/42)

تبصره :

یہ سند ''ضعیف'' ہے، کیونکہ اس میں بَعْضُ أَهْلِهٖ ''مبہم'' اور ''مجہول'' لوگ ہیں۔

شریعت ہمیں نامعلوم افراد سے دین اخذ کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔

حافظ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

رَوَاهُ أَحْمَدُ، وَفِيهِ رَاوٍ لَّمْ يُسَمَّ .

''اسے امام احمد نے روایت کیا ہے، اس میں ایک ایسا راوی ہے جس کا نام ذکر نہیں کیا گیا۔''(مجمع الزوائد : 152/6)

دلائل النبوّة کی سند میں عبداللہ بن حسن کا واسطہ گر گیا ہے،اسی لئے حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَفِي هٰذَا الْخَبَرِ جَهَالَةٌ وَّانْقِطَاعٌ ظَاهِرٌ .

''اس روایت میں جہالت اور واضح انقطاع موجود ہے۔''

(البداية والنهاية : 191/4)

روایت نمبر ② : سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے منسوب ہے:

إِنَّ عَلِيًّا حَمَلَ الْبَابَ يَوْمَ خَيْبَرَ، حَتّٰى صَعِدَ الْمُسْلِمُونَ فَفَتَحُوهَا، وَإِنَّهٗ جُرِّبَ، فَلَمْ يَحْمِلْهُ؛ إِلَّا أَرْبَعُونَ رَجُلًا .

''سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے خیبر کے دن قلعے کے دروازے کو اٹھالیا،حتی کہ مسلمانوں نے چڑھائی کر کے اسے فتح کر لیا۔تجربہ کیا گیا،تو معلوم ہوا کہ اس دروازے کو چالیس طاقتور افراد ہی اٹھا سکتے تھے۔''

(مصنّف ابن أبي شيبة : 84/12، تاريخ بغداد للخطيب : 324/1، تاريخ دمشق لابن عساكر : 111/42)

تبصره :

اس کی سند ''ضعیف'' ہے، کیونکہ اس میں لیث بن ابی سلیم جمہور محدثین کے نزدیک ''ضعیف'' خراب حافظے والا موجود ہے۔

❁ حافظ عراقی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ضَعَّفَهُ الْجُمْهُورُ .

''جمہور محدثین کرام نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔''

(المغني عن حمل الأسفار : 187/2، تخريج أحاديث الإحياء للحداد : 1648)

❁ حافظ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وَضَعَّفَهُ الْأَكْثَرُ .

''اکثر محدثین نے اسے ضعیف کہا ہے۔''(مجمع الزوائد : 178/2)

❁ حافظ ابن ملقن رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ضَعِيفٌ عِنْدَ الْجُمْهُورُ .

''یہ جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔''

(البدر المنير : 104/2، 227/7، تحفة المحتاج : 48/2)

❁ حافظ نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: فَضَعَّفَهُ الْجَمَاهِيرُ .

''جمہور محدثین نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔''

(شرح مقدّمة صحيح مسلم : 4، وفي نسخة : 52)

❁ حافظ بوصیری رحمہ اللہ کہتے ہیں: ضَعَّفَهُ الْجُمْهُورُ .

''جمہور محدثین نے اسے ضعیف کہا ہے۔''(زوائد ابن ماجة : 54)

❁ علامہ سندھی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَفِي الزَّوَائِدِ لَيْثُ بْنُ أَبِي سُلَيْمٍ، ضَعَّفَهُ الْجُمْهُورُ .

''زوائد میں ہے کہ اس میں لیث بن ابی سلیم ہے، اور اس کو جمہور محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔''(حاشية السندي على ابن ماجة : 1891)

❁ حافظ سیوطی رحمہ اللہ لکھتے ہیں :

فَإِنَّ لَيْثَ بْنَ أَبِي سُلَيْمٍ مُّتَّفَقٌ عَلٰى ضَعْفِهٖ .

''لیث بن ابی سلیم کے ضعیف ہونے پر محدثین کرام کا اتفاق ہے۔''

(الحاوي للفتاوى : 3/7-8)

❁ اسے امام یحییٰ بن معین، امام احمد بن حنبل، امام ابوزرعہ رازی، امام ابوحاتم رازی، امام عمرو بن علی فلاس، امام دارقطنی، امام نسائی، امام ابن عدی، امام ابن خزیمہ، امام ترمذی، امام ابن حبان، امام بزار، امام ابن سعد رحمہم اللہ اور جمہور محدثین کرام نے ''ضعیف'' قرار دیا ہے۔

❁ حافظ نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں :

اِتَّفَقَ الْعُلَمَاءُ عَلٰى ضَعْفِهٖ، وَاضْطِرَابِ حَدِيثِهٖ، وَاخْتِلَالِ ضَبْطِهٖ .

''علمائے کرام کا اس کے ضعیف ہونے، اس کی حدیث کے مضطرب ہونے اور اس کے حافظے کے خراب ہونے پر اتفاق ہے۔''

(تهذيب الأسماء واللغات :597/1)

❁ امام مسلم رحمہ اللہ نے اس سے متابعت میں روایت لی ہے، نہ کہ اصول میں۔ لہٰذا اس کے ''ضعیف'' اور ''مختلط'' ہونے کی وجہ سے صحیح مسلم پر کوئی اعتراض نہیں آتا۔

❁ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں :

مَا عَلِمْتُ أَحَدًا صَرَّحَ بِأَنَّهٗ ثِقَةٌ .

''میرے علم کے مطابق کسی نے اس کے ثقہ ہونے کی صراحت نہیں کی۔''

(زوائد مسند البزّار : 403/2)

❁ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اس روایت کو ''منکر'' قرار دیا ہے۔

(میزان الاعتدال : 113/3)

❁ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وِفِيهِ ضُعْفٌ أَيْضًا .

''اس میں بھی کمزوری ہے۔''(البداية والنهاية : 191/4)

روایت نمبر ③ : سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما ہی سے منسوب ہے:

إِنَّ عَلِيًّا لَمَّا انْتَهٰى إِلَى الْحِصْنِ؛ اجْتَبَذَ أَحَدَ أَبْوَابِهِ، فَأَلْقَاهُ بِالْأَرْضِ، فَاجْتَمَعَ عَلَيْهِ بَعْدَهٗ مِنَّا سَبْعُونَ رَجُلًا، فَكَانَ جُهْدُهُمْ أَنْ أَعَادُوا الْبَابَ .

''جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ قلعہ کے پاس پہنچے، تو انہوں نے قلعہ کے ایک دروازے کو اکھیڑ کر زمین پر پھینک دیا۔ اس کے بعد ہم میں سے ستر آدمیوں نے بڑی کوشش کر کے اس کو واپس اپنی جگہ پر رکھا۔''

(دلائل النبوّة للبيهقي : 212/4، المقاصد الحسنة للسخاوي : 313)

تبصرہ :

اس کی سند سخت ترین ''ضعیف'' ہے، کیونکہ اس کا راوی حرام بن عثمان سخت ترین ''ضعیف'' اور مجروح ہے۔

❁ اسے امام احمد بن حنبل، امام بخاری، امام یعقوب بن سفیان فسوی، امام دارقطنی، امام ابن حبان، امام ابن سعد، امام یحییٰ بن معین اور علامہ جوزجانی رحمہم اللہ نے ''ضعیف'' کہا ہے۔

❁ حافظ ذہبی رحمہ اللہ اس کے متعلق فرماتے ہیں:

مَتْرُوكٌ بِاتِّفَاقٍ، مُبْتَدِعٌ .

''یہ بالاتفاق متروک اور بدعتی راوی ہے۔''(ديوان الضعفاء : 859)

- خود امام بیہقی رحمہ اللہ نے اسے ''ضعیف'' کہا ہے۔
- مورخ اسلام حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی اسے ''ضعیف'' قرار دیا ہے۔

(البداية والنهاية : 191/4)

نوٹ : دلائل النبوۃ بیہقی میں ستر کی بجائے چالیس مردوں کا ذکر ہے۔

روایت نمبر ④ : امام جعفر صادق رحمہ اللہ سے منسوب ہے، وہ اپنے آبا سے بیان کرتے ہیں کہ امیر المومنین، سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سہل بن حنیف کو خط لکھا:

وَاللّٰهِ، مَا قَلَعْتُ بَابَ خَيْبَرَ، وَرَمَيْتُ بِهٖ خَلْفَ ظَهْرِي أَرْبَعِينَ ذِرَاعًا بِقُوَّةٍ جَسَدِيَّةٍ وَّلَا حَرَكَةٍ غَذَائِيَّةٍ، لٰكِنِّي أُبْدِتُّ بِقُوَّةٍ مَّلَكُوتِيَّةٍ نُفِّسَ بِنُورِ رَبِّهَا مُضِيَّةٍ، وَأَنَا مِنْ أَحْمَدَ كَالضَّوْءِ مِنَ الضَّوْءِ.

''اللہ کی قسم! میں نے جو خیبر کے دروازے کو اکھیڑا اور اپنے پیچھے کی طرف چالیس گز کے فاصلے پر پھینک دیا، یہ نہ جسمانی قوت تھی اور نہ خوراک کی طاقت، بلکہ یہ ایک ملکوتی و نورانی قوت تھی، جو میرے رب نے مجھے عطا کی تھی۔ میری احمد صلی اللہ علیہ وسلم سے وہی نسبت ہے، جو روشنی کو روشنی سے ہوتی ہے۔''

(بحار الأنوار للمجلسي الرافضي :26/21)

تبصرہ : یہ جھوٹ کا پلندہ ہے، کیونکہ:

① امام جعفر کے آبا نا معلوم و ''مجہول'' ہیں۔

② محمد بن محصن اسدی عکاشی باتفاق محدثین غیر ثقہ، ''منکر الحدیث''، ''متروک''، کذاب اور ''وضاع'' ہے۔

③ یونس بن ظبیان کے اہل سنت کی کتب سے حالاتِ زندگی نہیں مل سکے۔اور کتبِ رجالِ شیعہ میں بھی اس پر جرح موجود ہے۔

④ علی بن احمد بن موسیٰ بن عمران دقاق کی اہل سنت اور شیعہ کتبِ رجال میں کہیں بھی توثیق نہیں مل سکی۔

⑤ محمد بن ہارون مدنی بھی ''مجہول'' ہے۔

⑥ ابو بکر عبیداللہ بن موسیٰ خباز حبال طبری کی اہل سنت اور شیعہ کتب رجال میں توثیق مذکور نہیں، لہٰذا یہ ''مجہول'' ہے۔

❀ مؤرّخِ دیارِ مصر، علامہ مقریزی رحمہ اللہ (م:845ھ) لکھتے ہیں:

وَزَعَمَ بَعْضُهُمْ أَنَّ حَمْلَ بَابِ خَيْبَرَ لَا أَصْلَ لَهُ.

''بعض محدثین تو کہتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے قلعہ خیبر کا دروازہ اٹھانے کے واقعہ کی کوئی حقیقت ہی نہیں۔'' (إمتاع الأسماع: 310/1)

❀ علامہ سخاوی رحمہ اللہ (831-902ھ) لکھتے ہیں:

بَلْ كُلُّهَا وَاهِيَةٌ، وَلِذَا أَنْكَرَهُ بَعْضُ الْعُلَمَاءِ.

''اس کے متعلق تمام روایات ضعیف ہیں اس لئے بعض علما نے اس واقعے کو منکر قرار دیا ہے۔'' (المقاصد الحسنة: 313)

الحاصل: یہ واقعہ معتبر سندوں سے ثابت نہیں، فضیلت وہی ہے جو قابل اعتبار سندوں سے ثابت ہو۔

سوال ①: کیا سبزیوں پر زکوۃ (عشر) ہے؟

جواب: سبزیوں پر زکوۃ (عشر) واجب نہیں ہوتی۔

اس پر دلائل ملاحظہ فرمائیں؛

اجماع امت :

اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ سبزیوں پر زکوۃ (عشر) واجب نہیں، جیسا کہ:

❀ امام ابوعبید قاسم بن سلام فرماتے ہیں:

فَالْعُلَمَاءُ الْيَوْمَ مُجْمِعُونَ مِنْ أَهْلِ الْعِرَاقِ، وَالْحِجَازِ، وَالشَّامِ عَلَى أَنْ لَّا صَدَقَةَ فِي قَلِيلِ الْخَضِرِ وَلَا فِي كَثِيرِهَا، إِذَا كَانَتْ فِي أَرْضِ الْعُشْرِ .

''عراق، حجاز اور شام کے اہل علم آج اس بات پر متفق ہیں کہ سبزیاں کم ہوں یا زیادہ، اگر وہ عشر والی زمین میں ہوں، تو ان پر کوئی زکوۃ نہیں۔''

(كتاب الأموال: 502)

نیز اس سلسلے میں امام مالک رحمہ اللہ کا قول ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

وَكَذٰلِكَ قَوْلُ سُفْيَانَ، وَأَهْلِ الْعِرَاقِ جَمِيعًا، غَيْرَ أَبِي حَنِيفَةَ،

فَإِنَّهُ قَالَ : فِي قَلِيلِ مَا تُخْرِجُ الْأَرْضُ وَكَثِيرِهِ الصَّدَقَةُ ـــ، وَخَالَفَهُ أَصْحَابُهُ، فَقَالُوا كَقَوْلِ الْآخَرِينَ، وَعَلَيْهِ الْآثَارُ كُلُّهَا، وَبِهِ تَعْمَلُ الْأُمَّةُ الْيَوْمَ.

''امام سفیان ثوری رحمہ اللہ اور تمام اہل عراق کا یہی موقف ہے، سوائے امام ابو حنیفہ کے کہ ان کے بقول زمین کی پیداوار کم ہو یا زیادہ، اس میں زکوٰۃ ہو گی۔۔۔امام صاحب کے شاگردوں نے بھی اس سلسلے میں ان کی مخالفت کی ہے اور باقی تمام اہل علم کے موافق فتویٰ دیا ہے۔تمام آثار بھی یہی بتاتے ہیں اور آج تمام امت کا عمل بھی اسی پر ہے(کہ سبزیوں پر زکوٰۃ نہیں)۔''

(كتاب الأموال :501)

❀ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنَّهُ لَيْسَ فِي الْخَضْرَاوَاتِ صَدَقَةٌ.

''اہل علم کے ہاں عمل اسی بات پر ہے کہ سبزیوں پر کوئی زکوٰۃ نہیں۔''

(سنن الترمذي، تحت الحديث : 638)

اس کے خلاف کچھ بھی ثابت نہیں۔

حديث نبوي :

❀ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَيْسَ فِيمَا أَقَلَّ مِنْ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ صَدَقَةٌ».

''پانچ وسق سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہوتی۔''

(صحيح البخاري : 1484، صحيح مسلم : 979)

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ سبزیوں پر زکوٰۃ (عشر) نہیں۔

❁ حافظ خطابی رحمہ اللہ (319-388ھ) اس حدیث کے فوائد میں لکھتے ہیں:

وَقَدْ یَسْتَدِلُّ بِهٰذَا الْحَدِيثِ مَنْ يَّرٰى أَنَّ الصَّدَقَةَ لَا تَجِبُ فِي شَيْءٍ مِّنَ الْخَضْرَاوَاتِ، لِأَنَّهٗ زَعَمَ أَنَّهَا لَا تُوسَقُ، وَدَلِيلُ الْخَبَرِ أَنَّ الزَّكَاةَ إِنَّمَا تَجِبُ فِيمَا يُوسَقُ وَيُكَالُ؛ مِنَ الْحُبُوبِ وَالثِّمَارِ، دُوْنَ مَا لَا يُكَالُ؛ مِنَ الْفَوَاكِهِ وَالْخَضِرِ وَنَحْوِهَا، وَعَلَيْهِ عَامَّةُ أَهْلِ الْعِلْمِ؛ إِلَّا أَنَّ أَبَا حَنِيفَةَ رَأَى الصَّدَقَةَ فِيهَا .

''اس حدیث سے ان اہل علم نے استدلال کیا ہے جن کے نزدیک کسی بھی سبزی پر زکوٰۃ واجب نہیں، کیونکہ ان کے بقول سبزی کو ماپا نہیں جاتا، جبکہ حدیث میں زکوٰۃ اسی چیز کے لیے مقرر کی گئی ہے، جس کو ماپا جا سکے، جیسا کہ دانے اور غلہ ہوتا ہے۔ جن چیزوں کو ماپا نہیں جاتا، وہ زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہیں، جیسا کہ پھل اور سبزیاں وغیرہ۔ اکثر اہل علم یہی بات کہتے ہیں، سوائے امام ابوحنیفہ کے۔ وہ سبزیوں میں بھی زکوٰۃ کو واجب سمجھتے ہیں۔''

(معالم السنن : 14/2)

❁ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَحَكَى ابْنُ الْمُنْذِرِ الْإِجْمَاعَ عَلٰى أَنَّ الزَّكَاةَ لَا تَجِبُ فِيمَا دُونَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ؛ مِمَّا أَخْرَجَتِ الْأَرْضُ، إِلَّا أَنَّ أَبَا حَنِيفَةَ قَالَ : تَجِبُ فِي جَمِيعِ مَا يُقْصَدُ بِزِرَاعَتِهٖ نَمَاءُ الْأَرْضِ؛ إِلَّا الْحَطَبَ

وَالْقَصَبَ وَالْحَشِيشَ وَالشَّجَرَ الَّذِي لَيْسَ لَهُ ثَمَرٌ .

''امام ابن منذر رحمہ اللہ نے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ پانچ وسق سے کم زمینی پیداوار پر عشر نہیں ہوتا،سوائے امام ابوحنیفہ کے۔وہ کہتے ہیں کہ ہر اس چیز پر عشر ہو گا،جس کی کاشت کا مقصد زمین کی نمو ہو،سوائے لکڑی،بانس، بھنگ اور اس درخت کے جس پر پھل نہ لگتا ہو۔''(فتح الباري : 350/3)

اسلافِ امت کا تعامل :

۞ عظیم تابعی میمون بن مہران رحمہ اللہ سے سبزیوں پر زکوٰۃ کے بارے میں پوچھا گیا،تو انہوں نے فرمایا:

لَيْسَ فِيهَا زَكَاةٌ، حَتّٰى تُبَاعَ، فَإِذَا بِيعَتْ وَبَلَغَتْ مِأَتَيْ دِرْهَمٍ، فَإِنَّ فِيهَا خَمْسَةُ دَرَاهِمَ .

''سبزیوں پر کوئی زکوٰۃ نہیں،حتی کہ ان کو بیچ دیا جائے۔جب بیچا جائے اور ان کی قیمت دوسو درہم (نصاب) تک پہنچ جائے،تو اس میں پانچ درہم زکوٰۃ ہوگی۔''

(كتاب الأموال : 502، وسندهٗ حسنٌ)

۞ امام محمد بن مسلم،ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کا بھی یہی موقف ہے۔

(أيضًا، وسندهٗ حسنٌ)

۞ عالم اہل کوفہ،امام حکم بن عتیبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَيْسَ فِي الْخَضْرَاوَاتِ صَدَقَةٌ .

''سبزیوں پر کوئی زکوٰۃ نہیں۔''(مصنّف ابن أبي شيبة : 139/3، وسندهٗ حسنٌ)

۞ مفتی مکہ،عظیم تابعی،امام عطا بن ابورباح رحمہ اللہ بھی یہی فرماتے ہیں۔

(مصنّف ابن أبي شيبة : 139/3، وسندهٗ صحیحٌ)

۞ امام اہل شام، مکحول تابعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَيْسَ فِي الْخَضِرِ زَكَاةٌ، إِلَّا أَنْ يَّصِيرَ مَالًا، فَيَكُونُ فِيهِ زَكَاةٌ.

''سبزیوں پر کوئی زکوٰۃ نہیں، ہاں اگر ان کو بیچ کر مال بنا لیا جائے، تو اس میں زکوٰۃ ہوگی۔'' (مصنّف ابن أبي شيبة : 139/3، وسندهٗ حسنٌ)

۞ امام سفیان ثوری اور امام مالک رحمہما اللہ وغیرہ کا یہی موقف بھی آپ گزشتہ سطور میں پڑھ چکے ہیں۔

دلیل احناف :

احناف کی دلیل یہ جھوٹی روایت ہے:

«فِيمَا سَقَتِ السَّمَاءُ الْعُشْرُ، وَفِيمَا سُقِيَ بِنَضْحٍ، أَوْ غَرْبٍ؛ نِصْفُ الْعُشْرِ، فِي قَلِيلِهٖ وَكَثِيرِهٖ».

''جو زمین بارش سے سیراب ہوتی ہو، اس کی پیداوار میں دسواں حصہ زکوٰۃ ہو گی اور جسے جانوروں یا کنویں سے سیراب کیا جاتا ہو، اس کی پیداوار تھوڑی ہو یا زیادہ، اس میں بیسواں حصہ زکوٰۃ ہوگی۔''

(التحقيق في مسائل الخلاف لابن الجوزي : 962، نصب الراية للزيلعي : 385/2)

تبصرہ :

یہ جھوٹی روایت ہے، کیونکہ:

① ابو مطیع بلخی راوی سخت ترین ''ضعیف'' ہے۔ اس کے بارے میں توثیق کا ادنیٰ کلمہ بھی ثابت نہیں۔

② اس کا استاذ بھی باتفاقِ محدثین ''ضعیف'' ہے۔

③ ابان بن عیاش کے ''ضعیف''اور ''متروک''ہونے پر محدثین کرام کا اتفاق ہے۔

۞ امام شعبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَأَنْ أَزْنِيَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أُحَدِّثَ عَنْ أَبَانَ بْنِ أَبِي عَيَّاشٍ .

''ابان بن ابوعیاش سے حدیث لینے کی نسبت زنا کرنا مجھے بہتر لگتا ہے۔''

(المجروحين لابن حبّان :97/1، وسندهٗ صحيحٌ)

۞ علامہ زیلعی حنفی لکھتے ہیں: فَضَعِيفٌ جِدًّا .

''یہ راوی سخت ضعیف ہے۔''(نصب الراية : 385/2)

۞ اس روایت کے بارے میں حافظ ابن الجوزی فرماتے ہیں:

وَهٰذَا إِسْنَادٌ لَّا يُسَاوِي شَيْئًا .

''یہ سند کسی کام کی نہیں۔''(التحقيق في مسائل الخلاف : 962)

۞ جناب محمد یوسف بنوری دیوبندی (م: 1397ھ) لکھتے ہیں:

إِنَّهٗ تَابَعَهٗ عَنْ أَنَسٍ عِنْدَ الْبَزَّارِ .

''امام قتادہ نے مسند بزار میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے بیان کرنے میں اس کی متابعت کی ہے۔''(معارف السنن : 203/5)

لیکن حقیقت میں ایسی کوئی متابعت موجود نہیں۔ یہ کم علمی ہے یا غلط بیانی، اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔

④ اس میں ''رجل'' کا واسطہ ہے اور یہ ''مبہم ومجہول'' ہے۔

ثابت ہوا کہ زمین کی ہر پیداوار، وہ کم ہو یا زیادہ، اس پر زکوٰۃ کو واجب کہنا بے دلیل اور بے ثبوت بات ہے۔

۞ عالم اہل کوفہ، امام حکم بن عتیبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فِيمَا حَفِظْنَا عَنْ أَصْحَابِنَا أَنَّهُمْ كَانُوا يَقُولُونَ : وَلَيْسَ فِي شَيْءٍ مِّنْ هٰذَا شَيْءٌ؛ إِلَّا فِي الْحِنْطَةِ وَالشَّعِيرِ وَالتَّمْرِ وَالزَّبِيبِ .

''ہم نے اپنے احباب سے یہ یاد کیا ہے کہ وہ زمین کی پیداوار میں سے کسی پر زکوٰۃ کو واجب نہیں کہتے تھے، سوائے گندم، جَو، کھجور اور منقے کے۔''

(مصنّف ابن أبي شيبة : 139/3، وسندهٔ صحيحٌ)

اجماعِ امت ، حدیثِ رسول اور تصریحاتِ اہل علم کے برعکس بعض لوگ کچھ عمومی دلائل ذکر کر کے سبزیوں پر زکوٰۃ کے وجوب کی رٹ لگاتے ہیں، علمی دنیا میں اس طرز عمل کو کوئی حیثیت نہیں دی جاتی۔

الحاصل : سبزیوں پر زکوٰۃ (عشر) واجب نہیں، البتہ ان سے حاصل ہونے والی آمدنی اگر نصاب کو پہنچ جائے، تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

سوال ② : بارش میں دو نمازوں کو جمع کرنا کیسا ہے؟

جواب : بارش میں دو نمازوں کو جمع کر کے پڑھنا جائز ہے، جیسا کہ:

۞ امام الائمہ، ابن خزیمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَلَمْ يَخْتَلِفْ عُلَمَاءُ الْحِجَازِ أَنَّ الْجَمْعَ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ فِي الْمَطَرِ جَائِزٌ .

''علماءِ حجاز کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بارش میں دو نمازوں کو جمع کرنا جائز ہے۔''(صحيح ابن خزيمة : 85/2)

❀ سعید بن جبیر تابعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ صحابیٔ رسول، سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا:

جَمَعَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ، وَالْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِالْمَدِينَةِ، فِي غَيْرِ خَوْفٍ، وَلَا مَطَرٍ (وَفِي لَفْظٍ : وَلَا سَفَرٍ)، قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ : لِمَ فَعَلَ ذٰلِكَ ؟ قَالَ : كَيْ لَا يُحْرِجَ أُمَّتَهُ.

''رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں ظہر و عصر اور مغرب و عشا کو بغیر کسی خوف اور بارش (ایک روایت میں بغیر کسی خوف اور سفر) کے جمع کیا۔ (سعید بن جبیر کہتے ہیں:) میں نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا کہ آپ ﷺ نے ایسا کیوں کیا؟ فرمایا: اس لیے کہ آپ ﷺ کی امت پر کوئی مشقت نہ ہو۔''

(صحيح مسلم : 705/54، 50)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی کا بیان ہے:

صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِينَةِ ثَمَانِيًا جَمِيعًا، وَسَبْعًا جَمِيعًا؛ الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ، وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ.

''میں نے مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ کی اقتدا میں ظہر و عصر کی آٹھ رکعات اور مغرب و عشا کی سات رکعات جمع کر کے پڑھیں۔''

(صحيح البخاري : 543، 1174، صحيح مسلم : 705/55)

شیخ الاسلام، ابن تیمیہ رحمہ اللہ (661-728ھ) فرماتے ہیں:

وَالْجَمْعُ الَّذِي ذَكَرَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ لَّمْ يَكُنْ بِهٰذَا وَلَا بِهٰذَا، وَبِهٰذَا اسْتَدَلَّ أَحْمَدُ بِهِ عَلَى الْجَمْعِ لِهٰذِهِ الْأُمُورِ بِطَرِيقِ الْأَوْلٰى، فَإِنَّ هٰذَا الْكَلَامَ يَدُلُّ عَلٰى أَنَّ الْجَمْعَ لِهٰذِهِ الْأُمُورِ أَوْلٰى، وَهٰذَا مِنْ بَّابِ التَّنْبِيهِ بِالْفِعْلِ، فَإِنَّهٗ إِذَا جَمَعَ لِيَرْفَعَ الْحَرَجَ الْحَاصِلَ بِدُونِ الْخَوْفِ وَالْمَطَرِ وَالسَّفَرِ، فَالْحَرَجُ الْحَاصِلُ بِهٰذِهٖ أَوْلٰى أَنْ يُّرْفَعَ، وَالْجَمْعُ لَهَا أَوْلٰى مِنَ الْجَمْعِ لِغَيْرِهَا .

''سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جس جمع کا ذکر کیا ہے، وہ نہ خوف کی وجہ سے تھی، نہ بارش کی وجہ سے۔اسی حدیث سے امام احمد رحمہ اللہ نے استدلال کیا ہے کہ خوف اور بارش میں تو بالاولیٰ جمع ہوگی۔اس بحث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان امور میں نمازوں کو جمع کرنا بالاولیٰ جائز ہے۔یہ تنبیہ بالفعل کی قبیل سے ہے۔جب خوف، بارش اور سفر کے بغیر جو مشقت ہوتی ہے، اس مشقت کو ختم کرنے کے لیے دو نمازوں کو جمع کیا جا سکتا ہے، تو ان اسباب کی مشقت کو ختم کرنا تو بالاولیٰ جائز ہوگا، لہٰذا خوف، بارش اور سفر کی بنا پر نمازوں کو جمع کرنا دیگر امور کی بنا پر جمع کی نسبت زیادہ جائز ہوگا۔'' (مجموع الفتاوٰی: 76/24)

محدث العصر، علامہ البانی رحمہ اللہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول [فِي غَيْرِ خَوْفٍ وَّلَا مَطَرٍ] کی شرح میں فرماتے ہیں:

فَإِنَّهٗ يُشْعِرُ أَنَّ الْجَمْعَ لِلْمَطَرِ كَانَ مَعْرُوفًا فِي عَهْدِهٖ صَلَّى اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَوْ لَمْ يَكُنْ كَذٰلِكَ؛ لَمَا كَانَ ثَمَّةَ فَائِدَةٌ مِنْ نَّفْيِ الْمَطَرِ كَسَبَبٍ مُبَرِّرٍ لِّلْجَمْعِ، فَتَأَمَّلْ .

''یہ الفاظ اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں بارش کی وجہ سے نمازوں کو جمع کرنا معروف تھا۔غور فرمایئے!اگر ایسا نہ ہوتا،تو بارش کو جمع کے جواز کے سبب کے طور پر ذکر کرنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔''(إرواء الغليل : 40/3)

۞ نافع مولیٰ ابن عمر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں :

كَانَتْ أُمَرَاءُ نَا إِذَا كَانَتْ لَيْلَةٌ مَطِيرَةٌ؛ أَبْطَأُوا بِالْمَغْرِبِ وَعَجَّلُوا بِالْعِشَاءِ قَبْلَ أَنْ يَّغِيبَ الشَّفَقُ، فَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يُصَلِّي مَعَهُمْ، لَا يَرٰى بِذٰلِكَ بَأْسًا، قَالَ عُبَيْدُ اللّٰهِ : وَرَأَيْتُ الْقَاسِمَ، وَسَالِمًا يُّصَلِّيَانِ مَعَهُمْ، فِي مِثْلِ تِلْكَ اللَّيْلَةِ .

''جب بارش والی رات ہوتی،تو ہمارے امرا مغرب کو تاخیر سے ادا کرتے اور شفق غروب ہونے سے پہلے عشا کے ساتھ جمع کر لیتے۔سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما ان کے ساتھ ہی نماز پڑھتے تھے اور اس میں کوئی حرج خیال نہیں کرتے تھے۔عبید اللہ بیان کرتے ہیں : میں نے قاسم اور سالم رحمہما اللہ کو دیکھا کہ وہ دونوں ان کے ساتھ ایسی رات میں مغرب وعشا کو جمع کرتے تھے۔''

(المؤطّأ للإمام مالك :331، السنن الكبرٰى للبيهقي : 168/3، وسندهٗ صحيحٌ)

۞ ہشام بن عروہ تابعی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں :

رَأَيْتُ أَبَانَ بْنَ عُثْمَانَ يَجْمَعُ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ فِي اللَّيْلَةِ الْمَطِيرَةِ؛

الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ، فَيُصَلِّيهِمَا مَعًا، عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ، وَسَعِيدُ بْنُ الْمُسَيِّبِ، وَأَبُو بَكْرِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، وَأَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، لَا يُنْكِرُونَهُ.

''میں نے ابان بن عثمان رحمہ اللہ کو بارش والی رات مغرب وعشا کی نمازوں کو جمع کرتے دیکھا۔عروہ بن زبیر،سعید بن مسیّب،ابوبکر بن عبدالرحمٰن،ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن رحمہم اللہ اس پر کوئی اعتراض نہیں کرتے تھے۔''

(مصنّف ابن أبي شيبة : 234/2، السنن الكبرٰى للبيهقي : 168/3، 169، وسندهٗ صحيحٌ)

❀ عبدالرحمٰن بن حرملہ رحمہ اللہ کہتے ہیں:

رَأَيْتُ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ يُصَلِّي مَعَ الْأَئِمَّةِ، حِينَ يَجْمَعُونَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ، فِي اللَّيْلَةِ الْمَطِيرَةِ.

''میں نے امام سعید بن مسیّب کو ائمہ کے ساتھ بارش والی رات میں مغرب و عشا کی نمازوں کو جمع کر کے پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔''

(مصنّف ابن أبي شيبة : 234/2، وسندهٗ حسنٌ)

❀ ابومودود،عبدالعزیز بن ابوسلیمان رحمہ اللہ کہتے ہیں:

صَلَّيْتُ مَعَ أَبِي بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدٍ الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ، فَجَمَعَ بَيْنَهُمَا فِي اللَّيْلَةِ الْمَطِيرَةِ.

''میں نے ابوبکر بن محمد کے ساتھ مغرب وعشا کی نماز پڑھی،انہوں نے بارش والی رات میں دونوں نمازوں کو جمع کیا تھا۔''

(مصنّف ابن أبي شيبة : 234/2، وسندہٗ حسنٌ)

❀ شیخ الاسلام، ابن تیمیہ رحمہ اللہ (661-728ھ) فرماتے ہیں:

فَهٰذِهِ الْآثَارُ تَدُلُّ عَلٰى أَنَّ الْجَمْعَ لِلْمَطَرِ مِنَ الْأَمْرِ الْقَدِيمِ، الْمَعْمُولِ بِهٖ بِالْمَدِينَةِ زَمَنَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ، مَعَ أَنَّهٗ لَمْ يُنْقَلْ أَنَّ أَحَدًا مِّنَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ أَنْكَرَ ذٰلِكَ، فَعُلِمَ أَنَّهٗ مَنْقُولٌ عِنْدَهُمْ بِالتَّوَاتُرِ جَوَازُ ذٰلِكَ.

''ان آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ بارش کی وجہ سے دو نمازوں کو جمع کرنا قدیم معاملہ ہے، جس پر صحابہ و تابعین کرام کے عہد میں مدینہ منورہ میں بھی عمل رہا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ کسی ایک بھی صحابی سے اس پر اعتراض کرنا بھی منقول نہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ و تابعین سے بالتواتر اس کا جواز منقول ہے۔'' (مجموع الفتاوٰی : 83/24)

جناب عبد الشکور لکھنوی، فاروقی، دیوبندی لکھتے ہیں:

''امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک سفر میں اور بارش میں بھی دو نمازوں کا ایک وقت میں پڑھ لینا جائز ہے اور ظاہر احادیث سے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے، لہٰذا اگر کسی ضرورت سے کوئی حنفی بھی ایسا کرے، تو جائز ہے۔''

(علم الفقہ، حصہ دوم، ص : 150)

یاد رہے کہ بارش کی صورت میں جمع تقدیم و تاخیر، دونوں جائز ہیں۔ تقدیم میں زیادہ آسانی ہے، نیز جمع صوری کو بھی اختیار کیا جا سکتا ہے۔

سوال ③ : قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ کا جواب دینا کیسا ہے؟

جواب : اقامت کے دوران جب قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ کہا جاتا ہے، تو اس کے جواب میں بعض لوگ أَقَامَهَا اللّٰهُ وَأَدَامَهَا کہتے ہیں۔ یہ جائز نہیں، کیونکہ ایسا کہنا رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں۔اس کے متعلق جو حدیث وارد ہے، وہ سخت ''ضعیف'' اور نا قابل عمل و نا قابل حجت ہے۔ملاحظہ فرمایئے :

❀ مروی ہے کہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے اقامت کہنا شروع کی۔جب انہوں نے قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ کہا،تو نبی اکرم ﷺ نے جواب میں أَقَامَهَا اللّٰهُ وَأَدَمَهَا کہا۔

(سنن أبي داوٗد : 528، عمل اليوم والليلة لابن السنّي : 105)

یہ روایت دو وجہ سے ''ضعیف'' ہے :

① اس کا راوی محمد بن ثابت عبدی جمہور محدثین کرام کے نزدیک ''ضعیف'' ہے،جیسا کہ حافظ نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں :

وَلَيْسَ هُوَ بِالْقَوِيِّ عِنْدَ أَكْثَرِ الْمُحَدِّثِينَ .

''اکثر محدثین کرام کے نزدیک یہ مضبوط راوی نہیں۔''

(خلاصة الأحكام :217/1، ح : 559، نصب الراية للزيلعي :5/1، 6)

② ''رجل من اہل الشام'' نامعلوم اور ''مبہم'' ہے۔

دین ثقہ راویوں کی بیان کردہ صحیح روایات کا نام ہے۔پھر اس مسئلہ کا تعلق بھی احکامِ شرعیہ سے ہے،نہ کہ فضائل سے۔

سوال ④ : زید کی دو بیویاں ہیں اور دونوں کے بطن سے اس کی بیٹیاں ہیں۔بکر کے ہاں بچہ پیدا ہوا اور اس نے اس کی کسی بیٹی کے ساتھ دودھ پیا۔اب کیا بکر کا

بیٹا اپنی رضاعی بہن کے علاوہ اس کی دوسری بہنوں یا زید کی دوسری بیوی کی بیٹیوں سے نکاح کرسکتا ہے؟

جواب : اس بچے کا نکاح جس طرح اپنی رضاعی بہن کے ساتھ نہیں ہو سکتا، اسی طرح اس کی دیگر بہنوں اور زید کی دوسری بیوی کی بیٹیوں سے بھی نہیں ہو سکتا، کیونکہ جو رشتے خون کی وجہ سے حرام ہوتے ہیں، وہ رضاعت کی وجہ سے بھی حرام ہو جاتے ہیں۔ زید کی بچی کے ساتھ اس نے دودھ پیا، وہ زید کا رضاعی بیٹا بن گیا۔ اب زید کی تمام بیٹیاں اس کی رضاعی بہنیں ہیں۔

ہاں بکر کے دوسرے بیٹے، جنہوں نے زید کی کسی بیوی کا دودھ نہیں پیا، وہ زید کی کسی بھی بیٹی کے ساتھ نکاح کر سکتے ہیں، جیسا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ عِنْدَهَا، وَأَنَّهَا سَمِعَتْ صَوْتَ رَجُلٍ يَّسْتَأْذِنُ فِي بَيْتِ حَفْصَةَ، قَالَتْ عَائِشَة : فَقُلْتُ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ، هٰذَا رَجُلٌ يَّسْتَأْذِنُ فِي بَيْتِكَ، قَالَتْ : فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : أُرَاهُ فُلَانًا، لِعَمِّ حَفْصَةَ مِنَ الرَّضَاعَةِ، فَقَالَتْ عَائِشَةُ : لَوْ كَانَ فُلَانٌ حَيًّا، لِعَمِّهَا مِنَ الرَّضَاعَةِ، دَخَلَ عَلَيَّ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : «نَعَمْ، إِنَّ الرَّضَاعَةَ تُحَرِّمُ مَا يَحْرُمُ مِنَ الْوِلَادَةِ» .

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف فرما تھے کہ انہوں نے ایک شخص کی

آواز سنی، جو سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں داخل ہونے کی اجازت طلب کر رہا تھا۔ سیدہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! یہ شخص آپ کے گھر میں داخل ہونے کی اجازت طلب کر رہا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے تو یہ حفصہ کے رضاعی چچا لگتے ہیں۔ سیدہ نے عرض کیا: اگر میرے رضاعی چچا زندہ ہوتے، تو کیا وہ میرے گھر آ سکتے تھے؟ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہاں! رضاعت سے وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں، جو خون سے حرام ہوتے ہیں۔''

(صحيح البخاري: 2646، صحيح مسلم: 1445، واللفظ لهٗ)

سوال ⑤ : کیا قرآنِ مجید کی قسم اٹھانا جائز ہے؟

جواب : قرآنِ مجید کی قسم اٹھانا جائز ہے، کیونکہ مخلوق کی قسم ناجائز اور حرام ہے، جبکہ قرآنِ مجید اللہ رب العزت کی حقیقی کلام اور اس کی صفت ہے، مخلوق نہیں۔ جو شخص قرآنِ مجید کی قسم اٹھانے کے بعد اسے توڑے، اس پر کفارہ بھی واجب ہوگا۔

جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات کی قسم اٹھانا جائز ہے، اسی طرح اس کے اسما و صفات کی قسم بھی جائز ہے۔ اس پر امتِ مسلمہ کا اجماع و اتفاق ہے، جیسا کہ:

✿ امام اندلس، حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فَالَّذِي أَجْمَعَ عَلَيْهِ الْعُلَمَاءُ فِي هٰذَا الْبَابِ؛ هُوَ أَنَّهٗ مَنْ حَلَفَ بِاللّٰهِ، أَوْ بِاسْمٍ مِّنْ أَسْمَاءِ اللّٰهِ، أَوْ بِصِفَةٍ مِّنْ صِفَاتِهٖ، أَوْ بِالْقُرْآنِ، أَوْ بِشَيْءٍ مِّنْهُ، فَحَنِثَ؛ فَعَلَيْهِ كَفَّارَةُ يَمِينٍ عَلٰى مَا وَصَفَ اللّٰهُ فِي كِتَابِهٖ مِنْ حُكْمِ الْكَفَّارَةِ، وَهٰذَا مَا لَا خِلَافَ فِيهِ

عِنْدَ أَهْلِ الْفُرُوعِ .

''اس سلسلے میں جس بات پر اہل علم کا اجماع ہے، وہ یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کے کسی اسمِ گرامی، اس کی کسی صفت، قرآنِ کریم یا اس کی کسی آیت یا سورت کی قسم اٹھاتا ہے اور پھر اسے توڑ دیتا ہے، اس پر قسم کا وہی کفارہ واجب ہو گا، جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان فرمایا ہے۔ اہل فروع کے ہاں اس بارے میں کوئی بھی اختلاف نہیں۔''

(التمهيد لما في المؤطّإ من المعاني والأسانيد : 369/14)

✿ علامہ ابن ہبیرہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

أَجْمَعُوا عَلٰى أَنَّ الْيَمِينَ مُنْعَقِدَةٌ بِاللّٰهِ، وَبِجَمِيعِ أَسْمَائِهِ الْحُسْنٰى، وَبِجَمِيعِ صِفَاتِ ذَاتِهِ؛ كَعِزَّتِهِ، وَجَلَالِهِ، وَعِلْمِهِ، وَقُوَّتِهِ، وَقُدْرَتِهِ، وَاسْتَثْنٰى أَبُو حَنِيفَةَ عِلْمَ اللّٰهِ، فَلَمْ يَرَهُ يَمِينًا، وَكَذَا حَقَّ اللّٰهِ .

''اس بات پر امتِ مسلمہ کا اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کے اسماءِ حسنیٰ، اس کی تمام ذاتی صفات، مثلاً ؛ عزت، جلال، علم، قوت اور قدرت، کی قسم منعقد ہو جاتی ہے۔ البتہ امام ابو حنیفہ نے اللہ تعالیٰ کے علم اور اللہ کے حق کی قسم کو مستثنیٰ کیا ہے کہ اس کی قسم نہیں ہوتی۔''

(كتاب الإجماع، كما في فتح الباري لابن حجر :535/11)

اجماعِ امت ہی معتبر ہے، امام ابو حنیفہ کی انفرادی رائے اجماعِ امت کے مقابلے میں قابل قبول نہیں۔

سوال ⑥ : کیا فرشتوں کو موت آئے گی؟

جواب : فرشتے اللہ تعالیٰ کی وہ لطیف اور معصوم مخلوق ہیں، جنہیں اللہ نے باقی رکھنے کے لیے پیدا فرمایا ہے۔ان کی موت پر ایسی کوئی واضح دلیل نہیں، جیسی جن و انس کی موت پر موجود ہے۔

❀ حافظ ابن حزم اندلسی رحمہ اللہ (384-456ھ) فرماتے ہیں:

وَلَا نَصَّ وَلَا إِجْمَاعَ عَلٰی أَنَّ الْمَلَائِکَةَ تَمُوتُ، وَلَو جَاءَ بِذٰلِكَ نَصٌّ لَّقُلْنَا بِهٖ، بَلِ الْبُرْهَانُ مُوجِبٌ أَنْ لَّا يَمُوتُوا، لِأَنَّ الْجَنَّةَ دَارٌ لَّا مَوْتَ فِيهَا، وَالْمَلَائِکَةُ سُكَّانُ الْجِنَانِ فِيهَا خُلِقُوا، وَفِيهَا يَخْلُدُونَ أَبَدًا .

''فرشتوں کی موت پر نہ کوئی نص ہے نہ اجماع۔اگر ایسی کوئی نص ہوتی، تو ہم اس کے موافق موقف اختیار کرتے۔اس کے برعکس دلیل اس بات کی متقاضی ہے کہ فرشتوں کو موت نہ آئے، کیونکہ جنت ایسی جگہ ہے، جہاں موت نہیں اور فرشتے جنت کے باسی ہیں، اسی میں وہ پیدا ہوئے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔'' (الفصل في الملل والأهواء والنحل : 21/4)

❀ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (691-751ھ) فرماتے ہیں:

وَلِهٰذَا الْمَلَائِکَةُ لَا تَتَنَاسَلُ، فَإِنَّهُمْ لَا يَمُوتُونَ كَمَا تَمُوتُ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ .

''اسی لیے فرشتوں کی نسل کا سلسلہ نہیں ہوتا، کیونکہ وہ جنوں اور انسانوں کی

طرح مرتے نہیں ہیں۔''(حادي الأرواح إلى بلاد الأفراح : 247)

تنبیہ : حافظ سیوطی رحمہ اللہ (849-911ھ) لکھتے ہیں :

وَأَمَّا الْمَلَائِكَةُ، فَيَمُوتُونَ بِالنُّصُوصِ وَالْإِجْمَاعِ .

''رہے فرشتے، تو انہیں موت آئے گی جیسا کہ نصوص اور اجماع نے بتایا ہے۔''

(الحاوي للفتاوي : 379/1)

یہ انتہائی تعجب خیز بات ہے۔اس سلسلے میں جتنی بھی احادیث ہیں، وہ سب ''ضعیف'' ہیں۔ان میں سے اکثر کا دارومدار اسماعیل بن رافع مدنی ''ضعیف'' پر ہے۔اسی طرح ان کو یزید رقاشی، ابوبکر ہذلی اور حفص بن عمر عدنی جیسے ''ضعیف'' راویوں نے بیان کیا ہے۔ یہ روایات اس لائق نہیں کہ ان کو نصوص قرار دے کر اپنے دلائل میں شمار کیا جائے۔

رہی بات اجماع کی، تو اللہ بہتر جانتا ہے کہ یہ اجماع کس نے کب اور کہاں کیا؟

سوال ⑦ : اقامت کہتے وقت دائیں اور بائیں منہ پھیرنا کیسا ہے؟

جواب : اقامت کہتے وقت دائیں بائیں منہ پھیرنا شریعت سے ثابت نہیں۔اس کے بارے میں ایک روایت پیش کی جاتی ہے، ملاحظہ فرمائیں ؛

عَنْ بِلَالٍ، قَالَ : أَمَرَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، إِذَا أَذَّنَّا أَوْ أَقَمْنَا، أَنْ لَّا نُزِيلَ أَقْدَامَنَا عَنْ مَّوَاضِعِهَا .

''سیدنا بلال رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم فرمایا کہ جب ہم اذان یا اقامت کہیں، تو اپنے پاؤں کو ان کی جگہ سے نہ ہٹائیں۔''

(نصب الراية للزيلعي : 277/1)

اس کی سند سخت ''ضعیف'' ہے، کیونکہ :

① حسن بن عمارہ راوی جمہور محدثین کرام کے نزدیک ''ضعیف'' ہے۔

✿ علامہ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ضَعَّفَهُ شُعْبَةُ وَجَمَاعَةٌ كَثِيرَةٌ.

''اسے امام شعبہ اور محدثین کی ایک بڑی جماعت نے ضعیف قرار دیا ہے۔''

(مجمع الزوائد: 289/2)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ضَعَّفَهُ الْجُمْهُورُ.

''اسے جمہور محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔'' (طبقات المدلّسین: 53)

نیز یہ ''مدلس'' بھی ہے۔

✿ اس روایت کی سند کو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ''ضعیف'' کہا ہے۔

(التلخیص الحبیر: 204/1، ح: 299)

② عبداللہ بن بزیع انصاری راوی بھی ''ضعیف'' ہے۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ:

''التفات یمین و یسار (دائیں بائیں دیکھنا) جیسا اذان میں مسنون ہے، ویسا ہی اقامت میں اور ایسے ہی بچہ کے کان میں۔'' (امداد الفتاویٰ: 108/1)

یہ بے دلیل اور غلط بات ہے۔

سوال ⑧: نماز جنازہ میں وَجَلَّ ثَنَاءُكَ کے الفاظ پڑھنا کیسا ہے؟

جواب: نمازِ جنازہ میں ثنا پڑھتے وقت یہ الفاظ پڑھنا جائز نہیں، کیونکہ ان کے بارے میں کوئی دلیل شرعی نہیں۔ بعض غیر متعلق اور غیر ثابت روایات کا کوئی اعتبار نہیں۔ ایسا کرنا بدعت اور دین میں زیادت ہے۔

بعض لوگوں نے لکھا ہے:

''اور ثنا وہی ہے، جو اور نمازوں میں پڑھتے ہیں،اس میں وَتَعَالٰی جَدُّكَ کے بعد وَجَلَّ ثَنَاءُكَ زیادہ کرنا بہتر ہے۔''

(عمدۃ الفقہ از زوّار حسین دیوبندی، حصہ دوم،ص: 519)

''زیادہ کرنا بہتر ہے'' بے دلیل اور ایجادِ دین کی حوصلہ افزائی ہے۔

سوال ⑨ : نمازِ جنازہ کے درود میں اضافہ کرنا کیسا ہے؟

جواب : بعض لوگ نمازِ جنازہ کے درود میں یہ اضافہ کرتے ہیں:

كَمَا صَلَّيْتَ وَسَلَّمْتَ وَبَارَكْتَ وَرَحِمْتَ .

یہ بالکل ناجائز ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی تعلیم نہیں دی۔ بعد میں کسی شخص نے دین میں اضافہ کرتے ہوئے یہ الفاظ گھڑے ہیں۔

سوال ⑩ : حاملہ عورت فوت ہو جائے، تو کیا بچے کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی؟

جواب : بچے پر علیحدہ نمازِ جنازہ پڑھنا درست نہیں، کیونکہ ابھی وہ اپنی ماں کے وجود کا حصہ تھا۔ اسے اسی طرح ماں کے ساتھ ہی دفن کر دیا جائے گا۔ اسے ماں کے بطن سے نکال کر دفن کرنا درست نہیں۔ ہاں، اگر ماں کے فوت ہونے کے بعد بچہ زندہ ہو، تو اسے نکالا جا سکتا ہے۔ پھر اگر وہ فوت ہو جائے، تو اسے جنازہ پڑھ کر الگ دفن کیا جائے گا۔

سوال ⑪ : عورت سفر کے لیے گھر سے نکلی، تو حائضہ تھی۔ دوسرے شہر پہنچ

کر پاک ہوگئی، وہاں دو دن کا قیام ہے۔ وہاں قصر کرے گی یا پوری نماز پڑھے گی؟

جواب : ایسی عورت قصر کرسکتی ہے، کیونکہ وہ مسافر ہے۔ حالتِ حیض میں سفر کے احکام ساقط نہیں ہوتے۔ عمومی دلائل کا یہی تقاضا ہے۔

بعض لوگوں نے لکھا ہے:

''مسئلہ: چار منزل جانے کی نیت سے چلی، پہلی دو منزلیں حیض کی حالت میں گزریں، تب بھی وہ مسافر نہیں ہے۔ اب نہا دھوکر پوری چار رکعتیں پڑھے۔''

(بہشتی زیور از تھانوی، حصہ دوم، ص: 49، احسن الفتاوی از لدھیانوی: 87/4، عمدۃ الفقہ از زوّار حسین دیوبندی، حصہ دوم، ص: 414)

یہ بالکل بے دلیل بات ہے۔

سوال ⑫ : کیا جنات کا وجود ہے؟

جواب : قرآن و حدیث اور اجماعِ امت سے یہ بات ثابت ہے کہ جنات کا وجود ہے۔ تیس کے قریب آیاتِ قرآنی اس حقیقت کو واضح کرتی ہیں، جیسا کہ:

❀ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِينَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ﴾

(الأنعام 6 : 112)

''اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لیے شیطان جنوں اور انسانوں کو دشمن بنایا۔''

❀ نیز فرمایا:

﴿وَالْجَانَّ خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُومِ ﴾ (الحجر 15 : 27)

''اور جنوں کو ہم نے اس سے پہلے لُو والی آگ سے پیدا کیا۔''
لیکن جہمیہ، معتزلہ، فلاسفہ، جمہور قدری اور دیگر ملحد وزندیق لوگ جنات کے وجود کو نہیں مانتے۔

❀ شیخ الاسلام، امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (661-728ھ) فرماتے ہیں:

لَمْ يُخَالِفْ أَحَدٌ مِّنْ طَوَائِفِ الْمُسْلِمِينَ فِي وُجُودِ الْجِنِّ، وَلَا فِي أَنَّ اللّٰهَ أَرْسَلَ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيْهِمْ، وَجُمْهُورُ طَوَائِفِ الْكُفَّارِ عَلٰى إِثْبَاتِ الْجِنِّ، أَمَّا أَهْلُ الْكِتَابِ، مِنَ الْيَهُودِ وَالنَّصَارٰى؛ فَهُمْ مُّقِرُّونَ بِهِمْ كَإِقْرَارِ الْمُسْلِمِينَ، وَإِنْ وُّجِدَ فِيهِمْ مَّنْ يُّنْكِرُ ذٰلِكَ، وَكَمَا يُوجَدُ فِي الْمُسْلِمِينَ مَنْ يُّنْكِرُ ذٰلِكَ، كَمَا يُوجَدُ فِي طَوَائِفِ الْمُسْلِمِينَ الْغَالِطُونَ، وَالْمُعْتَزِلَةِ مَنْ يُّنْكِرُ ذٰلِكَ، وَإِنْ كَانَ جُمْهُورُ الطَّائِفَةِ وَأَئِمَّتُهَا مُقِرِّينَ بِذٰلِكَ، وَهٰذَا لِأَنَّ وُجُودَ الْجِنِّ تَوَاتَرَتْ بِهٖ أَخْبَارُ الْأَنْبِيَاءِ تَوَاتُرًا مَّعْلُومًا بِالِاضْطِرَارِ، وَمَعْلُومٌ بِالِاضْطِرَارِ أَنَّهُمْ أَحْيَاءٌ، عُقَلَاءُ، فَاعِلُونَ بِالْإِرَادَةِ، بَلْ مَأْمُورُونَ مَنْهِيُّونَ، لَيْسُوا صِفَاتٍ وَأَعْرَاضًا قَائِمَةً بِالْإِنْسَانِ أَوْ غَيْرِهٖ، كَمَا يَزْعَمُهٗ بَعْضُ الْمُلَاحِدَةِ، فَلَمَّا كَانَ أَمْرُ الْجِنِّ مُتَوَاتِرًا عَنِ الْأَنْبِيَاءِ تَوَاتُرًا ظَاهِرًا، تَعْرِفُهُ الْعَامَّةُ وَالْخَاصَّةُ، لَمْ يُمْكِنْ لِطَائِفَةٍ كَبِيرَةٍ مِّنَ الطَّوَائِفِ الْمُؤْمِنِينَ بِالرُّسُلِ أَنْ تُنْكِرَهُمْ.

''مسلمانوں کے کسی بھی گروہ نے اس بات میں اختلاف نہیں کیا کہ جنوں کا وجود ہے اور اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو ان کی طرف بھی مبعوث فرمایا ہے۔ کافروں کے بھی اکثر گروہ جنوں کے وجود کے اقراری ہیں۔رہے اہل کتاب، تو وہ بھی مسلمانوں کی طرح اس حقیقت کے اقراری ہیں۔اگرچہ ان میں کئی لوگ ایسے ہیں، جو جنوں کے وجود کے منکر ہیں، جیسے مسلمانوں میں بھی ایسے گمراہ لوگ موجود ہیں۔معتزلہ میں سے بعض لوگ جنوں کے وجود کو نہیں مانتے،اگرچہ ان کی اکثریت اور ان کے ائمہ جنوں کے اقراری ہیں۔جنوں کے وجود کے بارے میں انبیاء کرام کی ایسی متواتر احادیث موجود ہیں،جن سے لازمی طور پر یہ بات معلوم ہو جاتی ہے۔یہ بات بھی مسلّم ہے کہ جن زندہ ہیں،عقل وشعور رکھتے ہیں اور ان میں اپنے ارادے کو سرانجام دینے کی صلاحیت بھی موجود ہے، بلکہ انہیں اللہ کی طرف سے (نیکیوں کا)حکم بھی دیا گیا ہے اور (برائیوں سے)منع بھی کیا گیا ہے۔جن کوئی صفات و اعراض نہیں، جو خود مستقل وجود نہ رکھتے ہوں، بلکہ انسان وغیرہ کے ساتھ قائم ہوں، جیسا کہ بعض ملحدین نے کہا ہے۔جب جنوں کا معاملہ انبیاء کرام سے متواتر طور پر ثابت ہے، جسے خاص وعام سب جانتے ہیں،تو رسولوں پر ایمان لانے والے لوگوں کے کسی بڑے گروہ کے لیے جنوں کے وجود کا انکار ممکن نہیں ہو سکا۔''

(مجموع الفتاوٰی : 10/19)

نیز فرماتے ہیں:

إِنَّ جَمِيعَ طَوَائِفِ الْمُسْلِمِينَ يُقِرُّونَ بِوُجُودِ الْجِنِّ، وَكَذٰلِكَ

جُمْهُورُ الْكُفَّارِ، كَعَامَّةِ أَهْلِ الْكِتَابِ، وَكَذٰلِكَ عَامَّةُ مُشْرِكِي الْعَرَبِ، وَغَيْرِهِمْ مِّنْ أَوْلَادِ الْهُذَيْلِ وَالْهِنْدِ، وَغَيْرِهِمْ مِّنْ أَوْلَادِ حَامٍ، وَكَذٰلِكَ جُمْهُورُ الْكِنْعَانِيِّينَ وَالْيُونَانِيِّينَ، وَغَيْرِهِمْ مِّنْ أَوْلَادِ يَافِثَ .

''مسلمانوں کے تمام فرقے جنوں کے وجود کو مانتے ہیں،اسی طرح جمہور کفار، مثلاً ؛ عام اہل کتاب ،اکثر مشرکین عرب، ہذیل و ہند کی اولاد،حام کی اولاد، اکثر کنعانی و یونانی اوراولادِ یافث ،سب جنوں کے وجود کے اقراری ہیں۔''

(مجموع الفتاوٰی : 13/19)

۞ علامہ ابن حجر ہیتمی (909-974ھ) لکھتے ہیں :

وَأَمَّا الْجَانُّ؛ فَأَهْلُ السُّنَّةِ يُؤْمِنُونَ بِوُجُودِهِمْ، وَإِنْكَارُ الْمُعْتَزِلَةِ لِوُجُودِهِمْ؛ فِيهِ مُخَالَفَةٌ لِّلْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَالْإِجْمَاعِ، بَلْ أَلْزَمُوا بِهٖ كُفْرًا، لِأَنَّ فِيهِ تَكْذِيبُ النُّصُوصِ الْقَطْعِيَّةِ بِوُجُودِهِمْ، ومِنْ ثَمَّ قَالَ بَعْضُ الْمَالِكِيَّةِ : الصَّوَابُ كُفْرُ مَنْ أَنْكَرَ وُجُودَهُمْ، لِأَنَّهٗ جَحَدَ نَصَّ الْقُرْآنِ، وَالسُّنَنِ الْمُتَوَاتِرَةِ، وَالْإِجْمَاعِ الضَّرُورِيِّ .

''اہل سنت جنوں کے وجود پر ایمان رکھتے ہیں۔معتزلہ نے ان کے وجود کا انکار کر کے کتاب وسنت اور اجماع کی مخالفت کی ہے، بلکہ اس کے ذریعے انہوں نے کفر لازم کر لیا ہے۔اسی لیے تو بعض مالکیوں نے کہا ہے کہ جنوں کے وجود کے انکاری کا کافر ہونا ہی راجح ہے، کیونکہ ایسا شخص قرآن کریم،

احادیثِ نبویہ اور حتمی اجماعِ امت کی نصوص کا انکار کرتا ہے۔‘‘

(الفتاوی الحدیثیة، ص: 89)

معلوم ہوا کہ جو شخص جنات کے وجود کا منکر ہے، وہ قرآن و سنت اور اجماع کی تکذیب کی بنا پر پکا کافر ہے۔

سوال ⑬: کیا نبی اکرم ﷺ جنات کی طرف بھی مبعوث ہیں؟

جواب: یہ مسلمانوں کا اجماعی و اتفاقی عقیدہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ جن و انس کی طرف مبعوث ہوئے اور جن بھی شریعتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے پابند ہیں۔

اجماع امت:

❀ حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ (368-463ھ) لکھتے ہیں:

وَلَا يَخْتَلِفُونَ أَنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَسُولٌ إِلَى الْإِنْسِ وَالْجِنِّ نَذِيرٌ وَّبَشِيرٌ، هٰذَا مِمَّا فُضِّلَ بِهٖ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ أَنَّهٗ بُعِثَ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً؛ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ، وَغَيْرُهٗ لَمْ يُرْسَلْ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَدَلِيلُ ذٰلِكَ مَا نَطَقَ بِهِ الْقُرْآنُ مِنْ دُعَائِهِمْ إِلَى الْإِيمَانِ بِقَوْلِهٖ فِي مَوَاضِعَ مِنْ كِتَابِهٖ: يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ.

’’اس بات میں مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ محمد ﷺ انسانوں اور جنوں کی طرف بشیر و نذیر بنا کر مبعوث فرمائے گئے ہیں۔ یہ ایسی خصوصیت ہے، جس کی بنا پر آپ ﷺ کو دوسرے انبیا پر فضیلت حاصل ہے کہ آپ ﷺ کو تمام مخلوقات

یعنی جنوں اور انسانوں کی طرف مبعوث فرمایا گیا۔آپ ﷺ کے علاوہ باقی انبیا اپنی قوموں کی زبان ہی میں مبعوث فرمائے گئے۔اس کی دلیل قرآنِ کریم کے کئی مقامات پر ایمان کی طرف دعوت دینے کے لیے استعمال کیے ہوئے یہ الفاظ ہیں: يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ.(اے جنو اور انسانو!)۔''

(التمهيد لما في المؤطّإ من المعاني والأسانيد: 117/11)

❀ شیخ الاسلام، امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (661-728ھ) فرماتے ہیں:

وَمُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَبْعُوثٌ إِلَى الثَّقَلَيْنِ بِاتِّفَاقِ الْمُسْلِمِينَ.

''مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ محمد ﷺ جنوں اور انسانوں کی طرف مبعوث کیے گئے ہیں۔''(الفرقان بين أولياء الرحمٰن وأولياء الشيطان: 192)

قرآن کریم:

❀ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَاِذْ صَرَفْنَا اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْآنَ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْا اَنْصِتُوْا فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ * قَالُوْا يَا قَوْمَنَا اِنَّا سَمِعْنَا كِتَابًا اُنْزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيقٍ مُّسْتَقِيمٍ * يَا قَوْمَنَا اَجِيبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَآمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيمٍ *﴾ (الأحقاف 46: 29-31)

''(اے نبی!) جب ہم نے آپ کی طرف قرآن کریم سننے کے لیے جنوں کی ایک جماعت بھیجی۔ جب وہ اس کو حاضر ہوئے، تو انہوں نے کہا: خاموش ہو جاؤ، جب تلاوت ہو چکی، تو وہ اپنی قوم کی طرف ڈرانے والے بن کر لوٹے۔ انہوں نے کہا: اے ہماری قوم! ہم نے وہ کتاب سنی ہے، جو موسیٰ نازل ہوئی ہے، وہ پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور حق بات اور صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ اے ہماری قوم! اللہ کی طرف دعوت دینے والے کی دعوت قبول کرلو اور اس پر ایمان لے آؤ، اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف فرما دے گا اور تمہیں دردناک عذاب سے بچالے گا۔''

امام بیہقی رحمہ اللہ (384-458ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

فَبَانَ بِقَوْلِهِمْ : ﴿**يَا قَوْمَنَا اَجِيبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ**﴾ أَنَّهُمْ عَرَفُوا أَنَّهٗ مَبْعُوثٌ إِلَيْهِمْ، وَسَمِعُوا دَعْوَتَهٗ إِيَّاهُم، وَالَّذِينَ لَمْ يَحْضُرُوا مِنْ جُمْلَتِهِمْ، فَلِذٰلِكَ قَالُوا : ﴿**يَا قَوْمَنَا اَجِيبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَآمِنُوْا بِهٖ**﴾، فقَالُوا : آمَنَّا بِهٖ .

''جنوں کی اس بات کہ اے ہماری قوم اللہ کے داعی کی دعوت قبول کرلو، سے واضح ہوتا ہے کہ جنوں کو معلوم تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جنوں کی طرف بھی مبعوث ہوئے۔ جو جن وہاں آئے اور جو نہیں آئے تھے، سب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو سنا۔ اسی لیے انہوں نے کہا تھا: اے ہماری قوم اللہ کے داعی کی دعوت قبول کر کے اس پر ایمان لے آؤ۔ تب جنوں نے کہا کہ ہم ایمان لے آئے ہیں۔'' (شعب الإيمان: 67/3)

✿ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (701-774ھ) فرماتے ہیں:

فِيهِ دَلَالَةٌ عَلٰى أَنَّهٗ تَعَالٰى أَرْسَلَ مُحَمَّدًا صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِ إِلَى الثَّقَلَيْنِ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ حَيْثُ دَعَاهُمْ إِلَى اللّٰهِ، وَقَرَأَ عَلَيْهِمُ السُّورَةَ الَّتِي فِيهَا خِطَابُ الْفَرِيقَيْنِ، وَتَكْلِيفُهُمْ وَوَعْدُهُمْ وَوَعِيدُهُمْ، وَهِيَ سُورَةُ الرَّحْمٰنِ؛ وَلِهٰذَا قَالَ: ﴿أَجِيبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَآمِنُوْا بِهٖ﴾.

''اس آیت میں یہ وضاحت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو انسانوں اور جنوں دونوں مخلوقات کی طرف مبعوث فرمایا، چنانچہ آپ ﷺ نے ان کو اللہ کی طرف بلایا اور ان پر وہ سورت، یعنی سورۂ رحمٰن تلاوت کی، جس میں انسانوں اور جنوں دونوں کو خطاب کیا گیا ہے اور ان دونوں سے نعمتوں کا وعدہ اور عذابوں کی وعید کی گئی ہے۔ اسی لیے جنوں نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ کے داعی کی آواز پر لبیک کہو۔'' (تفسير ابن كثير: 588/5)

✿ ایک اور مقام پر فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا ۞ يَهْدِيْ اِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهٖ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَا اَحَدًا﴾ (الجن 72: 1-2)

''(اے نبی!) فرما دیجیے: میری طرف یہ وحی کی گئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے قرآن کریم سنا، تو کہنے لگے: ہم نے عجیب قرآن سنا ہے، جو

ہدایت کی طرف رہنمائی کرتا ہے، چنانچہ ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں۔ہم اپنے رب کے ساتھ کسی کو بھی ہر گز شریک نہیں کریں گے۔''

❁ ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ﴾ (الأنعام 6 : 19)

''میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے، تاکہ تمہیں بھی ڈراؤں اور ان لوگوں کو بھی جن تک یہ پہنچے گا۔''

قرآنِ کریم چونکہ جنوں تک بھی پہنچا ہے، لہٰذا وہ بھی اس کے مخاطبین ہیں اور اس پر عمل کے پابند ہیں۔

❁ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَا الثَّقَلٰنِ ۞﴾ (الرحمٰن 55 :31)

''اے جنو اور انسانو! عنقریب ہم تمہارے لیے فیصلہ کریں گے۔''

❁ ایک مقام پر یوں ارشاد ہوا:

﴿يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ﴾

(الأنعام 6 : 130)

''اے جنو اور انسانوں کی جماعت! کیا تمہارے پاس تم میں سے رسول نہیں آئے تھے؟''

❁ علامہ احمد قسطلانی (851-923ھ) لکھتے ہیں:

وَالدَّلِيلُ عَلٰى ذٰلِكَ قَبْلَ الْإِجْمَاعِ الْكِتَابُ وَالسُّنَّةُ، قَالَ تَعَالٰى: ﴿لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا﴾ (الفرقان 25 :1)، وَقَدْ أَجْمَعَ الْمُفَسِّرُونَ

عَلٰى دُخُولِ الْجِنِّ فِي هٰذِهِ الْآيَةِ، وَهُوَ مَدْلُولُ لَفْظِهَا، فَلَا يَخْرُجُ عَنْهُ إِلَّا بِدَلِيلٍ.

''امت کا اجماع ہونے سے پہلے کتاب وسنت اس بات پر دلیل تھے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا﴾ (الفرقان 25 : 1) (تاکہ یہ نبی سارے جہانوں کے لیے ڈرانے والا بن جائے)۔ مفسرین کرام کا اس بات پر اجماع ہے کہ جن بھی اس آیت میں شامل ہیں۔ یہ آیتِ کریمہ کے الفاظ سے واضح ہوتا ہے۔ جنوں کو اس آیت سے کسی دلیل کے ساتھ ہی خارج کیا جاسکتا ہے۔''(المواهب اللدنيّة بالمنح المحمّديّة : 353/2)

سنت :

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

فَقُلْتُ: مَا بَالُ العَظْمِ وَالرَّوْثَةِ؟ قَالَ: «هُمَا مِنْ طَعَامِ الْجِنِّ، وَإِنَّهُ أَتَانِي وَفْدُ جِنِّ نَصِيبِينَ، وَنِعْمَ الْجِنُّ، فَسَأَلُونِي الزَّادَ، فَدَعَوْتُ اللّٰهَ لَهُمْ أَنْ لَّا يَمُرُّوا بِعَظْمٍ، وَلَا بِرَوْثَةٍ إِلَّا وَجَدُوا عَلَيْهَا طَعَامًا».

''میں نے عرض کیا: (اللہ کے رسول!) ہڈی اور گوبر کا کیا معاملہ ہے (کہ اس سے استنجا سے روکا گیا ہے؟)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ دونوں چیزیں جنوں کا کھانا ہیں۔ نصیبین بستی کے جنوں کا ایک وفد میرے پاس آیا تھا، یہ بہت ہی اچھے جن تھے۔ انہوں نے مجھ سے کھانا مانگا، تو میں نے ان کے لیے اللہ تعالیٰ

سے دُعا کی کہ وہ جس ہڈی یا گوبر کے پاس سے گزریں، اس پر وہ کھانا پائیں۔''(صحيح البخاري : 3860)

الحاصل :

جنات شریعتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے مکلّف ہیں۔لہٰذا معتزلہ کا یہ کہنا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جنوں کی طرف مبعوث نہیں ہوئے۔قرآن و حدیث اور اجماعِ مسلمین کی تکذیب صریح کفر ہے۔

سوال ⑭ : کیا جنات بھی جنت اور جہنم میں جائیں گے؟

جواب : جنات کے بارے میں اہل سنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ وہ بھی اپنے اعمال کے مطابق جنت اور جہنم میں جائیں گے۔وہ بھی دین اسلام کے پابند ہیں اور اسی لیے ان میں بھی مؤمن و کافر اور نیک و بد ہوتے ہیں۔

❁ علامہ فخر الدین رازی (544-606ھ) لکھتے ہیں :

وَأَطْبَقَ الْمُحَقِّقُونَ عَلٰی أَنَّ الْجِنَّ مُکَلَّفُونَ .

''محققین کا اس بات پر اجماع ہے کہ جن مکلّف ہیں۔''(تفسير الرازي : 28/28)

جب جنات مکلّف ہیں، تو ظاہر ہے کہ جنت یا جہنم میں جائیں گے۔

❁ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (661-728ھ) فرماتے ہیں :

وَکُفَّارُ الْجِنِّ یَدْخُلُونَ النَّارَ بِالنَّصِّ وَالْإِجْمَاعِ، وَأَمَّا مُؤْمِنُوهُمْ؛ فَجُمْهُورُ الْعُلَمَاءِ عَلٰی أَنَّهُمْ یَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ .

''کافر جن تو نصوصِ شرعیہ اور اجماعِ امت کے مطابق جہنم میں جائیں گے، رہے مؤمن جن، تو جمہور علماء کرام یہی کہتے ہیں کہ وہ جنت میں جائیں گے۔''

(الفرقان بين أولياء الرحمٰن وأولياء الشيطان : 196)

❁ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا قَوْمَنَا أَجِيبُوا دَاعِيَ اللَّهِ وَآمِنُوا بِهِ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ﴾ (الأحقاف 46 :31)

''(جنوں نے کہا:)اے ہماری قوم ! اللہ کی طرف دعوت دینے والے کی دعوت قبول کرلو اور اس پر ایمان لے آؤ،اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف فرما دے گا اور تمہیں دردناک عذاب سے بچالے گا۔''

اس آیتِ کریمہ کا منطوق یہ ہے کہ جس نے بھی داعی الی اللہ،محمد ﷺ کی دعوت کو قبول کرلیا اور آپ ﷺ پر ایمان لے آیا،اسے اللہ تعالیٰ معاف فرما دے گا اور دردناک عذاب سے بچالے گا اور اس سے صاف ظاہر ہے کہ جو ایسا نہیں کرے گا، اللہ تعالیٰ اسے معاف نہیں فرمائیں گے اور دردناک عذاب سے نجات نہیں دیں گے۔

درجِ ذیل آیات بھی اسی مفہوم کو بیان کرتی ہیں:

❁ ﴿وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴾ (هود 11 : 119)

''تیرے رب کا یہ کلمہ پورا ہو چکا ہے کہ میں ضرور جہنم کو جنوں اور انسانوں سب سے بھروں گا۔''

❁ ﴿وَلَٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّي لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴾ (السجده 32 : 13)

''لیکن میری طرف سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ میں ضرور جہنم کو جنوں اور انسانوں،سب سے بھروں گا۔''

❁ ﴿قَالَ ادْخُلُوا فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِكُم مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ فِي النَّارِ﴾ (الأعراف 7 : 38)

''اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اپنے سے پہلے گزرے ہوئے جنوں اور انسانوں کے ساتھ آگ میں داخل ہو جاؤ۔''

❁ ﴿وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ﴾

(الأعراف 7 : 179)

''یقیناً ہم نے جہنم کے لیے بہت سے جن اور انسان پیدا کر رکھے ہیں۔''

اس حوالے سے سورۂ جن کی آیت ① سے ⑮ تک کا مطالعہ بھی مفید ہے۔

ان کے علاوہ بھی آیاتِ بینات ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ کفار اور فساق جنات بھی جہنم رسید ہوں گے۔

اسی طرح مؤمن اور نیک جنات جنت میں بھی جائیں گے، جیسا کہ:

❁ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّتَانِ ۞ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۞﴾

(الرحمٰن 55 : 46-47)

''جو اپنے ربّ کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر گیا، اس کے لیے دو جنتیں ہیں۔ تو تم دونوں (انسان اور جن) اپنے ربّ کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟''

یہ خطاب جنوں اور انسانوں دونوں کو ہے۔

تنبیه : اگر کوئی کہے کہ جنات تو آگ سے پیدا ہوئے ہیں، ان کو آگ کیسے جلائے گی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جہنم کی آگ انتہائی تیز اور سخت ہوگی۔ جس طرح لوہا لوہے کو کاٹ دیتا ہے، اسی طرح جہنم کی آگ جنات کی آگ کو جلائے گی۔

علماءِ حق نے بالاتفاق توحید کی یہ تین قسمیں بیان کی ہیں:

① توحیدِ الوہیت

② توحیدِ ربوبیت

③ توحیدِ اسما وصفاتِ باری تعالیٰ

عقیدۂ اسما وصفات، توحید کی اساس ہے۔اس کا تعلق اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ اور اس کی صفاتِ باکمال سے ہے۔اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی عبادت اسی نوع پر منحصر ہے۔ جب انسان کو اللہ تعالیٰ کی پہچان ہی نہ ہوگی، تو وہ بجا طور پر اس کی عبادت کیسے کرے گا؟

اللہ تعالیٰ کی معرفت تین طریقوں سے ہوتی ہے:

① اسماءِ حسنیٰ، یعنی اللہ تعالیٰ کے مبارک ناموں سے

② اللہ تعالیٰ کے افعال (کاموں) سے

③ اس کی صفاتِ جلیلہ سے

اہل حدیث صفاتِ باری تعالیٰ میں سلف صالحین اور ائمہ محدثین کے پیروکار ہیں۔ یہی اہل سنت کا شعار ہے، جیسا کہ:

✿ علامہ، ابومظفر، سمعانی رحمہ اللہ (426-489ھ) فرماتے ہیں:

وَشِعَارُ أَهْلِ السُّنَّةِ اتِّبَاعُهُمُ السَّلَفَ الصَّالِحَ، وَتَرْكُهُمْ كُلَّ مَا هُوَ مُبْتَدَعٌ مُّحْدَثٌ.

''سلف صالحین کی پیروی اور ہر بدعت اور نئے عقیدے کو ترک کر دینا ہی اہل سنت کا شعار ہے۔''(الحجّة في بيان المحجّة وشرح عقيدة أهل السنّة للحافظ قوّام السنّة أبي القاسم الأصبهاني :395/1)

❁ شیخ الاسلام، امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (661-728ھ) صفات باری تعالیٰ کے بارے میں سلف صالحین، یعنی صحابہ کرام، تابعین عظام اور تبع تابعین کا طریقہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَجِمَاعُ الْقَوْلِ فِي إِثْبَاتِ الصِّفَاتِ؛ هُوَ الْقَوْلُ بِمَا كَانَ عَلَيْهِ سَلَفُ الْأُمَّةِ وَأَئِمَّتُهَا، وَهُوَ أَنْ يُّوصَفَ اللّٰهُ بِمَا وَصَفَ بِهٖ نَفْسَهٗ، وَبِمَا وَصَفَهٗ بِهٖ رَسُولُهٗ، وَيُصَانُ ذٰلِكَ عَنِ التَّحْرِيفِ وَالتَّمْثِيلِ وَالتَّكْيِيفِ وَالتَّعْطِيلِ؛ فَإِنَّ اللّٰهَ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ؛ لَا فِي ذَاتِهٖ، وَلَا فِي صِفَاتِهٖ، وَلَا فِي أَفْعَالِهٖ، فَمَنْ نَّفٰى صِفَاتِهٖ؛ كَانَ مُعَطِّلًا، وَمَنْ مَّثَّلَ صِفَاتِهٖ بِصِفَاتِ مَخْلُوقَاتِهٖ؛ كَانَ مُمَثِّلًا، وَالْوَاجِبُ إِثْبَاتُ الصِّفَاتِ، وَنَفْيُ مُمَاثَلَتِهَا لِصِفَاتِ الْمَخْلُوقَاتِ إِثْبَاتًا بِلَا تَشْبِيهٍ، وَتَنْزِيهًا بِلَا تَعْطِيلٍ، كَمَا قَالَ تَعَالٰى : ﴿**لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ**﴾، فَهٰذَا رَدٌّ عَلَى الْمُمَثِّلَةِ، ﴿**وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ**﴾ رَدٌّ عَلَى الْمُعَطِّلَةِ، فَالْمُمَثِّلُ يَعْبُدُ صَنَمًا، وَالْمُعَطِّلُ يَعْبُدُ عَدَمًا.

''صفات باری تعالیٰ کے بارے میں اصل بات وہی ہے، جو سلف امت اور

ائمہ دین نے کی ہے۔وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ان اوصاف سے متصف کیا جائے ،جن سے خوداس نے اپنے آپ کو یااس کے رسول ﷺ نے متصف کیا ہے۔نیزان اوصاف کوتحریف(معنیٰ بدلنے)تمثیل(مثال بیان کرنے)، تکییف (کیفیت بیان کرنے) اورتعطیل (انکارکرنے) سے بچایا جائے۔اللہ تعالیٰ کا ہم مثل کوئی نہیں،نہ اس کی ذات میں نہ صفات میں اور نہ افعال میں۔جوشخص اللہ تعالیٰ کی صفات کا انکار کرتا ہے، وہ مُعَطِّل ہے اور جو اللہ کی صفات کومخلوق کی صفات سے مثال دے کر بیان کرتا ہے،وہ مُمَثِّل ہے۔ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کو ثابت کیا جائے اوراس کی صفات کے مخلوقات کی صفات سے مشابہ ہونے کی نفی کی جائے۔یعنی صفاتِ باری تعالیٰ کا اثبات بغیر تشبیہ کے ہواور صفاتِ مخلوقات سے مشابہت کی نفی بغیر انکار کے ہو۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ (اس کی مثل کوئی نہیں)، یہ الفاظ تشبیہ دینے والوں کا ردّ کرتے ہیں اور ﴿وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾ (وہ خوب سننے والا دیکھنے والا ہے)، یہ الفاظ صفات کا انکار کرنے والوں کے ردّ میں ہیں۔اللہ تعالیٰ کی صفات کومخلوقات کی صفات سے تشبیہ دینے والا بت کا پجاری ہے،جبکہ صفاتِ باری تعالیٰ کا انکاری معدوم چیز کی پوجا کرتا ہے۔‘‘

(مجموع الفتاوٰی : 515/6)

❁ علامہ ابن ابوالعز حنفی رحمہ اللہ (731-792ھ) لکھتے ہیں:

اِتَّفَقَ أَهْلُ السُّنَّةِ عَلَى أَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ، لَا فِي ذَاتِهِ، وَلَا فِي صِفَاتِهِ، وَلَا فِي أَفْعَالِهِ، وَلٰكِنْ لَفْظُ التَّشْبِيهِ قَدْ صَارَ فِي

كَلَامِ النَّاسِ لَفْظًا مُّجْمَلًا؛ يُرَادُ بِهِ الْمَعْنَى الصَّحِيحُ، وَهُوَ مَا نَفَاهُ الْقُرْآنُ وَدَلَّ عَلَيْهِ الْعَقْلُ، مِنْ أَنَّ خَصَائِصَ الرَّبِّ تَعَالٰى لَا يُوصَفُ بِهَا شَيْءٌ مِّنَ الْمَخْلُوقَاتِ، وَلَا يُمَاثِلُهٗ شَيْءٌ مِّنَ الْمَخْلُوقَاتِ فِي شَيْءٍ مِّنْ صِفَاتِهٖ : ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ﴾، رَدٌّ عَلَى الْمُمَثِّلَةِ الْمُشَبِّهَةِ، ﴿وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾(الشّورٰی 42 : 11)، رَدٌّ عَلَى النُّفَاةِ الْمُعَطِّلَةِ، فَمَنْ جَعَلَ صِفَاتِ الْخَالِقِ مِثْلَ صِفَاتِ الْمَخْلُوقِ، فَهُوَ الْمُشَبِّهُ الْمُبْطِلُ الْمَذْمُومُ، وَمَنْ جَعَلَ صِفَاتِ الْمَخْلُوقِ مِثْلَ صِفَاتِ الْخَالِقِ، فَهُوَ نَظِيرُ النَّصَارٰى فِي كُفْرِهِمْ، وَيُرَادُ بِهٖ أَنَّهٗ لَا يَثْبُتُ لِلّٰهِ شَيْءٌ مِّنَ الصِّفَاتِ، فَلَا يُقَالُ : (لَهٗ) قُدْرَةٌ، وَلَا عِلْمٌ، وَلَا حَيَاةٌ؛ لِأَنَّ الْعَبْدَ مَوْصُوفٌ بِهٰذِهِ الصِّفَاتِ، وَلَازِمُ هٰذَا الْقَوْلِ أَنَّهٗ لَا يُقَالُ لَهٗ : حَيٌّ، عَلِيمٌ، قَدِيرٌ؛ لِأَنَّ الْعَبْدَ يُسَمّٰى بِهٰذِهِ الْأَسْمَاءِ، وَكَذٰلِكَ كَلَامُهٗ وَسَمْعُهٗ وَبَصَرُهٗ، (وَإِرَادَتُهٗ) وَغَيْرُ ذٰلِكَ، وَهُمْ يُوَافِقُونَ أَهْلَ السُّنَّةِ عَلٰى أَنَّهٗ مَوْجُودٌ، عَلِيمٌ، قَدِيرٌ، حَيٌّ، وَالْمَخْلُوقُ يُقَالُ لَهٗ : مَوْجُودٌ حَيٌّ، عَلِيمٌ، قَدِيرٌ، وَلَا يُقَالُ : هٰذَا تَشْبِيهٌ يَجِبُ نَفْيُهٗ، وَهٰذَا مِمَّا دَلَّ عَلَيْهِ الْكِتَابُ وَالسُّنَّةُ وَصَرِيحُ الْعَقْلِ، وَلَا يُخَالِفُ فِيهِ عَاقِلٌ .

''اہل سنت کا اس بات میں اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات اور افعال

میں کوئی اس کی مثل نہیں ،لیکن لوگ تشبیہ کا لفظ مجمل استعمال کرتے ہیں ،کبھی تو صحیح معنیٰ مراد لیا جاتا ہے ،جیسے قرآنِ کریم نے فرمایا ہے اور عقل سلیم بھی اس کی تائید کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خصائص مخلوقات کے بارے میں بیان نہیں کیے جا سکتے اور کوئی بھی مخلوق کسی بھی صفت میں اللہ تعالیٰ کی مثل نہیں ۔فرمانِ باری تعالیٰ ہے : ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ (اس کی مثل کوئی چیز نہیں)۔اس میں اللہ تعالیٰ کی صفات کو مخلوقات کی صفات سے تشبیہ اور تمثیل دینے والوں کا ردّ ہے ،جبکہ ﴿وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾ (الشوریٰ 42 :11) (اور وہ خوب سننے والا دیکھنے والا ہے)،اس میں صفاتِ باری تعالیٰ کا انکار کرنے والوں کا ردّ ہے ۔جو شخص اللہ تعالیٰ کی صفات کو مخلوقات کی صفات کی طرح قرار دیتا ہے ،وہ باطل پرست اور مذموم مُشَبِّہ ہے اور جو شخص مخلوق کی صفات کو خالق کی صفات جیسی کہتا ہے ،وہ کفر میں نصاریٰ جیسا ہے ۔کچھ لوگ تشبیہ کی نفی کو غلط معنیٰ میں لیتے ہیں ، ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی صفت ثابت نہیں ، چنانچہ اللہ تعالیٰ کے لیے قدرت ،علم اور زندگی کی صفت بیان نہیں کی جا سکتی ،ان کے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ بندہ بھی ان صفات سے موصوف ہے ۔ان کی اس بات سے تو یہ لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کو زندہ ،علم والا اور قدرت والا بھی نہ کہا جائے ، کیونکہ بندوں کو ایسا نام دیا جاتا ہے ۔اسی طرح صفتِ کلام ،سمع ، بصر اور ارادہ وغیرہ کا معاملہ ہے ۔حالانکہ یہی لوگ اللہ تعالیٰ کو موجود ،زندہ اور قدرت والا کہنے میں اہل سنت کے ہمنوا ہیں ۔یہ ایسی تشبیہ نہیں جس کی نفی کرنا ضروری ہے ۔کتاب وسنت اور عقل سلیم سے یہی

بات معلوم ہوتی ہے۔''(شرح العقيدة الطحاوية، ص : 137)

توحیدِ صفات کے بارے میں سلف صالحین کا طریقہ :

آیئے اب دیکھتے ہیں کہ سلف صالحین صفاتِ باری تعالیٰ کے بارے میں کیا طریقہ اختیار کرتے تھے:

❁ ولید بن مسلم دمشقی رحمہ اللہ (م:195ھ) بیان کرتے ہیں:

سُئِلَ الْأَوْزَاعِيُّ، وَمَالِكٌ، وسُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، وَاللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ هٰذِهِ الْأَحَادِيثِ الَّتِي فِي التَّشْبِيهِ، فَقَالُوا : أَمِرُّوهَا كَمَا جَائَتْ، بِلَا كَيْفِيَّةٍ .

''امام اوزاعی، امام مالک، امام سفیان ثوری اور امام لیث بن سعد رحمہم اللہ سے ان احادیث کے بارے میں پوچھا گیا، جو تشبیہ کے بارے میں ہیں، تو انہوں نے فرمایا: ان پر اسی طرح ایمان رکھو، جس طرح بیان ہوئی ہیں، کوئی کیفیت بیان نہ کرو۔''(الأسماء والصفات للبيهقي : 935، الاعتقاد للبيهقي، ص : 116، السنن الكبرٰى للبيهقي : 2/3، التاريخ الكبير لابن أبي خيثمة : 9326، الشريعة للآجري، ص : 314، المعجم لابن المقرئ : 578، التمهيد لابن عبد البرّ : 149/7، وسندهٗ صحيحٌ)

❁ امام اوزاعی رحمہ اللہ (م:157ھ) فرماتے ہیں:

كَانَ مَكْحُولٌ وَّالزُّهْرِيُّ يَقُولَانِ : أَمِرُّوا الْأَحَادِيثَ كَمَا جَائَتْ .

''امام مکحول اور امام زہری رحمہما اللہ فرمایا کرتے تھے کہ (صفاتِ باری تعالیٰ) والی احادیث پر اسی طرح ایمان لاؤ، جس طرح ان میں بیان ہوتا ہے۔''

(الأسماء والصفات للبيهقي : 954، التاريخ الكبير لابن أبي خيثمة : 3383، وسندهٗ صحيحٌ)

ایک وضاحت :

شیخ الاسلام، امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (661-728ھ) ***مذکورہ اقوال کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:***

فَقَوْلُهُمْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ : أَمِرُّوهَا كَمَا جَائَتْ؛ رَدٌّ عَلَى الْمُعَطِّلَةِ، وَقَوْلُهُمْ : بِلَا كَيْفٍ؛ رَدٌّ عَلَى الْمُمَثِّلَةِ، وَالزُّهْرِيُّ وَمَكْحُولٌ؛هُمَا أَعْلَمُ التَّابِعِينَ فِي زَمَانِهِمْ، وَالْأَرْبَعَةُ الْبَاقُونَ أَئِمَّةُ الدُّنْيَا فِي عَصْرِ تَابِعِي التَّابِعِينَ، وَمِنْ طَبَقَتِهِمْ حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ وَّحَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ وَأَمْثَالُهُمَا، وَرَوٰى أَبُو الْقَاسِمِ الْأَزْجِيُّ بِإِسْنَادِهٖ عَنْ مُطَرِّفِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ : سَمِعْت مَالِكَ بْنَ أَنَسٍ، إِذَا ذُكِرَ عِنْدَهٗ مَنْ يَدْفَعُ أَحَادِيثَ الصِّفَاتِ، يَقُولُ : قَالَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ : سَنَّ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَوُلَاةُ الْأَمْرِ بَعْدَهٗ سُنَنًا؛ الْأَخْذُ بِهَا تَصْدِيقٌ لِّكِتَابِ اللّٰهِ، وَاسْتِكْمَالٌ لِّطَاعَةِ اللّٰهِ، وَقُوَّةٌ عَلٰى دِينِ اللّٰهِ، لَيْسَ لِأَحَدٍ مِّنْ خَلْقِ اللّٰهِ تَعَالٰى تَغْيِيرُهَا، وَلَا النَّظَرُ فِي شَيْءٍ خَالَفَهَا، مَنِ اهْتَدٰى بِهَا؛ فَهُوَ مُهْتَدٍ، وَمَنْ اسْتَنْصَرَ بِهَا؛ فَهُوَ مَنْصُورٌ، وَمَنْ خَالَفَهَا؛ وَاتَّبَعَ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ؛ وَلَّاهُ اللّٰهُ مَا تَوَلّٰى،

وَأَصْلَاهُ جَهَنَّمَ، وَسَاءَتْ مَصِيرًا، وَرَوَى الْخَلَّالُ بِإِسْنَادٍ؛ كُلُّهُمْ أَئِمَّةٌ ثِقَاتٌ، عَنْ سُفْيَانَ بْنِ عُيَيْنَة، قَالَ : سُئِلَ رَبِيعَةُ بْنُ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ قَوْلِهِ : ﴿**الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى**﴾ كَيْفَ اسْتَوٰى؟ قَالَ : الِاسْتِوَاءُ غَيْرُ مَجْهُولٍ، وَالْكَيْفُ غَيْرُ مَعْقُولٍ، وَمِنَ اللّٰهِ الرِّسَالَةُ، وَعَلَى الرَّسُولِ الْبَلَاغُ الْمُبِينُ، وَعَلَيْنَا التَّصْدِيقُ، وَهٰذَا الْكَلَامُ مَرْوِيٌّ عَنْ مَّالِكِ بْنِ أَنَسٍ؛ تِلْمِيذِ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ؛ مِنْهَا : مَا رَوَاهُ أَبُو الشَّيْخِ الْأَصْبَهَانِيُّ وَأَبُو بَكْرٍ الْبَيْهَقِيُّ عَنْ يَحْيَى بْنِ يَحْيَى، قَالَ : كُنَّا عِنْدَ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ؛ فَجَاءَ رَجُلٌ، فَقَالَ : يَا أَبَا عَبْدِ اللّٰهِ : ﴿**الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى**﴾، كَيْفَ اسْتَوٰى؟ فَأَطْرَقَ مَالِكٌ بِرَأْسِهِ، حَتَّى عَلَاهُ الرُّحَضَاءُ، ثُمَّ قَالَ : الِاسْتِوَاءُ غَيْرُ مَجْهُولٍ، وَالْكَيْفُ غَيْرُ مَعْقُولٍ، وَالْإِيمَانُ بِهِ وَاجِبٌ، وَالسُّؤَالُ عَنْهُ بِدْعَةٌ، وَمَا أَرَاكَ إِلَّا مُبْتَدِعًا؛ ثُمَّ أَمَرَ بِهِ أَنْ يُّخْرَجَ، فَقَوْلُ رَبِيعَةَ وَمَالِكٍ : الِاسْتِوَاءُ غَيْرُ مَجْهُولٍ، وَالْكَيْفُ غَيْرُ مَعْقُولٍ، وَالْإِيمَانُ بِهِ وَاجِبٌ؛ مُوَافِقٌ لِّقَوْلِ الْبَاقِينَ : أَمِرُّوهَا كَمَا جَائَتْ، بِلَا كَيْفٍ، فَإِنَّمَا نَفَوْا عِلْمَ الْكَيْفِيَّةِ، وَلَمْ يَنْفُوا حَقِيقَةَ الصِّفَةِ، وَلَوْ كَانَ الْقَوْمُ قَدْ آمَنُوا بِاللَّفْظِ الْمُجَرَّدِ مِنْ غَيْرِ فَهْمٍ

لِمَعْنَاهُ، عَلٰى مَا يَلِيقُ بِاللّٰهِ، لَمَا قَالُوا : الِاسْتِوَاءُ غَيْرُ مَجْهُولٍ، وَالْكَيْفُ غَيْرُ مَعْقُولٍ، وَلَمَا قَالُوا : أَمِرُّوهَا كَمَا جَائَتْ، بِلَا كَيْفٍ، فَإِنَّ الِاسْتِوَاءَ حِينَئِذٍ لَا يَكُونُ مَعْلُومًا، بَلْ مَجْهُولًا، بِمَنْزِلَةِ حُرُوفِ الْمُعْجَمِ، وَأَيْضًا : فَإِنَّهُ لَا يَحْتَاجُ إِلٰى نَفْيِ عِلْمِ الْكَيْفِيَّةِ، إِذَا لَمْ يُفْهَمْ عَنِ اللَّفْظِ مَعْنًى؛ وَإِنَّمَا يَحْتَاجُ إِلٰى نَفْيِ عِلْمِ الْكَيْفِيَّةِ، إِذَا أُثْبِتَتِ الصِّفَاتُ، وَأَيْضًا : فَإِنَّ مَنْ يَّنْفِي الصِّفَاتِ الْخَبَرِيَّةَ، أَوِ الصِّفَاتِ مُطْلَقًا؛ لَا يَحْتَاجُ إِلٰى أَنْ يَّقُولَ : بِلَا كَيْفٍ، فَمَنْ قَالَ : إِنَّ اللّٰهَ لَيْسَ عَلَى الْعَرْشِ؛ لَا يَحْتَاجُ أَنْ يَّقُولَ بِلَا كَيْفٍ، فَلَوْ كَانَ مَذْهَبُ السَّلَفِ نَفْيَ الصِّفَاتِ فِي نَفْسِ الْأَمْرِ؛ لَمَا قَالُوا : بِلَا كَيْفٍ، وَأَيْضًا فَقَوْلُهُمْ : أَمِرُّوهَا كَمَا جَائَتْ يَقْتَضِي إِبْقَاءَ دَلَالَتِهَا عَلٰى مَا هِيَ عَلَيْهِ، فَإِنَّهَا جَائَتْ أَلْفَاظٌ دَالَّةٌ عَلٰى مَعَانٍ؛ فَلَوْ كَانَتْ دَلَالَتُهَا مُنْتَفِيَةً؛ لَكَانَ الْوَاجِبُ أَنْ يُّقَالَ : أَمِرُّوا لَفْظَهَا مَعَ اعْتِقَادِ أَنَّ الْمَفْهُومَ مِنْهَا غَيْرُ مُرَادٍ؛ أَوْ أَمِرُّوا لَفْظَهَا مَعَ اعْتِقَادِ أَنَّ اللّٰهَ لَا يُوصَفُ بِمَا دَلَّتْ عَلَيْهِ حَقِيقَةً، وَحِينَئِذٍ فَلَا تَكُونُ قَدْ أُمِرَّتْ كَمَا جَائَتْ، وَلَا يُقَالُ حِينَئِذٍ : بِلَا كَيْفٍ؛ إِذْ نَفْيُ الْكَيْفِ عَمَّا لَيْسَ بِثَابِتٍ؛ لَغْوٌ مِّنَ الْقَوْلِ.

''ان اسلاف کا کہنا کہ احادیثِ صفات جیسے وارد ہوئی ہیں، ویسے ہی ان پر ایمان لاؤ، یہ معتزلہ (جو صفات کا انکار کرتے ہیں) کا ردّ ہے اور ان کا کہنا کہ بغیر کیفیت کے، مُمَثِّلہ (جو صفاتِ باری تعالیٰ کو مخلوق کی صفات سے تشبیہ دیتے ہیں) کا ردّ ہے۔ امام زہری اور امام مکحول رحمہما اللہ دونوں اپنے زمانے میں تابعین کے سب سے بڑے عالم تھے، جبکہ باقی چار دورِ تبع تابعین میں دنیا کے امام تھے۔ اسی طبقے میں حماد بن زید اور حماد بن سلمہ رحمہما اللہ جیسے لوگ بھی شامل ہیں۔ ابو القاسم ازجی رحمہ اللہ نے اپنی سند کے ساتھ مطرف بن عبد اللہ سے بیان کیا ہے، وہ کہتے ہیں: جب امام مالک بن انس رحمہ اللہ کے پاس ان لوگوں کا ذکر ہوتا، جو صفاتِ باری تعالیٰ والی احادیث کو ردّ کرتے ہیں، تو میں نے ان کو فرماتے سنا: امام عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد خلفاءِ راشدین نے کئی طریقے مقرر کیے ہیں۔ ان طریقوں پر عمل پیرا ہونا قرآنِ کریم کی تصدیق، اطاعتِ الٰہی کی تکمیل اور اللہ کے دین پر مضبوطی کا ذریعہ ہے۔ کسی کے لیے بھی ان طریقوں میں تبدیلی کرنا یا ان کے مخالف طریقے پر غور کرنا جائز نہیں۔ جو شخص ان طریقوں کو اپنائے گا، ہدایت پا جائے گا، جو ان کے ذریعے مدد کا طالب ہوگا، اس کی مدد کی جائے گی اور جو ان طریقوں کی مخالفت کر کے مؤمنوں کے راستے کے علاوہ کسی اور راستے کی پیروی کرے گا، اسے اللہ تعالیٰ اس کے حال پر چھوڑ دے گا اور جہنم میں ڈال دے گا، جو کہ بُرا ٹھکانہ ہے۔ امام خلال رحمہ اللہ نے اپنی سند کے ساتھ، جس کے سارے راوی ثقہ امام ہیں، امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ سے بیان کیا ہے کہ امام

ربیعہ بن ابوعبد الرحمٰن سے اس فرمانِ باری تعالیٰ کے بارے میں پوچھا گیا:
﴿الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾ (رحمٰن عرش پر مستوی ہوا) کہ وہ کیسے مستوی ہوا؟ تو انہوں نے فرمایا: استوا معلوم ہے، لیکن اس کی کیفیت ہماری سمجھ میں آنے والی نہیں، اللہ تعالیٰ نے پیغام پہنچایا، رسول اللہ ﷺ پر اس پیغام کی واضح تبلیغ لازم تھی اور ہمارے لیے اس کی تصدیق کرنا فرض ہے۔
یہی بات امام ربیعہ بن ابوعبد الرحمٰن کے شاگرد امام مالک بن انس رحمہ اللہ سے کئی سندوں کے ساتھ مروی ہے۔ایک سند امام ابوشیخ اصبہانی اور امام ابوبکر بیہقی رحمہما اللہ نے یحییٰ بن یحییٰ سے بیان کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں: ہم امام مالک بن انس رحمہ اللہ کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ ایک شخص آیا اور کہنے لگا: ابو عبد اللہ! رحمٰن عرش پر کیسے مستوی ہوا؟ اس پر امام مالک رحمہ اللہ نے اپنا سر جھکا لیا، حتی کہ پسینے سے شرابور ہو گئے، پھر سر اٹھایا اور فرمایا: استویٰ تو معلوم ہے، لیکن اس کی کیفیت ہماری سمجھ سے باہر ہے، البتہ اس پر ایمان لانا ضروری ہے اور اس کی کیفیت کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے۔ مجھے تو تم بدعتی ہی لگتے ہو۔ پھر امام صاحب نے اسے اپنے ہاں سے نکلنے کا حکم دیا۔امام ربیعہ اور امام مالک رحمہما اللہ کا قول کہ استویٰ معلوم ہے، کیفیت سمجھ میں نہیں آنے والی اور اس پر ایمان لانا فرض ہے، یہ باقی اسلاف کے اس قول کے بالکل مطابق ہے کہ احادیثِ صفات کو بغیر کیفیت بیان کیے اسی طرح تسلیم کرو، جس طرح وہ وارد ہوئی ہیں۔انہوں نے کیفیت کا علم ہونے کی نفی کی ہے، حقیقتِ صفت کی نفی نہیں کی۔اگر اسلافِ امت اللہ کے شایانِ شان معنیٰ سمجھے بغیر

صرف لفظ استویٰ پر ایمان لائے ہوتے ،تو انہیں یہ کہنے کی ضرورت نہ پڑتی کہ استویٰ معلوم ہے،اس کی کیفیت سمجھ میں آنے والی نہیں، نہ ہی وہ یہ کہتے کہ احادیثِ صفات پر اسی طرح ایمان لاؤ،جس طرح وہ وارد ہوئی ہیں، کیونکہ اس صورت میں تو استویٰ معلوم نہیں ہونا تھا، بلکہ حروفِ معجم کی طرح مجہول ہی ہونا تھا۔نیز جب کسی لفظ سے معنیٰ سمجھ میں ہی نہ آ رہا ہو،تو کیفیت کے علم کی نفی کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔کیفیت کے علم کی نفی اسی وقت ضروری ہوتی ہے، جب صفاتِ باری تعالیٰ کا اثبات کیا جائے۔جو شخص صفاتِ خبریہ یا ساری صفات کا انکار کرتا ہے،اسے یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ بلا کیفیت ایمان لایا جائے۔جو شخص اللہ تعالیٰ کا عرش پر نہیں مانتا،اسے یہ کہنے کی ضرورت ہی نہیں کہ استویٰ کو بغیر کیفیت کے تسلیم کیا جائے۔اگر سلف صالحین کا مذہب درحقیقت انکارِ صفاتِ باری تعالیٰ ہوتا ،تو وہ بغیر کیفیت کی قید نہ لگاتے۔نیز اسلاف کا کہنا کہ احادیثِ صفات کو اسی طرح تسلیم کرو، جس طرح وہ وارد ہوئی ہیں، یہ تقاضا کرتا ہے کہ ان نصوص کو اسی طرح باقی رکھا جائے، کیونکہ ان میں جو الفاظ آئے ہیں، وہ مخصوص معانی پر دلالت کرتے ہیں، اگر ان کی دلالت کا انکار کرنا مقصود ہوتا، تو ضروری طور پر یہ کہا جاتا کہ ان کے الفاظ کو تسلیم کرو اور یہ اعتقاد بھی رکھو کہ ان کا مفہوم مراد نہیں ہے۔یا یہ کہا جاتا کہ ان نصوص کے الفاظ کو تسلیم کرو، لیکن یہ عقیدہ بھی رکھو کہ ان الفاظ کی حقیقی دلالت سے اللہ تعالیٰ موصوف نہیں۔اس صورت میں نصوص پر اسی طرح ایمان لانا ممکن ہی نہیں تھا،جس طرح وہ وارد ہوئی ہیں، نہ ہی اس وقت بغیر کیفیت

کی قید لگانا ممکن تھا، کیونکہ جو چیز ثابت ہی نہیں،اس کی کیفیت کی نفی کرنا لغو بات ہے۔''(مجموع الفتاوٰی : 5/41-42)

❀ شیخ الاسلام رحمہ اللہ کے شاگردِ رشید،شیخ الاسلام ثانی،عالم ربانی،علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (691-751ھ)فرماتے ہیں:

وَمُرَادُ السَّلَفِ بِقَوْلِهِمْ : بِلَا كَيْفٍ؛ هُوَ نَفْيُ التَّأْوِيلِ، فَإِنَّهُ التَّكْيِيفُ الَّذِي يَزْعُمُهُ أَهْلُ التَّأْوِيلِ، فَإِنَّهُمْ هُمُ الَّذِينَ يُثْبِتُونَ كَيْفِيَّةً تُخَالِفُ الْحَقِيقَةَ، فَيَقَعُونَ فِي ثَلَاثَةِ مَحَاذِيرَ : نَفْيِ الْحَقِيقَةِ، وَإِثْبَاتِ التَّكْيِيفِ بِالتَّأْوِيلِ، وَتَعْطِيلِ الرَّبِّ تَعَالٰى عَنْ صِفَتِهِ الَّتِي أَثْبَتَهَا لِنَفْسِهٖ، وَأَمَّا أَهْلُ الْإِثْبَاتِ؛ فَلَيْسَ أَحَدٌ مِّنْهُمْ يُكَيِّفُ مَا أَثْبَتَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى لِنَفْسِهٖ، وَيَقُولُ : كَيْفِيَّةُ كَذَا وَكَذَا، حَتّٰى يَكُونَ قَوْلُ السَّلَفِ : بِلَا كَيْفٍ، رَدًّا عَلَيْهِ، وَإِنَّمَا رَدُّوا عَلٰى أَهْلِ التَّأْوِيلِ الَّذِي يَتَضَمَّنُ التَّحْرِيفَ وَالتَّعْطِيلَ، تَحْرِيفَ اللَّفْظِ وَتَعْطِيلَ مَعْنَاهُ.

''سلف صالحین نے جو یہ کہا ہے کہ'بغیر کیفیت کے' ،اس سے ان کی مراد صفاتِ باری تعالیٰ میں تاویل کی نفی کرنا ہے۔اسے ہی اہل تاویل تکییف سمجھتے ہیں۔یہ لوگ ایسی کیفیت کا اثبات کرتے ہیں جو حقیقت کے مخالف ہوتی ہے،چنانچہ تین خرابیوں میں واقع ہو جاتے ہیں: ① حقیقت کی نفی، ② تاویل کے ذریعے کیفیت کا اثبات اور ③ رب تعالیٰ کی اس صفت کا انکار،

جسے اس نے خود اپنے لیے ثابت کیا ہے۔ رہے اہل اثبات، تو ان میں سے کوئی بھی اس صفت کی کیفیت بیان نہیں کرتا، جو اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے ثابت کی ہے کہ اس پر سلف کا 'بغیر کیفیت کے' والا قول ردّ کرے۔ ان لوگوں نے تو اہل تاویل کا ردّ کیا ہے، جو لفظی تحریف بھی کرتے ہیں اور معنوی تعطیل بھی۔'' (اجتماع الجیوش الإسلامیة، ص: 73)

علامہ موصوف مزید فرماتے ہیں:

إِنَّ الْعَقْلَ قَدْ يَئِسَ مِنْ تَعَرُّفِ كُنْهِ الصِّفَةِ وَكَيْفِيَّتِهَا، فَإِنَّهٗ لَا يَعْلَمُ كَيْفَ اللّٰهُ إِلَّا اللّٰهُ، وَهٰذَا مَعْنٰى قَوْلِ السَّلَفِ: بِلَا كَيْفٍ، أَيْ بِلَا كَيْفٍ يَعْقِلُهُ الْبَشَرُ، فَإِنَّ مَنْ لَّا تُعْلَمُ حَقِيقَةُ ذَاتِهٖ وَمَاهِيَّتُهٗ، كَيْفَ تُعْرَفُ كَيْفِيَّةُ نُعُوتِهٖ وَصِفَاتِهٖ؟ وَلَا يَقْدَحُ ذٰلِكَ فِي الْإِيمَانِ بِهَا، وَمَعْرِفَةِ مَعَانِيهَا، فَالْكَيْفِيَّةُ وَرَاءَ ذٰلِكَ، كَمَا أَنَّا نَعْرِفُ مَعَانِيَ مَا أَخْبَرَ اللّٰهُ بِهٖ مِنْ حَقَائِقِ مَا فِي الْيَوْمِ الْآخِرِ، وَلَا نَعْرِفُ حَقِيقَةَ كَيْفِيَّتِهٖ، مَعَ قُرْبِ مَا بَيْنَ الْمَخْلُوقِ وَالْمَخْلُوقِ، فَعَجْزُنَا عَنْ مَعْرِفَةِ كَيْفِيَّةِ الْخَالِقِ وَصِفَاتِهٖ؛ أَعْظَمُ وَأَعْظَمُ، فَكَيْفَ يَطْمَعُ الْعَقْلُ الْمَخْلُوقُ الْمَحْصُورُ الْمَحْدُودُ فِي مَعْرِفَةِ كَيْفِيَّةِ مَنْ لَهُ الْكَمَالُ كُلُّهٗ، وَالْجَمَالُ كُلُّهٗ، وَالْعِلْمُ كُلُّهٗ، وَالْقُدْرَةُ كُلُّهَا، وَالْعَظَمَةُ كُلُّهَا، وَالْكِبْرِيَاءُ كُلُّهَا؟ مَنْ لَّوْ كُشِفَ الْحِجَابُ عَنْ وَجْهِهٖ؛ لَأَحْرَقَتْ سَبَحَاتُهُ السَّمَاوَاتِ

وَالْأَرْضَ وَمَا فِيهِمَا وَمَا بَيْنَهُمَا، وَمَا وَرَاءَ ذٰلِكَ؟ الَّذِي يَقْبِضُ سَمَاوَاتِهِ بِيَدِهِ، فَتَغِيبُ كَمَا تَغِيبُ الْخَرْدَلَةُ فِي كَفِّ أَحَدِنَا، الَّذِي نِسْبَةُ عُلُومِ الْخَلَائِقِ كُلِّهَا إِلٰى عِلْمِهِ؛ أَقَلُّ مِنْ نِّسْبَةِ نَقْرَةِ عُصْفُورٍ مِّنْ بِحَارِ الْعِلْمِ الَّذِي لَوْ أَنَّ الْبَحْرَ يَمُدُّهُ مِنْ بَعْدِهِ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مِّدَادٌ، وَّأَشْجَارَ الْأَرْضِ مِنْ حِينِ خُلِقَتْ إِلٰى قِيَامِ السَّاعَةِ أَقْلَامٌ؛ لَّفَنِيَ الْمِدَادُ وَفَنِيَتِ الْأَقْلَامُ، وَلَمْ تَنْفَدْ كَلِمَاتُهُ، الَّذِي لَوْ أَنَّ الْخَلْقَ مِنْ أَوَّلِ الدُّنْيَا إِلٰى آخِرِهَا؛ إِنْسَهُمْ وَجِنَّهُمْ، وَنَاطِقَهُمْ وَأَعْجَمَهُمْ جُعِلُوا صَفًّا وَاحِدًا؛ مَا أَحَاطُوا بِهِ سُبْحَانَهُ، الَّذِي يَضَعُ السَّمَاوَاتِ عَلٰى إِصْبَعٍ مِّنْ أَصَابِعِهِ، وَالْأَرْضَ عَلٰى إِصْبَعٍ، وَالْجِبَالَ عَلٰى إِصْبَعٍ، وَالْأَشْجَارَ عَلٰى إِصْبَعٍ، ثُمَّ يَهُزُّهُنَّ، ثُمَّ يَقُولُ: أَنَا الْمَلِكُ، فَقَاتَلَ اللّٰهُ الْجَهْمِيَّةَ وَالْمُعَطِّلَةَ، أَيْنَ التَّشْبِيهُ هَاهُنَا؟ وَأَيْنَ التَّمْثِيلُ؟ لَقَدِ اضْمَحَلَّ هَاهُنَا كُلُّ مَوْجُودٍ سِوَاهُ، فَضْلًا عَنْ أَنْ يَّكُونَ لَهُ مَا يُمَاثِلُهُ فِي ذٰلِكَ الْكَمَالِ، وَيُشَابِهُهُ فِيهِ، فَسُبْحَانَ مَنْ حَجَبَ عُقُولَ هٰؤُلَاءِ عَنْ مَّعْرِفَتِهِ، وَوَلَّاهَا مَا تَوَلَّتْ مِنْ وُّقُوفِهَا مَعَ الْأَلْفَاظِ الَّتِي لَا حُرْمَةَ لَهَا، وَالْمَعَانِي الَّتِي لَا حَقَائِقَ لَهَا، وَلَمَّا فَهِمَتْ هٰذِهِ الطَّائِفَةُ مِنَ الصِّفَاتِ الْإِلٰهِيَّةِ مَا تَفْهَمُهُ مِنْ صِفَاتِ الْمَخْلُوقِينَ؛

فَرَّتْ إِلٰى إِنْكَارِ حَقَائِقِهَا، وَابْتِغَاءِ تَحْرِيفِهَا، وَسَمَّتْهُ تَأْوِيلًا، فَشَبَّهَتْ أَوَّلًا، وَعَطَّلَتْ ثَانِيًا، وَأَسَائَتِ الظَّنَّ بِرَبِّهَا، وَبِكِتَابِهِ، وَبِنَبِيِّهِ، وَبِأَتْبَاعِهِ .

''بلاشبہ عقل صفاتِ باری تعالیٰ کی حقیقت و کیفیت کو پہچاننے سے مایوس ہو چکی ہے۔اللہ تعالیٰ کیسا ہے؟ یہ صرف اللہ تعالیٰ خود ہی جانتا ہے۔یہی مراد سلف صالحین کے اس قول کی ہے کہ صفاتِ باری تعالیٰ کو بغیر کیفیت کے تسلیم کیا جائے،یعنی بغیر ایسی کیفیت کے جسے بشری عقل سمجھ سکے۔بھلا جس کی ذات و ماہیت کی حقیقت معلوم نہ ہو سکے،اس کی نعوت و صفات کی کیفیت کیسے معلوم ہو سکتی ہے؟لیکن کیفیت کو نہ سمجھ پانا صفات پر ایمان اور ان کے معانی کی معرفت میں رکاوٹ نہیں بنتا،کیونکہ کیفیت ایک الگ چیز ہے۔اس کی مثال یوں سمجھیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بیان کردہ آخرت کے حقائق کے معانی سمجھتے ہیں،لیکن ان کی کیفیت نہیں سمجھتے،حالانکہ ہم بھی مخلوق ہیں اور وہ حالات بھی مخلوق ہوں گے،لہٰذا خالق کی صفات کی کیفیت کو سمجھنا تو اس سے بھی بہت بہت مشکل ہے۔ایک مخلوق، ناقص اور محدود عقل اس ذات کی کیفیت کو سمجھنے کی کوشش کیسے کر سکتی ہے،جس کے پاس سارا کمال،سارا جمال،سارا علم،ساری قدرت،ساری عظمت اور ساری کبریائی ہے۔وہ ذات کہ اگر اس کے چہرے سے پردہ ہٹ جائے،تو اس کی چمک آسمانوں،زمین، ان دونوں میں پائی جانے والی چیزوں، ان کے درمیان میں رہنے والی مخلوقات اور اس کے علاوہ بھی ہر چیز کو جلا دے۔وہ ذات کہ اپنے آسمانوں کو

اپنے ہاتھ میں لے،تو وہ یوں غائب ہو جائیں،جس طرح رائی کا دانہ ہم میں سے کسی کی ہتھیلی میں غائب ہو جاتا ہے۔وہ ذات جس کے علوم کے مقابلے میں مخلوق کے علوم کی نسبت اتنی بھی نہیں،جتنی علم کے سمندروں کے مقابلے میں کسی چڑیا کی چونچ میں آنے والی علمی بوند کی ہوسکتی ہے۔وہ ذات کہ اگر سمندر سیاہی بن جائے اور اس کے ساتھ سات سمندر اور بھی، نیز زمین کے درخت ،جب سے پیدا ہوئے ہیں،اس وقت سے قیامت تک کے تمام درخت قلمیں بن جائیں، پھر سیاہی ختم ہو جائے اور قلمیں گھس جائیں،تو بھی اس کے کلمات ختم نہیں ہوں گے۔وہ ذات کہ اگر دنیا کے آغاز سے لے کر اختتام تک کی تمام مخلوق،جن ہو یا انسان،ناطق ہو یا غیر ناطق،ایک صف میں کھڑی ہو جائے،تو بھی اس کی پاک ذات کا احاطہ نہیں کر سکتی۔وہ ذات جو تمام آسمانوں کو ایک انگلی،تمام زمین کو ایک انگلی،تمام پہاڑوں کو ایک انگلی اور تمام درختوں کو ایک انگلی پر رکھ کر ہلائے گی،پھر فرمائے گی : میں ہی بادشاہ ہوں۔ان جہمیوں اور معطلہ کو اللہ تعالیٰ غارت کرے،کہاں ہے تشبیہ وتمثیل؟ اس مقام پر تو اس کے سوا ہر ذات کمزور پڑ جاتی ہے، چہ جائیکہ اس کمال میں وہ اس کے مشابہ ومماثل ہو۔پاک ہے وہ ذات جس نے اپنی معرفت سے ان گمراہوں کی عقول کو محروم رکھا اور ان کو ایسے الفاظ ومعانی کے ساتھ چمٹے رہنے دیا،جن کی کوئی وقعت وحقیقت نہیں۔جب اس فرقے نے صفاتِ باری تعالیٰ کو بھی ویسے سمجھا،جیسے مخلوق کی صفات کو سمجھتے ہیں،تو ان کی حقیقت کا انکار اور ان میں تحریف کرنے لگے اور اپنے اس عمل کو تاویل کا نام دے دیا۔ چنانچہ

انہوں نے پہلے تشبیہ دی، پھر تعطیل (انکار) کی۔ یوں اپنے رب، اس کی کتاب، اس کے نبی ﷺ اور ان کے پیروکاروں کے ساتھ سوءِ ظن رکھا۔''

(مدارج السالکین : 3-359-360)

ایک اعتراض کا جواب :

امام، قوام السنہ، اسماعیل بن حجر، اصبہانی رحمہ اللہ (م : 535ھ) لکھتے ہیں :

قَالَ مَكْحُولٌ وَّالزهْرِيُّ : أَمِرُّوا هٰذِهِ الْأَحَادِيثَ كَمَا جَائَت، فَإِنْ قِيلَ : كَيفَ يَصِحُّ الْإِيمَانُ بِمَا لَا نُحِيطُ عِلْمًا بِحَقِيقَتِهٖ؟ قِيلَ : إِنَّ إِيمَانَنَا صَحِيحٌ بِحَقِّ مَنْ كُلِّفْنَاهُ، وَعِلْمُنَا مُحِيطٌ بِالْأَمْرِ الَّذِي أُلْزِمْنَاهُ، وَإِنْ لَّمْ نَعْرِفْ مَا تَحْتَهَا حَقِيقَةُ كَيْفِيَّتِهٖ، وَقَدْ أُمِرْنَا بِأَنْ نُّؤْمِنَ بِمَلَائِكَةِ اللّٰه، وَكُتُبِهٖ، وَرُسُلِهٖ، وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ، وَبِالْجَنَّةِ وَنَعِيمِهَا، وَبِالنَّارِ وَعَذَابِهَا، وَمَعْلُومٌ أَنَّا لَا نُحِيطُ عِلْمًا بِكُلِّ شَيْءٍ مِّنْهَا عَلَى التَّفْصِيلِ، وَإِنَّمَا كُلِّفْنَاهُ الْإِيمَانَ بِهَا جُمْلَةً .

''امام مکحول اور امام زہری رحمہما اللہ نے کہا ہے کہ احادیثِ صفاتِ باری تعالیٰ کو اسی طرح تسلیم کرلو، جس طرح وہ وارد ہوئی ہیں۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جس چیز کی حقیقت ہی ہمارے علم میں نہ آئے، اس پر ہمارا ایمان کیسے درست ہو گا؟ اس کا جواب یہ ہوگا کہ اگر حقیقت و کیفیت معلوم نہ بھی ہو، تو ہمارا ایمان اس چیز کے بارے میں صحیح ہوگا، جس کا ہمیں مکلّف بنایا گیا ہے اور ہمارا علم اس امر کے بارے میں مکمل ہوگا، جسے ہم پر لازم کیا گیا ہے۔ جیسا کہ ہمیں

اللہ تعالیٰ کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں، یومِ آخرت، جنت اور ان کی نعمتوں اور جہنم اور اس کے عذابوں پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے، لیکن ہم تفصیلی طور پر ہر چیز کا مکمل علم نہیں رکھتے۔ ہمیں صرف ان چیزوں پر اجمالی ایمان رکھنے کا حکم ہے۔''(الحجّة في بيان المحجّة :1/190)

معلوم ہوا کہ سلف صالحین کی اس عبارت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ صفات کے معانی میں ''تفویض''(اللہ کے سپرد کرنے) کے قائل تھے، بلکہ اسلافِ امت کا معلوم و مشہور مذہب یہی ہے کہ وہ صفات کی کیفیت میں بحث نہیں کرتے تھے۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ سلف صالحین صفات کے معانی میں تفویض کرتے تھے، شیخ الاسلام، امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (661-728ھ) نے ان کا ردّ یوں فرمایا ہے:

فَمَا يُمْكِنُ لِأَحِدٍ قَطُّ أَنْ يَّنْقُلَ عَنْ وَّاحِدٍ مِّنَ السَّلَفِ مَا يَدُلُّ، لَا نَصًّا وَّلَا ظَاهِرًا، أَنَّهُمْ كَانُوا يَعْتَقِدُونَ أَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ فَوْقَ الْعَرْشِ، وَلَا أَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ لَهٗ سَمْعٌ وَّبَصَرٌ وَّيَدٌ حَقِيقَةً .

''کسی کے لیے ہرگز یہ ممکن نہیں کہ سلف میں سے کسی ایک سے بھی ایسی کوئی بھی بات نقل کرے کہ وہ اللہ کے عرش پر نہ ہونے کا اعتقاد رکھتے ہوں یا اللہ تعالیٰ کی صفتِ سمع، صفت بصر اور صفتِ ید کے حقیقی ہونے کے انکاری ہوں۔''

(الفتاوى الحمويّة، ص :111)

تنبیہ بلیغ :

امام سفیان ثوری رحمہ اللہ (107-198ھ) فرماتے ہیں:

كُلُّ مَا وَصَفَ اللّٰهَ مِنْ نَّفْسِهٖ فِي كِتَابِهٖ، فَتَفْسِيرُهٗ تِلَاوَتُهٗ،

وَالسُّكُوتُ عَلَيْهِ.

''ہر وہ صفت جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بارے میں قرآنِ کریم میں بیان کی ہے، اس کی تفسیر یہی ہے کہ اس کی تلاوت کی جائے اور اس کے بارے میں سکوت اختیار کیا جائے۔''(الاعتقاد والهداية إلى سبيل الرشاد على مذهب السلف وأصحاب الحديث للبيهقي، ص: 118)

اس قول کی شرح میں امام بیہقی رحمہ اللہ (384-458ھ) فرماتے ہیں:

وَإِنَّمَا أَرَادَ بِهِ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ، فِيمَا تَفْسِيرُهُ يُؤَدِّي إِلٰى تَكْيِيفٍ، وَتَكْيِيفُهُ يَقْتَضِي تَشْبِيهًا لَّهُ بِخَلْقِهِ فِي أَوْصَافِ الْحَدَثِ.

''امام سفیان رحمہ اللہ کی مراد ایسی تفسیر سے اجتناب ہے، جو کیفیت کے بیان کی طرف لے جائے اور کیفیت کے بیان سے مخلوق کی صفات کے ساتھ حادث ہونے میں مشابہت لازم آتی ہے۔''(الاعتقاد، ص: 118، وفي نسخة: 123)

❀ امام نعیم بن حماد خزاعی رحمہ اللہ (م: 228ھ) فرماتے ہیں:

مَنْ شَبَّهَ اللّٰهَ بِشَيْءٍ مِّنْ خَلْقِهِ؛ فَقَدْ كَفَرَ، وَمَنْ أَنْكَرَ مَا وَصَفَ اللّٰهُ بِهِ نَفْسَهُ وَرَسُولُهُ؛ فَقَدْ كَفَرَ، وَلَيْسَ فِيمَا وَصَفَ اللّٰهُ بِهِ نَفْسَهُ وَرَسُولُهُ تَشْبِيهٌ.

''جو اللہ تعالیٰ کو کسی مخلوق سے تشبیہ دیتا ہے، وہ کافر ہے اور جو اللہ کی ان صفات کا انکار کرتا ہے، جو اللہ تعالیٰ نے خود اور اس کے رسول ﷺ نے بیان کی ہیں، وہ بھی کافر ہے۔ جو صفات اللہ تعالیٰ نے خود یا اس کے رسول ﷺ نے بیان کی ہیں، ان سے تشبیہ لازم نہیں آتی۔''

(تاريخ دمشق لابن عساكر : 163/62، وسندہٗ صحیحٌ)

❁ حافظ ذہبی رحمہ اللہ (673-748ھ) اس قول کی تشریح میں لکھتے ہیں:

هٰذَا الكَلَامُ حَقٌّ، نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ التَّشْبِيْهِ، وَمِنْ إِنْكَارِ أَحَادِيْثِ الصِّفَاتِ، فَمَا يُنْكِرُ الثَّابِتَ مِنْهَا مَنْ فَقُهَ، وَإِنَّمَا بَعْدَ الْإِيْمَانِ بِهَا هُنَا مَقَامَانِ؛ مَذْمُومٌ تَأْوِيْلُهَا وَصَرْفُهَا عَنْ مَّوْضُوْعِ الْخِطَابِ، فَمَا أَوَّلَهَا السَّلَفُ، وَلَا حَرَّفُوا أَلفَاظَهَا عَنْ مَّوَاضِعِهَا، بَلْ آمَنُوا بِهَا، وَأَمَرُّوْهَا كَمَا جَائَتْ.

اَلْمَقَامُ الثَّانِي : المُبَالغَةُ فِي إِثْبَاتِهَا، وَتَصَوُّرُهَا مِنْ جِنْسِ صِفَاتِ الْبَشَرِ، وَتَشَكُّلُهَا فِي الذِّهْنِ، فَهٰذَا جَهْلٌ وَّضَلَالٌ، إِنَّمَا الصِّفَةُ تَابِعَةٌ لِّلْمَوْصُوفِ، فَإِذَا كَانَ الْمَوْصُوفُ عَزَّ وَجَلَّ لَمْ نَرَهٗ، وَلَا أَخْبَرَنَا أَحَدٌ أَنَّهٗ عَايَنَهٗ، مَعَ قَوْلِ لَّنَا فِي تَنْزِيلٍ : ﴿**لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ**﴾، فَكَيْفَ بَقِيَ لِأَذْهَانِنَا مَجَالٌ فِي إِثْبَاتِ كَيْفِيَّةِ الْبَارِئِ، تَعَالَى اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ، فَكَذٰلِكَ صِفَاتُهُ الْمُقَدَّسَةُ، نُقِرُّ بِهَا، وَنَعْتَقِدُ أَنَّهَا حَقٌّ، وَلَا نُمَثِّلُهَا أَصْلًا، وَلَا نَتَشَكَّلُهَا.

''یہ کلام صحیح ہے۔ہم تشبیہ اور انکارِ صفات، دونوں چیزوں سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔کوئی عقل وشعور والا شخص ثابت شدہ صفاتِ باری تعالیٰ کا انکار نہیں کر سکتا۔البتہ صفات پر ایمان کے بعد دو چیزیں اہم ہیں؛ ایک تو ان کی تاویل کرنا اور ان کو معنیٰ مراد سے پھیر دینا ناجائز ہے۔سلف صالحین نے نہ ان میں

تاویل کی، نہ الفاظ کو ان کی جگہوں سے ہٹایا، بلکہ ان پر ایمان لائے اور جس طرح وارد ہوئی تھیں، ان کو تسلیم کیا۔ دوسری اہم چیز یہ ہے کہ صفاتِ باری تعالیٰ کے اثبات میں مبالغہ، ان کو بشری صفات کی طرح خیال کرنا اور ذہن میں ان کی شکل وصورت بنانا بھی جہالت وگمراہی ہے۔ صفت اپنے موصوف کے تابع ہوتی ہے۔ جب موصوف، یعنی اللہ تعالیٰ کو ہم نے نہیں دیکھا، نہ کسی نے ہمیں بتایا کہ اس نے اللہ کو دیکھا ہے، نیز قرآنِ کریم نے یہ بھی بتا دیا کہ اس کی مثل کوئی چیز نہیں، تو اللہ تعالیٰ کی کیفیت کے اثبات کے لیے ہمارے اذہان کے پاس کیسے گنجائش ہوگی؟ یہی معاملہ اس کی صفاتِ مقدسہ کا ہے کہ ہم ان کا اقرار کرتے ہیں، ان کے حق ہونے کا اعتقاد بھی رکھتے ہیں، لیکن نہ ان کی مثال بیان کرتے ہیں نہ ذہن میں ان کی شکل وصورت بناتے ہیں۔''

(سير أعلام النبلاء: 10/610-611)

❀ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (701-774ھ) فرماتے ہیں:

فَلِلنَّاسِ فِي هٰذَا الْمَقَامِ مَقَالَاتٌ كَثِيرَةٌ جِدًّا، لَيْسَ هٰذَا مَوْضِعُ بَسْطِهَا، وَإِنَّمَا نَسْلُكُ فِي هٰذَا الْمَقَامِ مَذْهَبَ السَّلَفِ الصَّالِحِ؛ مَالِكٍ وَّالْأَوْزَاعِيِّ، وَالثَّوْرِيِّ، وَاللَّيْثِ بْنِ سَعْدٍ، وَّالشَّافِعِيِّ، وَأَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ بْنِ رَاهَوَيْهِ، وَغَيْرِهِمْ مِّنْ أَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ، قَدِيمًا وَّحَدِيثًا، وَهُوَ إِمْرَارُهَا كَمَا جَائَتْ، مِنْ غَيْرِ تَكْيِيفٍ، وَلَا تَشْبِيهٍ، وَلَا تَعْطِيلٍ، وَالظَّاهِرُ الْمُتَبَادَرُ إِلٰى أَذْهَانِ الْمُشَبِّهِينَ مَنْفِيٌّ عَنِ اللّٰهِ لَا يُشْبِهُهُ شَيْءٌ مِّنْ خَلْقِهٖ، وَلَيْسَ

كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ، وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ، بَلِ الْأَمْرُ كَمَا قَالَ الْأَئِمَّةُ؛ مِنْهُمْ نُعَيْمُ بْنُ حَمَّادٍ الْخُزَاعِيُّ؛ شَيْخُ الْبُخَارِيِّ، قَالَ : مَنْ شَبَّهَ اللّٰهَ بِخَلْقِهٖ؛ كَفَرَ، وَمَنْ جَحَدَ مَا وَصَفَ اللّٰهُ بِهٖ نَفْسَهٗ؛ فَقَدْ كَفَرَ، وَلَيْسَ فِيمَا وَصَفَ اللّٰهُ بِهٖ نَفْسَهٗ وَلَا رَسُولُهٗ تَشْبِيهٌ، فَمَنْ أَثْبَتَ لِلّٰهِ تَعَالٰى مَا وَرَدَتْ بِهِ الْآيَاتُ الصَّرِيحَةُ وَالْأَخْبَارُ الصَّحِيحَةُ، عَلَى الْوَجْهِ الَّذِي يَلِيقُ بِجَلَالِ اللّٰهِ، وَنَفٰى عَنِ اللّٰهِ تَعَالَى النَّقَائِصَ؛ فَقَدْ سَلَكَ سَبِيلَ الْهُدٰى .

''صفاتِ باری تعالیٰ کے بارے میں لوگوں کے کئی اقوال ہیں،جنہیں تفصیلی بیان کرنے کا یہ موقع نہیں۔ہم تو اس سلسلے میں سلف صالحین،مثلاً؛امام مالک، امام اوزاعی،امام ثوری،امام لیث بن سعد،امام شافعی،امام احمد،امام اسحاق بن راہویہ اور دیگر متقدمین ومتاخرین ائمہ مسلمین کے مذہب پر چلتے ہیں۔ان کا مذہب یہ ہے کہ صفاتِ باری تعالیٰ کو اسی طرح تسلیم کیا جائے،جس طرح وہ بیان ہوئی ہیں۔نہ ان کی کوئی کیفیت بیان کی جائے،نہ انہیں مخلوقات کی صفات سے تشبیہ دی جائے اور نہ ان کا انکار کیا جائے۔جو چیز تشبیہ دینے والے لوگوں کے ذہنوں میں جلدی سے آتی ہے،اس سے اللہ تعالیٰ پاک ہے، کوئی مخلوق اس کے مشابہ نہیں۔اس کی مثل کوئی چیز نہیں،البتہ وہ خوب سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔صفات کے معاملے میں قولِ فیصل،تو امام بخاری رحمہ اللہ کے استاذ نعیم بن حماد خزاعی رحمہ اللہ سمیت دیگر ائمہ کرام کی یہ بات ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کو اس کی مخلوق سے مشابہت دے،وہ بھی کافر، جو اللہ تعالیٰ کی اس

صفت کا انکار کرے اور جو خود اس نے یا اس کے رسول ﷺ نے بیان کی ہے، وہ بھی کافر ہے۔ جو صفت خود اللہ تعالیٰ نے یا اس کے رسول ﷺ نے بیان کی ہے، اس میں تشبیہ کا کوئی امکان نہیں۔ لہٰذا جو لوگ صریح آیات اور صحیح احادیث میں وارد ہونے والی صفاتِ باری تعالیٰ پر اسی طرح ایمان لائیں، جیسے وہ اس کی شایانِ شان ہیں اور ذاتِ باری تعالیٰ سے نقائص کی نفی کریں، وہی شاہراہِ ہدایت کے راہی ہیں۔‘‘(تفسير ابن كثير : 383/3، ط العلميّة)

❁ اہل بدعت نے جب اعتراض کیا کہ صفات کے بارے میں اہل حدیث سلف صالحین کے نظریے پر عمل پیرا نہیں، تو اس کا جواب دیتے ہوئے علامہ ابن قدامہ مقدسی رحمہ اللہ (541-620ھ) لکھتے ہیں:

وَهٰذَا كَذِبٌ وَّفِرْيَةٌ، وَّقَوْلُ مَنْ لَّا حَيَاءَ لَهُ وَلَا دِينَ، فَلْيُخْبِرْنَا أَيَّ شَيْءٍ أَحْدَثْنَاهُ، وَأَيَّ مَقَالَةٍ خَالَفْنَا فِيهَا أَسْلَافَنَا، فَإِنْ قَالَ : تَرَكْتُمْ تَأْوِيلَ الْآيَاتِ وَالْأَخْبَارِ الْوَارِدَةِ فِي الصِّفَاتِ، وَادَّعٰى أَنَّ السَّلَفَ تَأَوَّلُوهَا، وَفَسَّرُوهَا؛ فَقَدْ أَفَكَ، وَافْتَرٰى، وَجَاءَ بِالطَّامَّةِ الْكُبْرٰى، فَإِنَّهٗ لَا خِلَافَ فِي أَنَّ مَذْهَبَ السَّلَفِ الْإِقْرَارُ وَالتَّسْلِيمُ وَتَرْكُ التَّعَرُّضِ لِلتَّأْوِيلِ وَالتَّمْثِيلِ، ثُمَّ إِنَّ الْأَصْلَ عَدَمُ تَأْوِيلِهِمْ، فَمَنِ ادَّعٰى أَنَّهُمْ تَأَوَّلُوهَا؛ فَلْيَأْتِ بِبُرْهَانٍ عَلٰى قَوْلِهٖ، وَهٰذَا لَا سَبِيلَ إِلٰى مَعْرِفَتِهٖ إِلَّا بِالنَّقْلِ وَالرِّوَايَةِ، فَلْيَنْقُلْ لَنَا ذٰلِكَ عَنْ رَّسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَوْ عَنْ

صَحَابَتِهِ، أَوْ عَنْ أَحَدٍ مِّنَ التَّابِعِينَ، أَوِ الْأَئِمَّةِ الْمَرْضِيِّينَ، ثُمَّ الْمُدَّعِي لِذٰلِكَ مِنْ أَهْلِ الْكَلَامِ، وَهُمْ أَجْهَلُ النَّاسِ بِالْآثَارِ، وَأَقَلُّهُمْ عِلْمًا بِالْأَخْبَارِ، وَأَتْرَكُهُمْ لِلنَّقْلِ، فَمِنْ أَيْنَ لَهُمْ عِلْمٌ بِهٰذِهِ، وَمَنْ نَّقَلَ مِنْهُمْ شَيْئًا؛ لَمْ يُقْبَلْ نَقْلُهٗ، وَلَا يُلْتَفَتُ إِلَيْهِ، وَإِنَّمَا لَهُمُ الْوَضْعُ، وَالْكَذِبُ، وَزُورُ الْكَلَامِ، وَلَا خِلَافَ بَيْنَ أَهْلِ النَّقْلِ سُنِّيِهِمْ وَبِدْعِيِهِمْ فِي أَنَّ مَذْهَبَ السَّلَفِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ فِي صِفَاتِ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالَى الْإِقْرَارُ بِهَا، وَالْإِمْرَارُ لَهَا، وَالتَّسْلِيمُ لِقَائِلِهَا، وَتَرْكُ التَّعَرُّضِ لِتَفْسِيرِهَا، بِذٰلِكَ جَائَتِ الْأَخْبَارُ عَنْهُمْ مُّجْمَلَةً .

''یہ جھوٹ اور افترا ہے اور حیا و دین سے عاری شخص کا الزام ہے۔وہ ہمیں کوئی ایک ایسی چیز بتائیں، جو ہم نے خود بنائی ہے یا کوئی ایک ایسی بات، جس میں ہم نے اپنے اسلاف کی مخالفت کی ہے۔اگر وہ کہے کہ تم صفاتِ باری تعالیٰ پر مشتمل آیات و احادیث میں تاویل نہیں کرتے ،جبکہ سلف ان کی تاویل وتفسیر کرتے تھے،تو ایسا شخص جھوٹ ،افترا اور بہت بڑا بہتان باندھ رہا ہے۔اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں کہ سلف کا مذہب صفات کے اقرار اور ان میں تاویل وتمثیل نہ کرنے کا تھا۔پھر اصل تو عدمِ تاویل ہے،لہٰذا جو شخص دعویٰ کرتا ہے کہ سلف تاویل کرتے تھے،وہ اپنی بات پر کوئی دلیل پیش کرے۔ سلف کا موقف صرف نقل و روایت سے ثابت ہوسکتا ہے، چنانچہ وہ ہمیں

رسول اللہ ﷺ، کسی صحابی، کسی تابعی یا کسی ثقہ امام سے ایسی بات پیش کر دے۔ایسے دعوے اہل کلام کرتے ہیں، جو آثار کے حوالے سے سب سے بڑھ کر جاہل، احادیث کے بارے میں سب سے کم علم اور روایت کو سب سے زیادہ چھوڑنے والے ہیں۔انہیں ان چیزوں کا کیا علم؟ جو لوگ سلف سے ایسی بات نقل کرتے ہیں، ان کی روایت قبول ہی نہیں ہوتی، نہ وہ قابل التفات ہوتے ہیں۔ یہ لوگ تو جھوٹ، طوفان اور دروغ گوئی کے ماہر ہیں۔اہل نقل، اہل سنت ہوں یا اہل بدعت، سب اس بات پر متفق ہیں کہ سلف صالحین صفاتِ باری تعالیٰ کے بارے میں یہی مذہب رکھتے تھے کہ انہیں ثابت کیا جائے، جیسے بیان ہوئی ہیں، اسی طرح ان پر ایمان لایا جائے، صفات کے قائل کو تسلیم کیا جائے اور ان کی تفسیر (کیفیت) میں نہ پڑا جائے۔سلف صالحین سے اسی طرح کے مجمل آثار ملتے ہیں۔''

(تحریم النظر في کتب الکلام : 10-11)

الحاصل :

سلف صالحین صفاتِ باری تعالیٰ کو اسی طرح ثابت کرتے تھے، جس طرح قرآنِ کریم اور صحیح احادیث میں ان کا بیان ہوا ہے۔وہ کسی صفتِ الٰہی کا انکار نہیں کرتے تھے، نہ ہی کسی صفت کو مخلوق کی صفات سے تشبیہ دیتے تھے۔

سلف اللہ تعالیٰ کی صفات کے معانی پر ایمان رکھتے تھے، اس میں تفویض کے قائل نہیں تھے، بلکہ صفات کی کیفیت و ہیئت کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے علم کے سپرد کرتے تھے۔